از کوئے صوفیان تا حضور عارفان

(اردو)

مولف سید تقی واحدی صالح علیشاہ

مترجم نثار احمد زین پوری

از کوے صوفیان تا حضور عارفان

مولف سید تقی واحدی صالح علیشاہ

مترجم نثار احمد زین پوری

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷_۳۷۱۸۵

قم جمہوری اسلامی ایران

ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴

اسم کتاب	از کوے صوفیاں تا حضور عارفاں
مولف	سید تقی واحدی صالح علیشاہ
مترجم	نثار احمد زین پوری
کاتب	سید قیصر عباس رضوی
ناشر	انصاریان پبلیکیشنز قم
طبع	رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
مطبع	بہمن
تعداد	۲۰۰۰

شابک ۴-۰۳۰-۴۳۸-۹۶۴

ISBN 964-438-030-4

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

ص

ص

ص

ص

ص

پیش لفظ

انسان فطری طور پر علم و عرفان کو دوست رکھتا ہے وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو چھان ڈالنا ہی نہیں چاہتا بلکہ اس کا دل چیر کر اسکی حقیقت نہفتہ کو بھی جاننا چاہتا ہے۔ تمام آسمانی ادیان نے بھی اس کی اس فطری تشنگی کو سراہا ہے اور علم و عرفان کے سہل الحصول طریقوں کی بھی وضاحت کی ہے۔

خدا نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں ایسے طریقہ بیان کئے ہیں کہ جن سے انسان منزل بمنزل حقیقی عرفان تک پہونچ سکتا ہے مثلاً اسے کائنات میں غور و فکر کرنے اور خود اپنے نفس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔ اسی طرح اسے خودشناسی سے خداشناسی اور کائنات کی معرفت سے عرفان حقیقی تک پہونچنے کا راز بتا دیا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے صحیح طریقہ سے اپنا اور کائنات کا مطالعہ کیا وہ عرفان کی منزل پر پہونچے تو پھر کائنات کی وہ چیزیں بھی ان پر آشکار ہو گئیں جو کہ دوسروں پر مخفی رہتی ہیں، اصطلاح میں اسے کشف و شہود کہتے ہیں۔

جس انسان میں کشف و شہود کی صلاحیت ہوتی ہے اسے ہر مذہب و فرقہ کا ماننے والا دوست رکھتا ہے اور دل سے اس کا احترام کرتا ہے صوفی حضرات کو بھی عرفار کی طرح اس بات کا دعویٰ ہے کہ ان میں کشف و شہود کی صلاحیت ہے۔ چنانچہ انہوں نے جس سرزمین پر بھی قدم رکھا وہیں وحدت الوجود اور کشف و شہود کی تبلیغ و ترویج کی اس نظریہ سے اکثر لوگ متاثر ہوئے اور انکے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔

ہندوستان میں اسلامی تصوف آج سے نو سو ہزار سال قبل جب مسلمانوں نے ہندوستان کا رخ کیا تھا تو اس وقت صوفی حضرات ہندوستان پہونچ چکے تھے۔ چونکہ ان کے افکار و نظریات ہنود کے مسلک سے کافی مشابہ تھے اسلئے تصوف کو پھولنے پھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی اس سے ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے نزدیک بھی ہو گئے تھے کیونکہ ہندوں کو مسلمان صوفیوں کے فلسفۂ وحدت الوجود میں اپنے ویدانیت کے فلسفہ کی جھلک نظر آئی تھی۔

اپنشدوں کے زمانہ میں شنکر آچاریہ اس نظریہ کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔ اس نقطۂ اتحاد کو امرار بھی بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ خود بھی صوفی نواز اور صوفی مجلس کو پسند کرتے تھے حد یہ ہے کہ اکبر جیسا بادشاہ جس نے خدا اور رسولؐ کا انکار کر دیا تھا اور اپنا الگ مذہب دین الٰہی ایجاد کر لیا تھا اس کے دل میں صوفیوں کا اتنا زیادہ احترام تھا کہ وہ جب بھی اجمیر شریف

جاتا تو ‌ ‌ برہنہ جاتا تھا۔ لوگ اس کی حالت پر ہنستے تھے کہ رسول ؐ کا تو انکار کرتا ہے اور معین الدین چشتی کی زیارت کو پا برہنہ جاتا ہے جبکہ رسول ؐ کی ایک جنبش مژگاں سے چشتی جیسے ہزاروں اولیاء پیدا ہو سکتے ہیں۔ اکبر اکثر نظام الدین اولیاء کے مزار پر بھی جاتا تھا۔

معین الدین چشتی سلسلۂ چشتیہ کے سرخیل ہیں، ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک کے صوفی تذکروں میں بھی ان کا اجمالی ذکر ملتا ہے۔ آپ کا مختصر حال یہ ہے کہ سجستان میں پیدا ہوئے والد کے انتقال کے بعد پندرہ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، شیخ عثمانی سے کسب فیض کیا، ان ہی کی اجازت سے ہندوستان کا سفر کیا۔ پہلے لاہور پہونچے جہاں داتا گنج بخش علی الہجویری کے مزار پر کافی دنوں تک گوشہ نشین رہے وہاں سے دہلی کا رخ کیا۔ بعد میں آخری عمر تک کیلئے اجمیر میں سکونت اختیار کی ۹۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ہندوستان کے گوشہ وکنار سے مسلمان ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں عرس میں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔

خواجہ بختیار کاکی بھی حضرت معین الدین چشتی ہی کے شاگرد ہیں ان کا نام قطب الدین تھا، کمال الدین کعکی اوشی کے فرزند رشید تھے جو بگڑ کر کاکی ہو گیا اوش۔ ماوراء النہر میں پیدا ہوئے، تعلیم کے بعد ۱۸ برس کی عمر میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری کے ہاتھ پر بیعت کی دو برس تک شیخ کی خدمت میں رہے۔

ان ہی کی اجازت سے ہندوستان کا سفر کیا۔ ملتان میں ٹھہرتے ہوئے ۔ جو کہ پیروں اور مریدوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ دلی پہونچے۔ یہ سلطان شمس الدین کا زمانہ تھا، سلطان نے ان کی بہت عزت کی، ہر ہفتہ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر کسب فیض کرتے، اسپر علماءِ دربار نے حسد کیا، انہیں ستایا بھی ۔ خانقاہ شیخ سکرٹی میں مجلس سماع میں قوال، شیخ احمد جام کی غزل پڑھ رہا تھا۔ خواجہ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، مجلس سے اٹھا کر انہیں گھر لائے لیکن افاقہ نہ ہوا، چار دن رات اسی حالت میں گذر گئے۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۲۳ھ، ۲۷ نومبر ۱۲۳۵ء میں جان بحق ہو گئے۔ دہلی کے جنوب قصبہ مہرولی میں مزار ہے۔

سلسلۂ چشتیہ میں رقص و غنا اور وجد و سماع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ہند و پاک اور مصر و ترکی میں صوفیوں کے سلسلوں میں آجتک یہ رسم چلی آرہی ہے۔ یہ رسم اچھی ہو یا بری سلسلۂ چشتیہ میں اس وقت تک جاری رہے گی۔ جب تک سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ اس کے اگلے سربراہوں نے اسے حکم خدا کے عنوان سے سلسلہ کا جز بنا دیا ہے۔

شیخ ابو عبداللہ کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے: شیخ ابوعبداللہ، شیخ ابو سعید سے ملاقات کیلئے گئے لیکن وہاں پہونچے تو معلوم ہوا محفل پر رقص و غنا کی کیفیت طاری ہے، موصوف بدمزہ ہو کر لوٹ آئے رات میں خواب دیکھا کہ ہاتف کہہ رہا ہے: قوموا وارقصوا للہ اٹھو اور اللہ کے لئے رقص کرو! بیدار ہوئے تو کہا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ شیطانی خواب ہے، دوبارہ پھر یہی خواب دیکھا تو لاحول پڑھ کر قرآن کے چند سوروں کی تلاوت کی، لیکن جب تیسری بار خواب دیکھا اور خواب میں ہاتف کی وہی آواز سنی تو یہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی شیطانی حرکت نہیں ہے۔ معاذاللہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہؑ کے خواب کی طرح اسے حکم خدا سمجھا۔ اور صبح اٹھتے ہی شیخ سعید کے پاس گئے اور کہا: اٹھئے اور اللہ کے لئے رقص کیجئے۔

صرف رقص وغنا اور وجد وسماع ہی پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ اس محفل کے موسیقی کار کے حسن وجمال کو لازمی قرار دیا گیا ہے "کتاب الانوار، فی کشف الاسرار" میں مرقوم ہے: قوال کو حسین وجمیل ہونا چاہئے کیونکہ محفل سماع میں عارفوں، صوفیوں کے بہلنے کے لئے تین چیزوں۔ بہترین خوشبو، حسن وجمال کا پیکر قوال اور رسیلی آواز۔ کی ضرورت ہوتی ہے[1]

دہلی میں آج بھی چشتیہ سلسلہ کے صوفیوں کے یہاں محفل سماع کا پروگرام ہوتا ہے۔

جس محفل میں مدہوشی کے اسباب اور حسن کی جلوہ آرائیاں ہوں گی اور ہر سن وسال کے افراد جمع ہوں گے اس کا کسی اصلاحی پہلو پر اختتام پذیر ہونا امکان سے خارج نظر آتا ہے۔ دوسرے جب رقص وغنا کے ذریعہ حیا کا حجاب چاک ہو جاتا ہے تو پھر انسان کسی بھی خلاف شرع فعل کی انجام دہی میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا ہے۔

---

[1] عرفان وتصوف مولفہ داؤد الہامی

البتہ صوفیوں کے تمام سلسلوں میں رقص وغنا اور وجد و سماع نہیں ہے۔ مثلاً سلسلۂ نقشبندیہ میں قوالی و رقص وغیرہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ کے بارے میں ڈاکٹر شارب ردولوی لکھتے ہیں:

نقشبندیہ سلسلہ ماوراءالنہر کے رنگ میں رنگا ہوا تھا یہ لوگ شرع کی پابندی پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فلسفہ اور خالق و مخلوق کے تعلق ہی کو ظاہر کرتے ہیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں نمایاں شخصیت شیخ احمد سرہندی کی ہے ان کے سلسلہ میں مالک رام نے لکھا ہے:

شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالاحد کے خلف رشید، مجدد الف ثانی کے لقب سے مشرف شوال سنہ ۹۷۱ھ مئی، جون ۱۵۶۴ء میں سرہند میں پیدا ہوئے سترہ برس کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم مختلف اساتذہ سے مکمل کی اور اس کے بعد درس و تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ محمد عبدالباقی دباقی باللہ، کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور اپنے وطن پہونچ کر مسند ارشاد پر بیٹھ گئے۔ یہ زمانہ جہانگیر کی حکمرانی کا ہے لوگوں نے ان کے خلاف اس کے کان بھرے

جہانگیر نے انہیں دربار میں طلب کیا اور انہیں گوالیار کے
قلعہ میں قید کر دیا اور تین سال کے بعد اس شرط پر رہا
کیا کہ یہ لشکر کے ساتھ رہیں چنانچہ آٹھ برس لشکر جہانگیری
کے ساتھ رہے، شاہجہاں ان کا معتقد تھا اسی نے انہیں
آزادی دلائی اس کے بعد یہ سرہند آ گئے اور یہیں ۲۷
صفر کو رحلت کی۔ مزار سرہند میں ہے![1]

سلسلۂ نقشبندیہ سے پہلے ہندوستان میں صوفیوں کے دیگر سلسلے اپنا سکہ بٹھا چکے تھے اور اپنے سلسلوں کی بنیادیں محکم کر چکے تھے لیکن وہ تمام چیزوں میں شریعت کے احکام کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے لہٰذا ان میں اسلامی بو باس بھی ختم ہوتی جا رہی تھی، یہ چیز حضرت مجدد الف ثانی کو بہت کھٹکتی تھی چنانچہ انہوں نے تصوف کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے چلہ کشی، سماع، قبور پر روشنی، چادر چڑھانے، عورتوں کا ہجوم، سر جھکانے، بوسہ دینے کی مخالفت کی۔ اور ابن عربی کے پرانے طریقہ، وحدت الوجود کی نئی توجیہ کر کے نظریۂ وحدت الشہود کو پیش کیا تاکہ صوفیوں اور علماء کے درمیان جو اختلافات ہو گئے ہیں وہ ختم ہو جائیں۔[2]

1۔ تذکرۂ ابوالکلام آزاد حواشی مالک رام ص ۳۶۴ ۔ 2۔ خلاصہ جدید تنقید اردو اصول و نظریات ص ۱۰۳

لیکن موصوف صوفیٔ باصفا ہونے اور مجدد الف کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود محبان اہل بیت رسولؐ، شیعیان امیر المومنینؑ کے سخت سے مخالف تھے، ہنود سے بھی بدظن تھے اسی کٹھورپن کی بنا پر جہانگیر نے انہیں قید میں ڈالا تھا۔ اگر واقعاً صوفی خصوصاً سرہندی مرحوم کو رسول وآل رسولؐ سے محبت تھی تو ان کے چاہنے والوں سے دشمنی ومخالفت کی کیا وجہ تھی؟! حقیقت یہ ہے کہ یہ سلسلے ابتداہی سے مسلک اہل بیتؑ سے ہٹے ہوئے ہیں، اگرچہ خود کو اہل بیتؑ کا محب ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، لیکن دوست کا دوست' اور دشمن کا دشمن' کے کلیہ سے ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور خاندان عصمت وطہارت سے ان کی دشمنی طشت از بام ہوجاتی ہے۔

ڈاکٹر شارب ردولوی لکھتے ہیں:

جہانگیر کے عہد میں طریقۂ نقشبندیہ کو بہت فروغ ہوا لیکن حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت محدث دہلوی کا ستارہ جو کہ جہانگیر کے زمانہ میں بام عروج پر تھا، شاہ جہانی زمانہ میں غروب ہوگیا۔ طریقۂ وحدت الوجود۔ وحدت الشہود پر غالب آگیا۔ سلسلۂ قادریہ کو بھی ایک بار عروج حاصل ہوگیا۔ اس عہد میں۔ شیخ میاں لاہوری قادری سب سے با اثر بزرگ تھے۔ ان کے سلسلۂ قادریہ کا اثر شہزادوں کے اوپر بھی تھا۔

خود شاہجہاں بھی ان کا مرید تھا۔ داراشکو فقرار اور بزرگوں کا بے حد قائل تھا اور سلسلۂ قادریہ کا بڑا ماننے والا تھا۔ لیکن قسمت نے ان کے ساتھ یاوری نہیں کی۔ ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب نے اسے شکست دیکر تخت شاہی پر قبضہ کرلیا۔

اس سے سلسلۂ قادریہ کی ترقی بھی اسلئے متاثر ہوئی کہ، الناس علی دین ملوکھم، لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں شہزادے قادریہ کے سلسلے سے شغف وعقیدت رکھتے تھے، لہذا عام لوگ بھی اس سلسلہ کی طرف بڑھتے تھے، چنانچہ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا، تو شجرِ قادریہ کے طائروں کو پراگندہ ہونا ہی تھا اور ایسا ہی ہوا۔

لیکن فکرِ تصوف اور اس کے نظریات سے ہر عزلت گزیں اور ٹھوکریں کھایا ہوا انسان متاثر ہوتا رہا یہاںتک کہ شعرار کے کلام میں بھی تصوف کے افکار وعقائد کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ جن شعرار نے تصوف کی اصطلاح کو بطور خاص اپنے کلام میں سمویا ہے ان میں سرفہرست غالبؔ ہیں، تصوف کے مسائل کے بیان پر خود غالبؔ کو غرہ تھا کہتے ہیں:

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب | تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالبؔ جانتے ہیں کہ صوفی حضرات جو چیز پیش کرتے ہیں وہ عرفانی ہے اور کردار عرفان سے یکسر خالی ہے۔

لہذا ولی بننے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، ہاں مسائل تصوف کے بیان پر ناز کرتے ہیں۔ اصل میں غالبؔ دور سے خانقاہوں کو دیکھتے اور اہلِ خانقاہ کی ظاہری حالت وعقیدہ کو بیان کرتے تھے اگر وہ اس زمرہ میں رسمی طور پر داخل ہو جاتے تو ولی بن بیٹھتے! اسلئے کہ جن چیزوں کو وہ ولی بننے میں مانع تصور کرتے ہیں، مروجہ تصوف میں وہ سب موجود ہیں بادہ خواری، امرد پسندی، رقص وغنا سب ہی تو رکنِ تصوف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مولانا ابوالکلام نے "الہلال" میں لکھا ہے کہ: استامبول کے بازاروں میں پہلی محرم سے دس تک شراب دستیاب نہیں ہو سکتی تھی البتہ خانقاہوں کے مٹکے اور قدح شراب سے لبریز رہتے تھے اور دس محرم کو دوشیزائیں اپنے ہاتھوں سے اہلِ خانقاہ کے لبوں سے جام لگاتی تھیں صوفیوں کی امرد پسندی کے بارے میں مرحوم شاہد زعیم فاطمی نے اپنی کتاب "پردہ اٹھتا ہے" میں اشارہ کیا ہے۔

غالب کو اپنے گنہ گار ہونے کا احساس تھا لہذا اپنے ولی اور صوفی ہونے کے اعلان سے احتراز کیا۔ ہاں وہ وحدت الوجود کے قائل تھے اس کا اظہار بھی کرتے تھے: علاء الدین احمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

میں موحد اور خالص مومن کامل ہوں، لاالٰہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ اور لاموثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوئے ہوں[1]

---

[1] غالب نمبر شاعر بمبئی طبع ۱۹۶۹ء ص ۲۰۴۔

یہاں بھی غالب نے خود کو صوفی نہیں قرار دیا ہے اگرچہ خالص مومن کامل کہا ہے۔

وحدت الوجود کو شعر کے قالب میں یوں بیان کیا ہے۔

کثرت آرائی ہے پرستاری وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

لیکن علامہ اقبال نے نہ تصوف کو قبول کیا ہے نہ اس کے نظریہ کو، بلکہ دونوں کو رد کر کے نظریۂ خودی کی بنیاد رکھی ہے۔ اگر تصوف کوئی مستحسن مسلک ہوتا تو علامہ اقبال نے اسے کیوں نہ اختیار کیا؟! اسے نہیں اختیار کرتا ہے تو عظیم مفکر اور اپناتا ہے تو معمولی سا فقیر!!

امید ہے کہ یہ کتاب تصوف و خانقاہوں کی حقیقت کو واضح کرے گی۔ اور مسلمان حقیقت کو سمجھنے میں کسی تنگ نظری کا شکار نہ ہوں گے۔

ناشر و مترجم نے ایک پیغام رسانی کے طور پر کتاب ھذا کو پیش کیا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

نثار احمد

وما كان لمومن ولا مومنة

اذا قضی الله و رسوله امراً ان یکون

لهم الخیرة من امرهم و من یعص الله

و رسوله فقد ضل ضلالاً مبینا

(احزاب: ۳۶)

کسی مومن مرد یا کسی مومن عورت کو یہ حق

نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کے

بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے امر کے بارے

میں صاحب اختیار بن جائیں اور جو بھی خدا کی

نافرمانی کریگا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا

عارفِ محقق سید تقی واحدی نے

آل محمدؐ کے شیفتہ وخدمت گزار خانوادہ میں آنکھیں

کھولیں، بچپنے ہی میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ،

شمس العرفاء اور پھر جناب شیخ عبد الحسین، ذوالریاستین

مونس علی شاہ، اور جناب حاج محمد حسن مراغہ ای،

محبوب علی شاہ سے ملاقات کی ہے، اور جناب شیخ

محمد حسن گن آبادی علی شاہ نیز جناب حاج مطہر

علی شاہ سے اور آخر میں جناب سلطان حسین تابندہ

رضا علی شاہ کو اچھی طرح دیکھا ہے، صوفیوں کے

اعتقادات اور ان کی خانقاہوں سے بخوبی واقف ہیں؛

یہاں تک کہ خدا نے اپنے لطف سے ان کی ہدایت

کی، اور وہ کوئے تصوف سے منزل عرفان تک پہونچ

گئے، اور اب خود ان اہل دل کیلئے شمع ہدایت ہیں

جو کہ نور قرآن اور سنت آل رسولؐ کی روشنی

میں عشق کی منزلیں طے کرتے ہیں۔

محمد مہدی خلیفہ

باعثِ تحریر

عالم و عابد و صوفی ہمہ طفلان رہند　　مرد اگر ہست بجز عارف ربانی نیست

عالم و عابد اور صوفی سبھی یہاں بچے ہیں　　مرد ہے تو فقط عارف ربانی ہے

قسمت نے یاوری کی اور اس صاحب جمال کے دل نشیں جمال کے دیدار شوق نے کہ جو دوست تک پہنچا سکتا اور اسکی طرف رہبری کر سکتا ہے۔ اس نے رہبری کی، جان کو ہتھیلی پر رکھ کر مقصد کی تلاش میں کوچہ بہ کوچہ، اور دیار بہ دیار کی خاک چھانی، ہو سکتا ہے جس کو صدیوں سے خضر راہ کہا جاتا ہے، میں بھی اسے پاؤں، اور اس کی محبت وعقیدت کا قلادہ گردن میں ڈال لوں، بلکہ دل اسی کے سپرد کر دوں، اس کے نقش قدم پر گامزن ہو جاؤں اور اس صدق وصفا کی وادی کو اسقدر طے کروں کہ محبوب تک پہنچ جاؤں۔

لہذا میں ہر اُس جگہ پہنچا جہاں مقصد کی نشان دہی کی گئی اور جس کی طرف راہنمائی ہوئی اس سے ملاقات کی، لیکن کہیں کچھ نہ ملا، صوفیوں کی خانقاہ نہیں ملی کہ جہاں پہنچکر اپنی امید پاتا، مجھے خانقاہ میں بھی لے گئے، عیبی دیر کے صوف پوش، سینہ چاک لوگوں کو نہیں پایا کہ ان کے درمیان معتکف ہو جاتا، صوفیوں کے جھگھٹے کی طرف میری راہنمائی کی۔ اس کا ماحصل وہی تھا جو کہ خواجہ شیراز جیسے آزاد منش نے کہا ہے: ،، در خانقاہ نہ گنجد اسرار عشق و مستی ،، اس زمانہ میں کہ جب جستجو کی تھکن نے مضمحل کر دیا تھا اور مایوسی دامن گیر ہونے والی تھی، جستجو سے برداشتہ خاطر ہونے والا تھا زبان حال پر خواجہ شیرازی کا شعر تھا۔

یارب از ابر ہدایت برساں بارانی　　　پیشتر زآنکہ چو گردی ز میاں برخیزم

غیبی عنایت نے میری منزل عرفاء کی طرف ہدایت کی، دلیل راہ نے جب میری بیس سال کی تھکن دیکھی تو کہا: "می دہند آبی و دلہا را توانگر می کنند[1] دیوان حافظ لب جبکہ میں ناامیدی سے روضۂ امید کی راہ پا گیا ہوں تو مقصد یابی کے شکرانہ کے عنوان سے، اس چیز کو طالب دیدار کی خدمت میں تحفہ دیتا ہوں جو کہ میں صوفیوں کی رہگزر سے منزل عرفا تک دیکھا اور اپنے ذہن میں ذخیرہ کیا ہے تاکہ وہ اس حقیقت کا سراغ پا جائے کہ "عرصۂ شطرنج رندان را مجال شاہ نیست" کیونکہ حافظ شیرازی کے بقول:

دراین صوفی وشان دردی ندیدم　　　کہ صافی باد عیش دردنوشاں

پربستہ راز سالکانہ زندگی کے شوق نے مجھے اتنا مست کر دیا تھا کہ مجھے صرف اس چیز کے دیکھنے کا شوق جس کا صوفیوں نے یقین دلایا تھا، اس جستجو کے علاوہ کسی چیز کی تلاش نہیں تھی، ہر شخص اور ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا تھا کہ دوبارہ خدا کی غیبی عنایت میرے شامل حال ہوئی اور اس نے مجھ پر حقیقت واضح کر دی

دردم نہفتہ بہ ز طبیبان مدعی　　　باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند

انہوں نے مجھے اس حقیقت سے آشنا ہی نہیں کیا بلکہ یہ بھی سمجھا دیا کہ کشف و کرامات کے قصہ کی مثال شکاری کے ان دانوں کی سی ہے کہ جن کے ذریعہ وہ شکار کرتے ہیں، "ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی چیز نہیں ہے۔ جب میں اس نتیجہ پر پہنچا اور اپنی عمر رفتہ کا حساب کیا جو کہ خیالی گمشدہ کی تلاش میں ضائع کی تھی تو معلوم ہوا کہ "پردہ کے پیچھے بہت سے فتنے ہیں"، لہذا میں نے خاموش رہنے کا عزم کیا، ہاتھ صوفیانہ امور میں اور دل یار حقیقی کی تلاش میں منہمک ہے، ممکن ہے دوسری عنایت سے میں سراب سے آب تک پہنچ جاؤں۔

تلاش حقیقت

میں جس زمانہ میں اپنے نفس سے گفتگو کرتا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہے کہ جس کی عنایت پر خود کو چھوڑ دوں، اسی زمانہ میں مجھ پر وہ حقیقت عیاں ہوئی کہ جس کو صوفی لوگ چھپاتے تھے، اور عارف بے نیازی سے اس پر خاک ڈالتے تھے، اور سالکوں میں سے جو لوگ اس حقیقت کو پا گئے تھے درحالیکہ وہ سیر سلوک کی حقیقت کا انکار نہیں کرتے تھے اس بات سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے کہ اگر راہِ عبودیت میں سالک مرتبۂ کلیم اللہ تک بھی پہنچ جائے تو بھی اسے اس ذات کا دامن تھامنا پڑے گا جو کہ خانقاہ سے مستغنی ہے۔

رطل گرانم دہ ای مرید خرابات   شادی شیخی کہ خانقاہ ندارد

یہاں سے میرے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ گئی کہ عرفان اور تصوف کی راہ مختلف ہے اور جو لوگ یہ کہتے، نعرہ لگاتے یا لکھتے ہیں کہ: تصوف و عرفان کا سرچشمہ قرآن اور رسولؐ و آئمہؑ کی حدیث ہے [1]!

وہ حقیقت میں تحریف کرتے ہیں اور بے قیمت شئے کو قیمتی بناتے ہیں تاکہ ان متضاد و پراگندہ چیزوں کے ذریعہ مسند نشین ہو سکیں، اور اگر مسند نشین ہیں تو اس سے اتر نا نہ پڑے۔ انہوں نے بیدار لوگوں کو قرآن کی صراط مستقیم جو کہ ولایت مطلقۂ الٰہیہ اور انسان کامل کی راہ ہے سے منحرف کر کے اپنی دنیا آباد کی، اور اپنی خواہشات نفسانی کو اچھی طرح پورا کیا۔

اس زمانہ کا سراغ لگانا، کہ جس میں انہوں نے عرفان اور تصوف کو مخلوط کیا تھا، مشکل

---

۱. خورشید تابندہ

دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور اس زمانہ میں اسے انجام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ لہذا دوسرے موقع پر موقوف کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت کو پہچاننا، اور اس عظیم تحریف کے محرک کا سراغ لگانا جو کہ مالامال ثقافت اور آسمانی عرفان سے خیانت ہے، اس حقیقت تک رسائی ہے کہ جسکے متلاشی افراد کو صوفی لوگ اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتے ہیں، اور ظاہری چیزوں کی چمک سے لوگوں کی آنکھیں خیرہ کرتے ہیں۔

مارا بہ مستی افسانہ کردند پیران جاہل شیخان گمراہ

اگر اس حقیقت کی تحقیق نہ کی جائے گی، تو رفتہ رفتہ وہ زمانہ کی بھول بھلیوں میں گم ہو جائے گی، اور کچھ عرصہ بعد نہ عارف نہ صوفی، محققین تحریف شدہ حقائق کو تحقیق کا سرچشمہ قرار دیں گے۔ اور واضح و آشکار حقیقت کہ "عرفان و تصوف" ایک نہیں ہیں ہمیشہ کے لئے خانقاہ کے صوفیوں کی من گڑھت میں دفن ہو جائے گی اور پھر عارف کو صوفی اور صوفی کو عارف سمجھا جانے لگے گا۔ جیسا کہ خانقاہی، مراتب کے اثبات کے سلسلہ میں ائمہ معصومینؑ کے اصحاب کے بارے کہنے لگے ہیں:

ماذونین[1] کا یہ گروہ صوفی و عارف کے نام سے معروف ہے۔[2]

ایسے زمانہ میں اسرار سے واقف انسان کو جان کی بازی لگا دینا چاہئے۔ یعنی جرأت کے ساتھ صوفی خانہ کی مہر کو توڑ کر اعلان کر دینا چاہیے کہ تصوف عرفان نہیں ہے، تصوف عرفان سے

---

[1] صوفیوں کے فرقوں میں ماذون مشائخ کے اس گروہ کہتے ہیں جو لوگوں کو فرقہ میں داخل کرتے ہیں۔

[2] خورشید تابندہ صفحہ ۱۵

جداگانہ خیالی ڈھانچہ ہے۔

تصوف کی اصل

تصوف کی اصل کے بارے میں اختلاف ہے، صوفیوں کی کتابوں اور علماء علم لغت کے آثار میں اس کی ریشہ یابی کے سلسلہ میں مختلف آرا بیش کی گئی ہیں جو کہ تصوف کے متلاشی کے لئے اولین مشکل سمجھی جاتی ہے اور اسے تحقیق کی پر پیچ و خم گلیوں میں چکر لگانے پر اکساتی ہیں صوفیوں کے مسلک کو تصوف کہا جاتا ہے۔

لفظ صوفی کا اشتقاق

لفظ صوفی کے اشتقاق کے بارے میں صوفیانہ اور غیر صوفیانہ بہت سے نظریات و آرا بیان ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں پیش کئے جانے والے اقوال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ــــــــ ابوریحان بیرونی متوفی ۴۴۰ھ کا اتباع کرنے والے معتقد ہیں کہ اس لفظ کی اصل یونانی لفظ SOPH ہے۔ جس کے معنی حکمت و دانائی کے ہیں اور لفظ فیلسوف جو کہ فیلا PHILA و صوفیا SPHIA سے مرکب ہے اور جس کے معنی حکمت کو دوست رکھنے والے کے ہیں وہ بھی اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔[۱]

وہ تو اس بات کے بھی معتقد ہیں کہ لفظ صوفی اور اس سے مشتق ہونے والے تصوف اور متصوف کو ہر جگہ "سین" سے لکھنا چاہئے "صاد" سے نہیں [۲] لیکن محققین نے اس نظریہ کو رد کیا ہے۔ اس کے نظریہ سے پتہ چلتا ہے کہ "سین" یونانی سے سیکھا کا عربی میں "سین" ترجمہ ہوا ہے۔

۱۔ تحقیق

۲۔ مقدمہ مصباح الھدایۃ و مفتاح الکفایۃ

صاد نہیں ہے۔ اور آریائی لغت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو کہ سوفیا سے منتقل ہو کر صوفی سمجھا جاتا ہو۔[۲] کے اس نظریہ کی نیکلسن، نلڈکرنے بھی تائید کی ہے۔

ہر چند صوفیوں کے بعض فرقوں نے اس نظریہ کو قبول کیا ہے۔[۱] لیکن استاد جلال ہمائی نے اس پر تنقید کی ہے، لکھتے ہیں: اگر اس نئی تحقیق کی وجہ سے آج تک کوئی غلطی ہوتی چلی آرہی ہے تو اس کے بعد اسے رفع کرنا چاہیئے تھا؟

۲ یہ لوگ ان اقوال کو پیش کرنے والے ہیں کہ جن پر صاحبان قلم اور محققین نے اپنی تحقیق کی بنیاد قائم کی ہے۔

۱۔ کچھ لوگوں نے صوفی کو، صوف سے مشتق کیا ہے جیسا کہ اہل لغت نے لکھا ہے کہ، صوف کے معنی اون کے ہیں[۲] اس لئے صوفی و تصوف کے معنی اونی لباس پہننے کے ہیں[۳] ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ صوفیوں نے اونی لباس پہن کر حضرت داؤد[۵] حضرت یحییٰ[۶] و حضرت موسیٰ[۷] و عیسیٰ[۸] اور رسول[۹] کی تاسی کی ہے۔ اور چونکہ صوف کے لباس کو پیغمبروں کا لباس سمجھتے ہیں انکی راہ پر چلنا چاہتے ہیں اس لئے یہ لباس پہنتے ہیں[۱۰] چنانچہ پہلے زمانہ کے صوفی سخت اون کا خرقہ تیار کرتے تھے، اور اسے دوش پر ڈالتے یا پہنتے تھے۔ عز الدین محمود کاشانی لکھتے ہیں:

---

[۲] تاریخ تصوف در اسلام ج ۲، ص ۴۳ و ۴۴ [۱] فلسفہ فلوطین از گنا آبادی ص ۱۲۷: تعریف صوفی و تصوف از جواد نور بخش ص ۳۔ [۱] مقدمہ مصباح الھدایۃ و مفتاح الکفایۃ ص ۶۶ [۲] لسان العرب ج ۹ ص ۱۹۱ و ۲۰۰۔ [۳] اقرب الموارد ج ۱ ص ۶۷۰ [۵] عہد عتیق زبور داود از ۷ تا ۱۳ ص ۱۰۵۷ اور ۱۰۵۸ [۶] انجیل متی باب سوم شمارہ چہارم [۷] طرائق الحقائق ج ۱ ص ۵۸ [۸] التصوف الاسلامی ج ۱ ص ۴۶ [۹] کشف المحجوب ص ۴۹ شرح [۱۰] اللمع فی التصوف ص ۴۱۔

وہ قدیم مشائخ میں سے اکثر محبت میں کمی، دنیا سے علٰحدگی اختیار کرتے اور انبیاء کی اقتداء میں صوف کا لباس پہنتے ہیں، اور خاکساری کے طور پر اور تن پوشی کے لئے لباس کی صفت سے خود کو پہچنواتے ہیں اور ایک دوسرے کو صوفی کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ نام ان کے درمیان شہرت پاتا گیا اور زبان زد ہو گیا ہے۔[۳۷]

اس کے دو جواب ہیں۔ اگر زہد کی وجہ سے وہ صوف کا لباس پہنتے تھے تو اس سلسلہ میں انہیں آئمہ طاہرین، ذریت رسولؐ کی تاسی کرنی چاہئے تھی کہ وہ سخت اور موٹا لباس نیچے پہنتے تھے۔ تاکہ ریا سے محفوظ رہیں۔ اور صوفی حضرات ائمہ اہلبیتؑ کی سیرت کے برخلاف صوف کے لباس کو دوسرے لباس کے اوپر پہنتے ہیں۔

احمد بن محمد المعروف بہ مقدس اردبیلی لکھتے ہیں: سفیان ثوری ایک روز امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ اچھا لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں تعجب کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ امامؑ نے پوچھا تمہیں کس بات پر تعجب ہے؟ اس نے کہا: آپ کے آباءؑ ایسا لباس نہیں پہنتے تھے!! آپ نے فرمایا وہ احتیاج و تنگی کا زمانہ تھا۔ پھر میں نے یہ لباس تم جیسوں کو دکھانے کے لئے زیب تن کیا ہے۔ جبکہ آپ کے لباس کے نیچے صوف کا لباس تھا، آپ نے اشارہ کر کے فرمایا: یہ خدا کی خوشنودی کے لئے پہن رکھا ہے اور یہ اوپر کا لباس تمہارے لئے زیب تن کر رکھا ہے۔ جن لوگوں نے اس واقعہ کا خلاصہ نقل کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ سفیان ثوری نے اس وقت موٹا لباس اوپر اور نیچے آرام دہ لباس پہن رکھا تھا۔

دوسرا جواب استاد ہمائی نے یہ دیا ہے کہ عربی میں یائے نسبتی لباس کی شکل و صورت میں استعمال نہیں ہوئی ہے مثلاً روئی کا لباس پہننے والے کو قطنی اور اطلس

کا لباس پہننے والے کو فصیح عربی میں اطلسی کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے برخلاف فارسی میں یہ استعمال صحیح ہے اور متداول ہے۔ لفظ صوفی عربی میں از روئے قاعدہ صوف کی تجارت کرنے والے، یا صوف کے لباس کے لئے استعمال ہونا چاہیے، نہ کہ پشمینہ پوش لوگوں کے لئے جیسا کہ عبدالرحمٰن صوفی منجم اون فروشی کی وجہ سے صوفی مشہور ہوئے نا کہ اونی لباس پہننے کی بنا پر۔ جیسا کہ صوفیوں کا شعار ہے۔ مولف کا خیال ہے کہ پشمینہ پوش زاہدوں کو صوفی کے نام سے پہلے اہل فارس نے موسوم کیا، اور پھر یہ عرب میں رواج پا گیا۔ اور اسی وجہ سے لفظ صوفی کے اشتقاق کے سلسلہ میں عربی میں بے فائدہ رد و کد اور بحث ہوئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ پہلے یہ لقب بصرہ و کوفہ میں بسے والے ایرانیوں نے وضع کیا، اور وہاں سے یہ دوسرے اسلامی شہروں میں سرایت کر گیا!

۲ بعض نے لفظ صوفی کو "صفہ" سے مشتق جانا ہے۔ صفہ مدینہ میں ایک چبوترہ تھا، جہاں مسافر اور مہاجر رات میں سوتے تھے۔ رسولؐ نے ان کے کھانے کا انتظام یوں فرمایا کہ ان میں سے ایک ایک کو متمول اصحاب کے سپرد کر دیا تھا[۲] اصحاب صفہ کی تعداد شیخ شہاب الدین سہروردی نے ۴۰۰ بیان کی ہے[۳]۔ صوفیوں کے بارے میں قدیم ترین کتاب ابونصر سراج کی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ "صوفی اہل صفہ کی یادگار و بقیہ ہیں"[۴] لیکن ان نظریات پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر صوفی "صفہ" سے مشتق ہوتا تو صفی ہونا چاہیے تھا۔ سہروردی اس اعتراض کی طرف سہروردی بھی متوجہ تھے۔

۱۔ حدیقۃ الشیعہ ص ۶۱۵ (۲)، اخبار الحلاج ص ۱۲۸ (۳)، عوارف المعارف ص ۱۴۹

۴۔ مصباح الھدایۃ و مفتاح الکفایۃ

۳ ـــــــ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی "صفۃ القفا" سے مشتق ہے۔ صفۃ القفا گردن پر پڑے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں[۶]۔ اور مجازی معنی اس کے غضبناک ہونے کے ہیں۔

۴ ـــــــ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صوفی "صوفانہ" سے مشتق ہے کہ جس کے معنیٰ معمولی گھاس کے ہیں۔ کیونکہ صوفی بہترین کھانا نہیں کھاتے بلکہ ریاضت کی زندگی بسر کرتے ہیں اسلئے صوفانہ سے نسبت کی وجہ سے صوفی کہتے ہیں۔

اس کا وجہ تسمیہ سے تو کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ بلکہ قواعد کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر صوفیہ، صوفانہ سے منسوب ہوگا تو صوفانی ہوگا نہ کہ صوفی: جیسا کہ ابن جوزی نے بھی کہا ہے[۵]۔

۵ ـــــــ بعض کہتے ہیں کہ صوفی "صوفہ" سے مشتق ہے۔ صوفہ زمانۂ جاہلیت میں ایک قبیلہ یا آدمی تھا۔ جس کا اصلی نام غوث بن مر تھا۔ عہد جاہلیت میں وہ حاجیوں کی خدمت کرتا تھا[۷]۔ اکثر عرب مورخین نے اسکا ذکر کیا ہے[۸]۔

۶ ـــــــ کچھ لوگ صوفی کو "صف" سے مشتق جانتے ہیں، کہتے ہیں چونکہ یہ جماعت مسلمانوں کی صفوں میں صف اول میں ہے اسلئے صوفی کے نام سے شہرت پاگئی ہے[۹]۔ اس بات سے چشم پوشی کرتے ہوئے کہ صوفی کیسے اور کیونکر مسلمانوں کی صف اول میں قرار پائے

۵۔ تلبیس ابلیس ص ۱۶۲ (۶)، اساس البلاغہ زمخشری (۷)، تلبیس ابلیس ص ۱۶۱ و ۱۶۲

۸۔ تاریخ اسلام ص ۴۳

۹۔ مصباح الھدایۃ ومفتاح الکفایۃ

یہ کہنا چاہیے کہ اگر صوفی ،، صف ،، سے مشتق ہے تو قاعدے کی رو سے صفی ہونا چاہیے نہ کہ صوفی ۔

۔ــــــ ایک گروہ کا خیال ہے کہ صوفی ،، صفا ،، و صفوف ،، سے مشتق ہوا ہے ۔ ۲۔ صفا ، مصدر ، بمعنی روشن اور پاکی کے ہیں ۔ اگر اس سے مشتق ہے تو صفائی یا صفادی ہوگا ۔ جس کا صوفی سے کوئی تناسب نہیں ہے ۔ صوفی کے اشتقاق کی جامع بحث صوفیوں کے بزرگوں کے آثار میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے [۳] چونکہ لفظ صوفی کے اشتقاق کے سلسلہ میں کوئی نظریہ بھی عربی قواعد کے موافق نہیں ہے ! اسلئے اہل تصوف نے تمام مطالب بیان کرنے کے ضمن میں مجبوراً اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ،، کلمۂ تصوف ایک نام ہے جو کہ اس مسلک کو دیا گیا ہے ۔ اسی طرح اس مسلک کے سالکوں کو "صوفی" کہتے ہیں ۔

اب اس سلسلہ میں یہ بات کہی جائے تو صحیح ہے کہ کلمۂ ،، تصوف ،، عربی میں وارد ہونے والے یونانی کلمہ ،، سوفوس ،، کی بدلی ہوئی صورت ہے ۔ اور صوفی تصوف سے مشتق ہوا ہے ۔

تصوف کا سرچشمہ

تصوف کے اصلی سرچشمہ کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہے ۔ کیونکہ مشکل کو حل کرنے والے حقائق میں تحریف ہو چکی ہے ۔ ان کی اصل ذہنوں سے محو ہو چکی ہے ۔ ان کی چھوٹی سی نشانی بھی بازیافت نہیں کی جا سکتی ہے ۔

۲، عوارف المعارف ص ۱۴۹ ۳، رسالۂ قشیریہ ص ۷۶ ۴۶ ، عوارف المعارف ص ۱۴۹ ۔

۳، رسالۂ قشیریہ ص ۱۳۶

تصوف کو تمام فرقوں، ملتوں اور مذاہب میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اور اس بات کا یقین حاصل کیا جاسکتا ہے کہ صوفیوں کے عقاید وافکار میں وہ عوامل کار فرما ہیں کہ جو تحریف نشدہ مذاہب سے بالکل الگ تھلگ ہیں

اسلئے کوئی دلیل پیش کئے بغیر ان دلیلوں پر۔ جو کہ قائم کی جاتی ہیں۔ خط بطلان کھینچنے کو تعصب نہیں کہنا چاہئے "دراسلام سے ہٹ کر تصوف کی اصل تلاش کرنا۔ جیسا کہ بعض مغربی مستشرقین اور ان کی اتباع میں شرقی مستشرقین کا نظریہ ہے۔ کار عبث ہے" کیونکہ موجودہ تصوف میں ایسے آداب و سنن تلاش کئے جاسکتے ہیں کہ جنکی نہ صرف اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ بعض اسلامی قوانین کے منافی ہیں جبکہ تصوف میں انہیں منافیات کو ارکان شمار کیا جاتا ہے:

ایک گروہ کا خیال ہے کہ تصوف اسلام سے الگ ایک تحریک ہے، جو ایرانیوں کے ذریعہ یا ہندوں نے ایرانیوں کے توسط سے مسلمانوں تک پہونچائی ہے، در حقیقت ایک قسم کا رد عمل ہے یہ دین اسلام کے مقابلہ میں آرائی طرز فکر ہے۔ ایک جماعت تصوف کا سرچشمہ، مسیحی رہبانیت کو قرار دیتی ہے جو کہ نوافلاطونی گنوسی اور ہرمسی افکار سے مخلوط ہے نیز کہتے ہیں کہ یہ افکار مصر و شام کی فتح سے پہلے ہی پھیل چکے تھے اور مسلمانوں تک پہونچ چکے تھے۔ چونکہ ایک صوفی مذاق کے خلاف لکھ رہا ہے اسلئے اسکے بارے میں یہ نہیں لکھنا چاہئے کہ "انکی اسلام و معنویت سے بے توجہی اسپر طاری ہے اور نہ ہی ان مخلصانہ محققانہ کوششوں کو بے فائدہ سمجھنا چاہئے کہ جن میں جان بوجھکر یا سہواً تحریف ہوگئی ہے۔ بلکہ تحریف اگر تحقیق کے سلسلہ میں افراد یا علمی وسائل کی ضرورت ہے تو وہ فراہم کئے جائیں۔

تصوف میں غیر اسلامی علامات

صوفیوں کے سربراہوں اور خانقاہی صاحبان قلم کا اس بات پر اصرار ہے کہ "تصوف اسلام رسولؐ کے افعال و احوال، آیات اور معصومینؑ کی احادیث سے وجود میں آیا ہے۔ تصوف کے سربراہوں نے اپنی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے[1]" تحقیق سے اسکی کوئی اہمیت نہیں رہے گی ـــ جو کچھ تصوف کے، غیر صوفی، ماہروں نے تحقیق کی ہے وہ قابل اعتماد ہے اور اس پر تحقیق کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

مثلاً ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب میں ہندوستان کے عبادی اعمال اور ریاضتوں کی انواع کا سرسری جائزہ لیا ہے اور پھر تصوف اور ان اعمال کے درمیان جو مشابہت ہے اسکی طرف اشارہ کیا ہے[2]

اسی طرح سعید نفیسی کا خیال ہے کہ جو کچھ اسلامی تصوف میں رائج ہے وہ ہند اور بدھ، مذہب سے ماخوذ ہے"، معاصر محقق جناب ڈاکٹر کیانی

---

1. رسالہ رفع شبہات از سلطان حسین تابندہ ص۱۰-۱۱۔
2. ماللھند طبع ہند ج۱ ص ۲۵

بھی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں : اسلامی تصوف نے مختلف وجوہ سے راہبوں کی زندگی کا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور ان ہی صوفیانہ چال چلن و خانقاہی اصول میں استفادہ کیا ہے[۲]

استاد جلال الدین ہمائی کا عقیدہ ہے کہ : فرقۂ صوفیہ میں فلسفہ ، یران کے اور خسروی حکماء کی تعلیمات اچھی طرح نمایاں ہیں[۳]

مشہور صوفی میرزا زین العابدین شیروانی لکھتے ہیں : ریاضت و گرسنگی، کم خوری، خاموشی، بیداری عزلت گزینی اور تین چار قسم کے اذکار کہ جن کے کچھ نمونے صوفیوں کے عملی آداب میں بیان ہوئے ہیں، زرتشتیوں کے اعمال سے ماخوذ ہیں[۴]

غیر اسلامی نقوش

نقل شدہ رایوں کے علاوہ موجودہ تصوف میں ان غیر اسلامی نقوش کی طرف اشارہ کرتے ہے، غیر صوفی یہاں تک کہ صوفی محققین کے نظریات پر ایک دلیل قائم ہو سکتی ہے۔

آئین میترائی میں ہے کہ جو امیدوار مہریوں میں شامل ہونا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ مرشد کی موافقت و رضامندی حاصل کرے پھر کچھ عرصہ تک ابتدائی چیزیں سیکھے[۵]

---

[۱] سرچشمہ تصوف ص ۲۰ [۲] تاریخ خانقاہ در ایران ص ۲۷ [۳] غزالی نامہ ص ۵۶

[۴] آئین میترائی طبع ہند ج ا ص ۲۵ ۔

تصوف میں داخل ہونے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مرشد سے موافقت حاصل کرے اور پھر ذکر لسانی میں۔ جو کہ صوفیوں میں علیحدہ علیحدہ ہے۔ مشغول ہو جائے۔

آئین میترائی میں نوآموز، غسل، طہارت اور کچھ زمانہ تک روزہ رکھنے کے بعد اپنے ہاتھوں اور پیشانی پر گرم مہر لگواتا ہے اور مرشد کے دائیں ہاتھ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے۔ نوآموز کا یہ ہاتھ دبانا اسے مرشد کے مقام ومنصب تک پہونچاتا ہے [1]

تصوف میں بھی نوآموز صوفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذکر لسانی کے بعد، غسل اسلام، غسل توبہ، غسل زیارت، غسل حاجت اور غسل جمعہ کرے اور فرقہ کے سربراہ کے پاس جانے کے لئے آمادہ ہو جائے

آئین میترائی میں اس جانے کو تشرف کہتے ہیں [2]

تصوف میں بھی صوفی ہونے کے مراسم قبول کرنے کو تشرف کہتے ہیں۔

آئین میترائی میں امیدوار اپنا دایاں ہاتھ مرشد کے دائیں ہاتھ میں دیتا ہے۔ تصوف میں بھی تشرف کے وقت امیدوار ایسا ہی کرتا ہے۔

آئین میترائی میں مہر آتشیں سنت ہے فرقہ خاکسار میں یہی کمرت کے نام سے رائج ہے۔ جس کا اسلام سے کوئی ربط نہیں ہے۔

---

[1] آئین میترائی ص ۱۸۶ [2] ایضاً ص ۲۰۸ و ۲۰۷

آئین میترائی میں سب سے اعلیٰ منصب پیر ہے [1] اور تصوف میں عظیم ترین منصب، قطب، غوث، مرشد اور سجادہ نشین ہے۔

آئین مانوی میں حیوانوں کا گوشت کھانا، شراب پینا، پیڑ پودوں کا اکھاڑنا اور حیوانات کو آزار پہونچانا منع ہے [2] یہ لوگ دوسری غذائیں کھاتے ہیں [3]

تصوف میں بھی اربعینات کے زمانہ میں گوشت کھانا منع تھا۔ مگر افسوس کہ صوفیوں کے بڑے طبقہ میں شراب خوری میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں! حیوانات کو آزار پہونچانا منع ہے۔ یہانتک کہ پیر و فقیر سب اس کی رعایت کرتے ہیں۔

مجھ سے میرے ایک عزیز نے نقل کیا ہے کہ محمد حسن جناب مراغہ ای، معروف بہ محبوب علی شاہ، پیر نعمت اللّٰہی کوثر علی شاہی تہران کے مضافات میں کچھ لوگوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے جب تہران واپس جانے لگے تو دستر خوان میں کچھ چیونٹیاں دکھائی دیں تو ایک آدمی کو دستر خوان کے ساتھ اسی جگہ بھیجا جہاں کھانا کھایا تھا۔

آئین برہما میں مرید استاد کی منزل پر ایک روز قیام کرے گا، ایک دن روزہ رکھے گا اور گوشت نہیں کھائے گا [4]

---

[1] آئین میترائی ص ۶۹ [2] ایران در زمان ساسانیان ص ۲۱۹ [3] مانی و دین او ص ۵۰ [4] مالِلھند ج ۲ ص ۲۵۲۔

تصوف میں خصوصاً فرقۂ خاکسار میں مرید - ۱۰۰۰۱ دن مرشد کی خدمت کرے گا

آئین برہمہ میں مرید دن یا رات کے وقت باہر نکلتا ہے پانچ گھروں سے مانگتا ہے اور جو کچھ اسے ملتا ہے اسے اپنے استاد کی خدمت میں پیش کرتا ہے، جتنا چاہتا ہے وہ اسمیں سے اٹھالیتا ہے [1]

تصوف میں بھی ایسے مراسم موجود ہیں جو نوآموز صوفی کو گدائی کیلئے بھیجتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد حسن اصفہانی، معروف بہ صفی علی شاہ، رئیس فرقۂ نعمت اللٰہیہ صفی علی شاہی، ظہیر الدولہ نے صوفی ہونے کا اظہار کیا اور اسے بھیک مانگنے کے لئے بھیجا تو بازار والوں نے اس کے کشکول میں اتنا سونا چاندی بھر دیا کہ خانقاہ والوں کی باچھیں کھل گئیں۔

آئین تاؤ میں علم کو نہ یہ کہ ضروری نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اسے مضر اور باعث مصیبت سمجھتے ہیں، وحدت کے مقام تک پہنچنے کے لئے علم سے بے پروا، زندگی سے بے خبر، اور عقل سے بے بہرہ ہونا چاہیئے تب مکاشفۂ قلبی میں مشغول ہو سکے گا اور اپنے اندر جھانک سکے گا؟

تصوف میں بھی علم کو حجاب اکبر کہا جاتا ہے۔

آئین زرتشتی میں پانچ چیزوں کو ریاضت کا محور سمجھا جاتا ہے:

بھوک، خاموشی، بیداری، تنہائی اور یزدان کی یاد [2]

---

[1] المعتد طبع المعتد ج ۲ ص ۴۵۳ [2] تاریخ ادیان ص ۱۷۸ [3] ریاض السیاحہ ص ۱۸۰

تصوف کے سربراہوں کا کہنا ہے کہ :

صمت و جوع و سحر و عزلت و ذکر بہ دوام

ناتماماں جہاں را کند این پنج تمام

آئین زرتشتی میں ہے کہ ذکر کے وقت پیر کی صورت کو نظروں میں رکھے اور اسے حاضر و ناظر سمجھے ، اس کی صورت ذہن کے سراپردوں سے غائب نہیں ہونی چاہیے ۔[1]

تصوف میں بھی مرشد کی صورت کو مجسّم کرنا اور اسکی یاد و خیال کو زندہ رکھنا سالک کے ضروری فرائض میں سے ایک ہے۔ آئندہ اس سلسلہ میں ہم مفصل بحث کریں گے۔

اہم بات یہ ہے کہ بڑے صوفیوں نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے ۔ ابن عربی نے محاضرات الابرار کی ج ۲ میں دعویٰ کیا ہے کہ اولین صوفیوں میں سے اکثر نے مسیحی راہبوں سے ملاقات کی اور دین کے امور میں ان سے مشورہ لیا ہے ۔[2]

صوفیوں کے متاخرین میں سے جناب سلطان حسین تابندہ کا عقیدہ ہے کہ عرفاء اسلام میں جو فنا کی اصطلاح ہے وہ بودھ مذہب والوں کی نروان والی اصطلاح سے مشابہ ہے[3] البتہ عرفاء کا استعمال اسلئے کیا ہے تا کہ

---

[1] ریاض السیاحۃ ص ۱۸۰ [2] تصوف و تشیع از معروف الحسنی ترجمہ محمد صادق عارف ص ۲۰۶ و ۲۴ و ۲۵ [3] نابغہ علم و عرفان ص ۴۸ ۔

عرفان و تصوف کو خلط ملط کر دیں ۔ ہم آئندہ اس سلسلہ میں بحث کریں گے ۔

جناب کیوان سمیعی وحدتِ وجود کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں : یونان میں یہ دینی مسئلہ نہیں تھا، اس کے برعکس ہندوستان میں یہ دین سے مخلوط ہو گیا تھا، چنانچہ مذہبی کتاب " وید " میں لکھا ہے : برہم، یعنی خدا، نے خلقت کے موقع پر فرمایا ہے : میں ایک ہوں لیکن کثیر ہو جاؤں گا ۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر ہے کہ : بیشک خدا ایک ہے جو کبھی کاشتکار کی صورت میں آجاتا ہے اور زمین پر زراعت کرتا ہے اور پانی بن کر زمین کو سیراب کرتا ہے کہتے ہیں : اس عقیدہ کا تصوف پر اتنا زیادہ اثر ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے [1]

علامہ ہاشم معروف الحسنی اپنی محققانہ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں : ایک جماعت کا خیال ہے کہ تصوف کا منبع نصرانیت ہے اور انہوں نے اپنے دعوی کی تائید میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ ہے کہ صوفیوں کے اداروں کا نظم و نسق اور مسلک کا قانون ۔ جو کہ باہر سے ان کی تحریک میں داخل ہوا ہے ۔ خانقاہوں میں نافذ ہے وہ سب سے زیادہ نصاری کے کلیسا کے نظام سے زیادہ مشابہ ہے [2]

استاد عمر فروخ نے اپنی کتاب " التصوف فی الاسلام " میں لکھا ہے ، مسیحی تصوف کے چار خصوصیات ہیں جو کہ معرفت صوفی ، عزلت گزینی

---

[1] شرح گلشن راز ص ۳۶ و ۳۷ [2] یہ ایک چینی فلسفی تھا جو ۶۰۰ سال قبل از مسیح گزرا ہے

الہام وریاضت روحی اور دنیوی و مادی چیزوں کو حقیر سمجھنے سے عبارت ہیں یہی چار اصول "لاؤتسو" چینی کے بھی مشہور ہیں[1] اس بنا پر ابتدائی صدیوں میں اسلام میں نمودار ہونے والے تصوف کو مسیحیت کی طرف کیوں نہ نسبت دی جائے اور بعید نہیں ہے کہ مسیحیت نے اس میں اپنی رہبانیت شامل کردی ہو[2]

آسٹریا کے مشہور مستشرق گولڈ زیہر کا کہنا ہے کہ صوفی دوسری صدی ہجری کے صوفی ابراہیم ادھم امیر زادہ بلخی کی داستان کو ہو بہو ایسے ہی نقل کرتے ہیں جیسے مہاتما بودھ کی داستان نقل کی جاتی ہے[3]

نکلسن کا خیال ہے کہ صوفیوں کے افکار اور اسلامی تصوف کے مبانی ہندوؤں اور بدھشٹوں کے افکار و عادات سے متاثر ہیں اور ان پر بڑی گرم جوشی سے عمل ہوتا ہے[4]

شرق شناس فن کرمر نے اپنے مطالعات اور تحقیقات کا نتیجہ اسطرح بیان کیا ہے: تصوف کے صحیح معنی جیسا کہ وہ مختلف مسالک میں استعمال ہوتا ہے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے افکار و عقائد سے وجود میں آیا ہے۔ اور تصوف کا مبدء و مبنا ہندوستان کا فلسفی مذہب "ودانت" ہے

---

1. تصوف و تشیع ص ۳۰۹ 2. تاریخ تصوف در اسلام ص ۵۷ او ۱۵۸ ۔ 3. ایضا ص ۱۶۳ 4. پژوهشی در پیدائش و تحولات تصوف و عرفان ص ۲۹ و ۳۰ ۔

جناب محمد عباس کشف المحجوب کے مقدمہ نگار، لکھتے ہیں: جو لوگ تاریخ تصوف کا مطالعہ اسلام کے حدود اربعہ میں کرتے ہیں، وہ غلط فہمی میں ہیں کیونکہ علمی و تاریخی دلائل کے مطابق ایرانی تصوف تین ہزار سال پرانا ہے۔

اسین پالاسیوس: مسیحی زہد و عرفان اور فلسفۂ نو افلاطونی کو تصوف کا سرچشمہ جانتا ہے۔[1] جی سی کویاجی کہتے ہیں: قدیم ایران کے تصوف کی سنتی کا صوفی رجحان میں اثر نہ سمجھنا سخت اشتباہ ہے۔[2]

عبد الحسین زرین کوب لکھتے ہیں: صوفیوں اور زرتشتیوں کی بیان شدہ تعلیم میں بہت زیادہ شباہت ہے۔ اور ساسانیوں کے اواخر عہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ عالمی تصوف کو قبول کرتے تھے۔[3]

مذکورہ بالا نظریات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تصوف غیروں کے دینی و فلسفی افکار کا مجموعہ ہے۔ بعض مغربی محققین جیسے گلد زیہر، آسین، پالاسیون اور نکلسن[4] نے زہد و عرفان اور نو افلاطونی فلسفہ کو تصوف کا سرچشمہ جانا ہے۔

بعض نے دین زرتشت اور مذہب مانی کو تصوف کا منبع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ تصوف، اسلام کے مقابلہ میں ایرانیوں کا رد عمل ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے بودھ مذہب سے اور بعض نے ہندو مذہب سے ماخوذ جانا ہے۔

---

1. عقل و وحی در اسلام، محمد اور اس کے بعد 2. آئین ها و افسانه های ایران و باستان ترجمہ خلیل دوست خواہ صفحہ ۱۳۰ 3. مقالہ تصوف و ایران باستانی یا مقالہ مردریگ ایران باستانی در جستجو تصوف ایران ص ۲۳۔ اور اسکے بعد 4. رسالہ رفع شبہات طبع دوم ص ۱۱۰۔

تصوف کی اسلام سے جنگ

اسلامی صوفی۔ خصوصاً وہ صوفی جو اس زمانہ میں خود کو شیعہ ظاہر کرے کی یہ کوشش رہی ہے کہ عنوانِ تصوف و اسلام کو، ختم کر کے تصوف، اسلام کو ایک ساتھ پیش کریں۔ کیونکہ تصوف اسلام سے یہ راز ہویدا ہوتا ہے کہ تصوف و اسلام سے خارج ہے۔

یہانتک کہ انہوں نے یہ عزم کیا کہ ایران میں تحریکِ تصوف کی کھوج کی جائے اور اسکی تحقیق و تجزیہ کیا جائے لیکن پھر بھی یہ حساسیت ظاہر ہوتی ہے لکھتے ہیں:

اس بنا پر یہ بات درمیان میں لاتا کہ ایران میں سیر و حرکت تصوف درحقیقت ایران اور تمام نئے مسلمان ہونے والوں میں اسلام کے سرچشمہ سے بحث ہے لیکن کہیں کہیں مجبوراً اپنا پسندیدہ مسئلہ و نعرہ اسلام،، ہی عرفان ہے اور عرفان تصوف کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے ۔ کو نظر انداز کر دیا ہے اور لکھا ہے: سب سے پہلے جس طائفہ نے خود کو کسی طور پر عارف کہا اور اپنے طریق کو عرفانی قرار

ل خورشید تابندہ از علی تابندہ ص ۲۶۔

دیا وہ صوفیوں کا طائفہ تھا۔ چنانچہ ان معنی میں عرفان وعارف کی اصطلاح تصوف وصوفی کے ساتھ اسکے بعد وجود میں آئی ہے [1]

خلاصہ: اس اعتبار سے تصوف ہی عرفان، یعنی خالص تشیع اور اسلام ناب محمدی کی روح ہے اور اسطرح صوفیوں کے سربراہ کو موثق اسلامی رجال اور کامل علماء و محققین میں سے جانا ہے [2] اور انکے شیوخ کو علماء دین سے بلند و برتر قرار دیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ علماء احکام ظاہری اور ابلاغ شریعت پر مامور ہیں اور صوفی باطن اسلامی کی طرف دعوت دینے پر متعین ہیں [3] جو تصوف ہم تک پہونچا ہے اور جسکے ادبی آثار سے بحث ہوئی ہے۔ اسمیں یقیناً زہد وعبادت اور اسلامی اوامر و نواہی میں مبالغہ، آزادی اور مطلق العنان ہونے سے احتراز اور شرح صدر و زندہ دلی نمایاں ہے [4] بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے ہیں اور کہا ہے،، تصوف طریق معنوی اسلامی حقیقت تک پہونچنے کیلئے شریعت کے برابر ہے۔ لہذا اس کے اسرار کو سمجھا جاسکتا ہے بیان نہیں کیا جاسکتا ہے وہ دل سے دل کی طرف منتقل ہوتے ہیں، زبان سے زبان کی جانب نہیں [5]
ایسی باتیں صوفیوں نے کیوں بیان کی ہے؟ اسلئے تاکہ نوآموز قرآن وسنت سے قطعی سروکار نہ رکھے اور صرف صوفیوں کے

---

[1] رسالہ رفع شبہات ص ۱۱۰ [2] جواہر الکلام تالیف پرویز خان سلامی صرفی ذہبی ص ب [3] خورشید تابندہ ص ۱۵ و ۱۶ [4] زہبیہ تصوف علمی۔ آثار ادبی ص ۳۲۔

سربراہوں سے ربط رکھے اور اگر صوفی یہ کہے : حقیقت تک پہونچنے کے لئے قرآن وسنت کا دامن تھامنا ضروری ہے، تو لوگوں کو اپنے پاس سے بھگاتا ہے

صوفیوں کا قرآن وسنت سے استناد

تصوف وصوفیوں کے سربراہوں نے عرفان وتصوف کے درمیان کے فاصلہ کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے ان غیر صوفی محققین اور دانشوروں نے، جو کہ علماء دین کے زمرے میں آتے ہیں، یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ : تصوف، نصرانیت، مسیحیت، زرتشتی اور بدھشٹ افکار وعقائد اور رسوم کا معجون ہے. جیسے صوفی حضرات زندہ رکھے ہوئے ہیں، چنانچہ جہاں بھی غیر صوفی دانشوروں نے اور مفکروں نے تصوف کو اسلام سے جدا کیا، وہیں خانقاہ کے صوفی اس فکر کے مقابلہ میں دوڑے، چنانچہ اس اہم اور حساس ذمہ داری کو نبھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مبارزہ کرنے والے صوفیوں کو ضروری وسائل سے لیس کیا تاکہ وہ ان آیات و روایات کو حفظ رکھیں جن سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اور اسطرح تصوف کے اسلامی ہونے کو ثابت کرسکیں سلطان حسین تابندہ گناآبادی لکھتے ہیں :

تصوف اسلام، رسول ؐ کے افعال واحوال اور آیات ومعصومین ؑ کی حدیث سے وجود میں آیا ہے، تصوف کے بزرگوں نے اپنی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے. ان کے پاس جو کچھ ہے وہ مصباح نبوت، مشکواۃ ولایت کا پرتو اور علم وحکمت کے معادن اور وحی والہام کے سرچشمہ خاندان عصمت و

طہارت کی عطا ہے [1]

یا ان کے بیٹے محبوب علی لکھتے ہیں: تصوف و عرفان کا سرچشمہ قرآن اور رسولؐ و ائمہ معصومینؑ اجمعین ہیں [2] اسکے بعد آیات کا سہارا لئے بغیر درج ذیل روایت نقل کی ہیں:

۱ رسولؐ نے فرمایا ہے: من سرّہ ان یجلس مع اللّٰہ فلیجلس مع اھل التصوف ،، [3] جو شخص خدا کے ساتھ ہمنشینی اختیار کرنا چاہتا ہے اسے اہل تصوف کی صحبت اختیار کرنا چاہئے۔

دوسری روایت کی نسبت رسولؐ کی طرف دی ہے کہ آپ نے فرمایا: لا تطعنوا اھل التصوف والخرق فان اخلاقھم اخلاق الانبیاء و لباسھم لباس الانبیاء ،، اہل تصوف اور خرقہ والوں پر طعن و تشنیع نہ کیا کرو کہ انکا اخلاق پیغمبروں کا اور انکا لباس اولیاء کا ہے۔

تیسری روایت امیر المومنینؑ حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے اور اسے آپکی طرف منسوب کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا ہے: التصوف اربعۃ الحروف، تاء، صاد، واؤ اور فاء، تاء سے ترک و توبہ اور تقی، صاد، سے صبر، صدق اور صفا، واؤ سے وفا اور ف سے فرد فقر اور فنا مراد ہے یعنی چار حرف ہیں تاء، صاد، واؤ اور فاء، تاء ترک دنیا، توبہ اور پرہیزگاری ہے۔

---

[1] رسالہ رفع شبہات ص ۱۱۰ [2] خورشید تابندہ ص ۱۶ [3] بشارۃ المومنین۔ تالیف ملا سلطان گنابادی ص ۳۱۵۔

صاد صبر، صدق و صفائے دل ہے۔ واؤ دوستی، ورد و دعا پر توجہ اور عہد وفائی ہے اور فا ر خلق سے علیحدگی، فقر الی اللہ اور انانیت کو فنا کرنا ہے [1]

صوفیوں کے استناد کا جواب

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ آجکل کے صوفیوں کے سربراہوں نے اپنی تالیفات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تصوف و صوفی کا سرچشمہ قرآن ہے اور اس سلسلہ میں نمونے کے طور پر کچھ آیات بھی نقل کی ہیں۔

تصوف اور صوفی جیسے الفاظ ہرگز قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوئے ہیں اور یہ کوئی ایسی تحقیق نہیں ہے کہ جسے قرآن شناس ماہر ہی انجام دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہمارے زمانہ میں تو "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" کے ذریعہ ہر شخص یہ تحقیق کر سکتا ہے وہ باب "تا"، باب الصاد [2] کا مطالعہ کر کے یہ سراغ لگا سکتا ہے کہ تصوف و صوفی جیسے کلمات قرآن مجید میں نہیں آئے ہیں۔

روایات کی تحقیق

صوفی حدیث شناسی، اہم علوم میں سے ایک اور معصوم کے کلام کی بنیاد کی شناخت ہے، اور علم رجال و دونوں کے سہارے صحیح اور غلط روایات کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] اصول تصوف ص ۱۸۔ [2] مثلاً اگر محمد فواد عبدالباقی کی تدوین کردہ، المعجم المفہرس سے استخراج کریں ص ۱۵۸ [3] ص ۳۹۹۔

معصوم کے کلام کی پرکھ کے لئے اس علم کا جاننا محدث کے لئے پہلا کام شمار ہوتا ہے کیونکہ خاندان رسالت کے دشمنوں نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے فتنہ کے بعد بے ایمان لوگوں، ابوہریرہ جیسے افراد کے ذریعہ حدیثیں گڑھوا کر رسولؐ اور آئمۂ طاہرینؑ کی طرف منسوب کردی تھیں، اسی زمانہ سے مال وطاقت کے ذریعہ جعلی باتیں معصوم کے حقیقی کلام کے ساتھ پیوستہ چلی آرہی ہیں۔

دنیائے تشیعیت کی عظیم الشان اور علمی شخصیتوں نے۔ جو کہ ایسی خیانت سے باخبر تھیں۔ علم حدیث اور علم رجال پر بہت زیادہ زور دیا تاکہ ہر بے اعتبار چیز سے محفوظ رہیں۔ تاکہ اگر کسی روایت سے کوئی بھی۔ دوست دشمن۔ استناد کرتا ہے تو اسکا، علم حدیث اور علم رجال کے ذریعہ تجزیہ کیا جائے تاکہ صحیح کو غلط سے جدا کیا جاسکے اور دوست و دشمن معصوم کا کلام سمجھکر باطل چیز سے استناد نہ کرے۔

جن روایات سے صوفیوں نے استناد کیا ہے ان کے بارے میں یہ کہنا چاہئے۔

حدیث اول۔ کہ حضور رسولؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: جو شخص خدا کی ہمنشینی اختیار کرنا چاہتا ہے وہ اہل تصوف کی ہمنشینی اختیار کرے!

دوسری حدیث کو بھی آپؐ ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس

۱؎ اللئالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ طبع مصر ج۲ ص ۱۴۲

میں صوفیوں پر طعن نہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ علماء علم حدیث کہتے ہیں یہ دونوں حدیثیں جعلی ہیں [1]

اگر صوفیوں نے ابو ہریرہ جیسے لوگوں کی جعلی احادیث سے استناد کیا ہے تو صرفی محققین نے کلی طور پر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ مثلاً ذہبی کے معتقد ڈاکٹر اسد اللہ خاوری ان احادیث واخبار کو جعلی سمجھتے ہیں کہ جن میں فقط صوفی یا تصوف آیا ہے اور رسولؐ و علیؑ کی طرف منسوب ہیں [2]

تصوف کے سلسلہ میں جو حدیث حضرت علی کی طرف منسوب ہے اور حروف تصوف کے سلسلہ میں جنکی نہایت دلچسپ شرح لکھی گئی ہے وہ کتاب "غوالی اللئالی" سے نقل کی گئی ہے اس کتاب کے بارے میں آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی کہتے ہیں یہ کتاب فقہ و حدیث کے نمایاں عالم شیخ یوسف بحرانی کی تالیف ہے۔ اور علامہ شیخ انصاری کہتے ہیں: عام طور پر وہ حدیث کے بارے میں زیادہ چھان بین نہیں کرتے۔ اس کتاب کی احادیث پر اشکال کرتے ہیں اور اسکے مولف کے بارے میں لکھتے ہیں: مولف نے احادیث نقل کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا اور غلط و صحیح کو خلط ملط کر دیا ہے اسکے بعد لکھتے ہیں: محدث جزائری نے اپنی تالیف میں فرمایا ہے کہ ہمارے علماء نے اسکے بارے میں مباحثہ کرنے سے احتراز کیا ہے۔[3]

---

[1] اللئالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ طبع مصر ج ۲ ص ۱۳۲ [2] زمینہ تصوف علمی و آثار ادبی ص ۴۳ [3] جلوۂ حق ص ۳۲۔

اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اسد اللہ خاوری نے تصوف سے خصوصاً "سلسلۂ ذہبیہ" سے اپنی تمام عقیدتوں کے باوجود۔ خود بھی تصوف کی علمی شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کتاب "غوالی اللیالی" کے بارے میں لکھتے ہیں: علماء حدیث اسے معتبر نہیں سمجھتے اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی طرف منسوب حدیث کے بارے میں موصوف کا خیال ہے کہ: یہ حدیث معتبر کتب۔ اصول اربعہ۔ میں نہیں آئی ہے۔ پھر اضافہ کرتے ہیں۔

ایسے اشتباہات مورخین اور تذکرہ نویسوں سے ہوتے ہیں جیساکہ جنید بغدادی کی طرف عبارت منسوب ہے یا ابو علی رودباری کے بارے میں کہا ہے: الصوفی من لبس الصوف علی الصفا وجعل الدنیا تحت القفا، مرحوم نائب الصدر نے شرح باب حادی عشر سے شیخ مقداد بن عبد اللہ کا وہ قول نقل کیا ہے جو کہ حضرت علی کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ اور ایسے ہی اشتباہات ہوتے رہے ہیں۔

اس صورت میں وہ چیزیں کہ جن سے استناد کیا ہے بھی بے اعتبار و مجہول ہیں

اسلام میں تصوف

لفظ صوفی خواہ کسی بھی لغت، عربی یا غیر عربی سے مشتق ہو لیکن اتنا مسلّم ہے کہ مرحوم علامہ محقق، جلال ہمائی کی تحقیق کے مطابق اس کا استعمال "زمانۂ رسولؐ میں نہیں تھا، اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا[1]" اور مرحوم ڈاکٹر اسد اللہ کی دقیق تحقیق یہ ہے "یہ لفظ تصوف یا صوفی اسلام کی ان دو نمایاں شخصیتوں یعنی رسولؐ اور حضرت علیؑ کے زمانہ کی مصطلحات نہیں سے نہیں ہے یقیناً جعلی ہے اور اسکی کوئی سند نہیں ہے[2]"

بلکہ تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسکا استعمال دوسری صدی ہجری کے اواخر سے شروع ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن جوزی لکھتے ہیں: اسم صوفی دوسری صدی ہجری ختم ہونے سے کچھ قبل وجود میں آیا ہے۔ اور رسولؐ کے زمانہ میں اسلام میں لوگوں کی طرف ایمان و اسلام کی نسبت دی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا، مسلم و مومن، پھر زاہد و عابد کا لفظ وجود میں آگیا پھر ایک گروہ پیدا ہو گیا....[3]، ابو القاسم قشیری، جو کہ اہل سنت سے ہیں، جنہیں صوفی امام کہتے ہیں، اور ابن خلدون کا عقیدہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں مسلمانوں کے درمیان میں کچھ

---

(۱) مقدمہ مصباح الهدایة ومفتاح الکفایۃ ص ۸۱ (۲) ذہبیہ تصوف علمی۔ آثار ادبی ص ۴۲

(۳) تلبیس ابلیس ص ۱۷۱ - ۱۷۳ -

لوگ نمودار ہوئے جو کہ عجیب و غریب طریقہ سے زندگی گذارتے تھے ان کے ظاہری حالات و کردار اسلام سے مشابہ نہیں تھے۔ لامحالا انہیں مخصوص نام دیا جاتا تھا، اور وہ نیا نام صوفی تھا کیونکہ وہ صوف (اون کا لباس) پہنتے تھے۔[1]

لوئی ماسینیون فرانسوی نے بھی اپنے اس مقالہ میں جو کہ اس نے تصوف کے بارے میں دائرۃ المعارف میں لکھا ہے اظہار کیا ہے کہ ،، یہ لفظ پہلی بار دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ... دیکھا گیا ہے۔[2]

عہد رسولؐ

اہل سنت اور صوفیوں کے امام، ابوالقاسم قشیری لکھتے ہیں: رحلت رسولؐ کے بعد اسلام کی بڑی شخصیتوں کو صحابی یا تابعی کہتے تھے۔ صحابی وہ لوگ تھے جنہیں رسولؐ کی صحبت کا شرف ملا تھا۔ تابعی وہ اشخاص تھے جنہوں نے صحابہ کو درک کیا تھا، اس سے بڑی فضیلت نہیں سمجھتے تھے، اس کے بعد بزرگ افراد کو تبع تابعین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور ان کے بعد ان خاص لوگوں کو جو امر دین کو بہت اہمیت دیتے تھے، زہاد و عباد کہا جاتا تھا، اور جب مسلمانوں کے درمیان بدعتیں پھیل گئیں عبادات کو اہمیت دینے والے اور یادِ خدا سے غفلت نہ کرنے والوں کو متصوف کہا گیا، اور دوسری صدی ہجری کے بعد اس نام نے شہرت پائی۔[3]

اس لحاظ سے حضرت ختمی مرتبتؐ کے پر افتخار زمانہ میں تصوف کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ چہ جائیکہ صوفی کا وجود ہوتا۔ اس نظریہ کی ہم رسولؐ کی پیشین گوئیوں سے تائید

---

(۱) رسالۂ قشیریہ ص ۷، مقدمہ ابن خلدون فصل ۱۱ ص ۴۶۷ (۲) تاریخ تصوف در اسلام ص ۴۲

کرتے ہیں۔

۱ رسولؐ صوفیوں کے گروہ کے وجود میں آنے کی، جو کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں نہیں تھا، اس طرح خبر دیتے ہیں :

> قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک میری امت سے صوفی نام کی ایک جماعت وجود میں نہیں آئے گی، ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ ذکر کے لئے حلقہ باندھیں گے، اپنی آواز بلند کریں گے اور وہ یہ خیال کریں گے کہ وہ میری راہ پر گامزن ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ کافروں سے زیادہ گمراہ ہیں انکی آواز گدھے کی سی ہے۔[۱]

دوسری جگہ رسولؐ نے ابوذر غفاری کو مخاطب کر کے فرمایا ہے :

> اے ابوذر! آخری زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا، جو سردی و گرمی کے زمانہ میں اونی لباس پہنے گا اور اس عمل کو اپنی فضیلت اور زہد و پارسائی کی علامت سمجھے گا۔ زمین و آسمان کے فرشتے اس پر لعنت کریں گے۔[۲]

ان دو حدیثوں سے، کہ جن میں پیشین گوئی کا پہلو ہے، واضح ہوتا ہے کہ صوفی گری زمانۂ رسولؐ میں نہیں تھی، بلکہ آنحضرتؐ نے صوفیوں کے وجود میں آنے کی غیب سے خبر دی ہے۔

---

(۱) سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۸۔ اثنا عشریہ، شیخ حر ص ۳۲۔ مختصر اختلاف کے ساتھ شیخ بہائی سے

(۲) حدیقۃ الشیعہ ص ۵۶۲ و ص ۵۶۴

چنانچہ جو شخص ان کی طرف مائل ہو گا، وہ ہم میں سے نہیں ہو گا، اور ہم اس سے بیزار ہیں، اور جو شخص اس کی تردید کرے گا اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے رسولؐ کے ہمراہ کفار سے جہاد کیا ہو۔[1]

امام جعفر صادقؑ نے جو جواب دیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ آپؑ کے زمانہ تک مسلمانوں کے درمیان صوفی و درویش نہیں تھے۔ بلکہ بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسولؐ اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے زمانہ میں تصوف تھا تو وہ غفلت میں ہے۔

پس صوفیوں کا یہ دعویٰ اشتباہ ہے کہ رسولؐ اور آپ کے بعد تمام بزرگان دین اور ائمہ اہلبیتؑ اس مسلک کے سالک تھے[2] یا صوفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ لفظ و عنوان، صدر اسلام ہی سے مستعمل ہے۔[3] یا یہ کہتے ہیں: ہم دیکھتے ہیں کہ صدر اسلام میں حقیقی مومنین کو خاص صحابہ یا اہل صفہ، یا تابعین یا عابد و زاہد یا شیعہ کہا جاتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ صدر اسلام میں شیعہ بزرگوں جیسے سلمان و ابوذر اور عمار و حذیفہ کو صوفیوں کے متون میں تصوف کے اولین اجزاء و بزرگوں میں بیان کیا جاتا ہے۔[4]

اولین صوفی

بنی امیہ کے آخری زمانہ میں عثمان بن شریک کوفی نام کا ایک شخص ابو ہاشم کوفی کے نام سے مشہور تھا[5] اور راہبوں کے مانند موٹی اون کا لباس پہنتا تھا[6] اور شام

---

(۱) سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۷۔ (۲) التعرف چاپ مصر ص ۱۰ و ۲۰۔ (۳) خورشید تابندہ از آقائی علی تابندہ ص ۱۹
(۴) ایضاً ص ۲۰ (۴) حدیقۃ الشیعہ ص ۵۵۵۔ (۵) ایضاً ص ۵۵۹۔ (۶) طبقات صوفیہ تصحیح آقائی مولائی ص ۹

اسلام میں تصوف کا وجود

مذکورہ بحث سے بغیر کسی تردید کے یہ ثابت ہو گیا کہ دوسری صدی ہجری تک اسلام میں تصوف اور صوفی کا نام و نشان نہیں تھا، اور اس زمانہ میں کوئی اسکا سراغ نہیں لگا سکتا تھا جناب سلطان حسین تابندہ گنا آبادی نے بھی لکھا ہے ،، کہ یہ کلمہ اسلام میں اس وقت وجود میں آیا کہ جب مسلمانوں نے یونانی علوم کی تحصیل کا سلسلہ شروع کیا اور ضمنی طور پر یونانی الفاظ کو عربی رسم الخط میں آئے تھے ،[1] اسلام میں تصوف کے وجود میں آنے کو اس روایت سے مشخص کیا جا سکتا ہے جو کہ احمد ابن محمد بزنطی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں : امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص نے عرض کیا: کہ آجکل ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جنکو صوفی کہا جاتا ہے انکے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا :

صوفی ہمارے دشمن ہیں، جو ان کی طرف جھکے گا وہ بھی ان ہی میں سے ہے، اور انہیں کے ساتھ محشور ہو گا۔ اور عنقریب کچھ لوگ ایسے پیدا ہو جائیں گے، جو ہماری محبت کا دعویٰ کریں گے اور ان کی طرف بھی مائل ہوں گے، اور ان کے مشابہ بنیں گے، خود کو ان کے لقب سے پکارائیں گے، اور ان کی باتوں کی توجیہ و تاویل کریں گے۔

---

[1] تابندہ علم و عرفان ص ۸۰ م۔ طبع ۱۳۲۳۔

اور شام کا شیخ سمجھا جاتا تھا، اور نصرانیوں کی طرح حلول و اتحاد کا قائل تھا اور بظاہر جبری اور باطناً ملحد تھا، وجود میں آیا اور اہل بیت عصمت و طہارت سے اس نے اپنا راستہ جدا کیا، اور رسول ص کے وارثوں کی مخالفت شروع کی، چنانچہ عظیم محدث سید نعمت اللہ جزائری لکھتے ہیں: اہل بیت عصمت ع کے مخالفین کے گروہ، جیسے حسن بصری، سفیان ثوری اور ابو ہاشم کوفی، کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے[2]

اس ابو ہاشم کوفی، کو، تصوف کا اولین موجد اور تاریخ اسلام میں صوفی کے نام سے مشتہر ہونے والا پہلا شخص قرار دیا گیا ہے[3] اور شیخ عباس علی کیوان قزوینی جو کہ مدتوں فرقۂ گناآبادی کے شیخ رہے کہتے ہیں: پہلا وہ شخص جو اس ننگ و بدعت کے زیر بار ہوا وہ ابو ہاشم کوفی تھا، اس نے تصوف کی ترویج کے لئے بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں[4] اخباریوں کا عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم نے اس مذہب کو اس لئے ایجاد کیا تھا تاکہ دین اسلام کو برباد کر سکے[5]

حضرت امام حسن عسکری ع فرماتے ہیں: امام جعفر صادق ع سے ابو ہاشم کوفی کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: اس کا عقیدہ غلط و فاسد ہے اس نے بدعت سے ایک مذہب ایجاد کیا ہے، جسے تصوف کہا جاتا ہے، اس نے اپنے ناپاک عقیدہ کی پناہ گاہ بنا لیا ہے[6]

چونکہ اسی شخص سے ابو ہاشم کوفی صوفی کے نام سے مشہور ہوا ہے اسی لئے لفظ صوفی

---

(1) حدیقۃ الشیعہ ص ٥٦٠ (2) انوار النعمانیہ (3) استوار نامہ ص ۲۴ (4) حدیقۃ الشیعہ ص ٥٦٠ (5) اثنا عشریہ شیخ حر ص ۲۲ (6) حدیقۃ الشیعہ ص ٥٦٤۔

بھی ابتداً میں کوفہ ہی میں مشہور ہوا، اور مرحوم کیوان قزوینی، منصور علی شاہ گنا آبادی کے بقول، اس کے بعد حبیب عجمی اور ذوالنون ایک دوسرے کے مددگار ہو گئے[1] اور تصوف اس طرح جنید بغدادی اور دیگر نقاط تک پہونچ گیا۔

اولین خانقاہ چونکہ اسلام میں مسجد کے علاوہ دوسری عمارت سازی کی رسم نہیں تھی، چنانچہ بہت سی آیات قرآنی واحادیث نبوی میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے، لہذا ابو ہاشم کوفی کے زمانہ تک خانقاہ کا نام تک نہیں سنا گیا تھا، اور نہ کسی نے خانقاہ نام کی کوئی عمارت دیکھی تھی۔ ابو ہاشم کوفی کے عہد میں تصوف اپنی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا، اور اس کے اصول و دستورات ایک قسم کے افراطی زہد و رہبانیت، فقر اختیاری اور غیر اسلامی ریاضت کشی میں محدود تھے۔ اولین صوفی ابو ہاشم کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ ان کے پاس اپنے عقائد کا درس دینے اور ایک گروہ تربیت کرنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی کہ ایک بار امیر ترسا شکار کے لئے گیا، راہ میں اس گروہ کے دو آدمی دیکھے جو ایک دوسرے کی بغل میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے، ان کے پاس جو کچھ کھانے پینے کی اشیاء تھیں انہیں سامنے رکھا اور کھایا اس کے بعد چل دیئے، امیر کو یہ انداز اور ایک دوسرے سے ان کی محبت بہت پسند آئی۔ ان میں سے ایک کو طلب کیا اور پوچھا: وہ کون تھا؟ کہا میں نہیں جانتا! امیر نے کہا تم دونوں میں اتنی محبت کیوں تھی۔ فقیر نے کہا یہ ہماری طریقت ہے۔ امیر نے پوچھا تمہارے جمع ہونے کے لئے کوئی جگہ ہے؟

---

(۱) استوار نامہ ص ۲۲

کہا نہیں! امیر نے کہا میں تمہارے لئے ایک عمارت بناتا ہوں تاکہ تم سب کا وہاں اجتماع ہو سکے، چنانچہ اس نے رملہ میں خانقاہ تعمیر کی۔[1] اس کے بعد جہاں بھی صوفی و تصوف پہونچتے وہیں خانقاہ تعمیر کرتے۔[2] اور اس کے لئے اوقاف معین کرتے تھے اور اوقاف کے مصارف بھی معین کرتے تھے۔[3] صوفیوں کے بزرگوں نے خانقاہوں کے مادی اخراجات پورا کرنے کے لئے خانقاہ میں داخل ہونے اور اس میں زندگی گزارنے کی رسوم کے لئے کچھ آداب مقرر کئے۔[4] صوفیوں اور خانقاہوں کے امور کی نگرانی و انجام دہی اور خانقاہوں کے آداب و رسوم کو بیان کرنے کے لئے ہر خانقاہ کے لئے ایک شیخ مقرر کیا۔[5] صوفیوں کو خانقاہ کی خدمت کرنے کے لئے تشویق کرتے تھے مثلاً لکھتے ہیں: ایک روز شیخ (ابوسعید) نیشاپور میں تقریر کر رہے تھے، تقریر کے درمیان کہا: ہر خانقاہ سے مجھ تک پوری خانقاہ گوہر ہے، کیوں نہیں سمیٹتے؟ مجمع نے غور سے دیکھا وہ حقیقت میں گوہر سمجھے، تاکہ چنیں! لیکن وہاں کچھ نہ پایا تو کہا! اے شیخ ہمیں تو گوہر نظر نہیں آئے! شیخ نے کہا: خدمت خدمت۔[6]

صوفیوں کے افکار کی اشاعت

صوفیوں کے تشکل اور ان کے افکار و عقائد کی فقہا سے ٹکراؤ۔ اشاعت نے رفتہ رفتہ کچھ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا، اور چونکہ ابھی تک رسمی طور پر خانقاہ نام کا ان کا کوئی مرکز نہیں تھا، اس لئے انہوں نے مسجدوں سے

---

(۱) نفحات الانس ص ۳۱ - طرائق الحقائق ج۱ ص ۸۰۔ تاریخ تصوف ص ۵، ۷، (۲) ملاحظہ فرمائیں تاریخ خانقاہ در ایران (۳) الخطط (۴) کشف المحجوب ص ۴۵۱ و ۴۵۲ (۵) سفرنامہ ابن بطوطہ ترجمہ جناب محمد علی موحد ص ۳۶ و ۳۷ (۶) اسرار التوحید ص ۲۲۶

فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا، جیسا کہ جنید بغدادی، بغداد کی جامع مسجد میں اور منصوری بغداد کی جامع مسجد کے صحن میں، اور ابو عبد اللہ غلبنی صوفی شہر کی جامع مسجد میں[1] حاضرین مجلس کو خطاب کرتے تھے۔

انہیں جلسوں میں صوفیوں کو رسم زندگی کی تعلیم دی جاتی تھی، صوفیوں کو ترک طیبات و لذات اور خدا کی مباح کردہ چیزوں کی تشویق دی جاتی تھی، یہاں تک کہ نوآموز اشخاص کو تحصیل علم اور بیاہ شادی سے متنفر کیا جاتا تھا، کیونکہ جنید بغدادی وغیرہ نے کہا ہے: جو مرید بھی، شادی کرے گا اور تحصیل علم کو ترجیح دے گا وہ کچھ نہیں کر سکتا ہے۔[2] کبھی مشائخ خود اپنے اقوال پر عمل کرتے تھے تاکہ صوفیانہ تعلیمات کا بھرپور اثر ہو سکے، چنانچہ داؤد طائی نے خود بھی شادی نہیں کی تھی، اس کی وجہ وہ یہ بتاتے تھے کہ مجھ میں ایک مومنہ عورت کو فریب دینے کی جرأت نہیں ہے۔ موصوف کا گھر بہت بڑا تھا، جو بتدریج منہدم ہو رہا تھا، جناب منہدم شدہ حصہ چھوڑ کر صحیح حصہ میں قیام کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا اس کی تعمیر کیوں نہیں کراتے ہیں؟ فرمایا: میں نے خدا سے دنیا نہ آباد نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔[3]

ان طریقوں کے علاوہ جو کہ قرآن و سنت کی صریح نص کے خلاف ہیں، صوفی لوگ بعض مواقع پر مساجد میں رقص و سماع کے پروگرام منعقد کرتے تھے۔ مثلاً ذوالنون مصری کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ متوکل کی قید سے آزاد ہوا تو بغداد کی جامع مسجد

---

(۱) مرآت الجنان عبر الیقظان ج ۲ ص ۱۵۰ (۲) ترجمہ رسالۂ قشیریہ ص ۵۱۳ (۳) تاریخ بغداد خطیب بغداد ص ۴۰۴ (۴) پژوهشی در پیدائش و تحولات، تصوف و عرفان ص ۳۰ (۵) تذکرۃ الاولیاء تصحیح نکلسن طبع دنیائے کتاب ص ۲۳۰

میں سماع کا دور منعقد کرنے کی اجازت لی قوال نے قوالی پڑھی جس سے موصوف بہت محظوظ ہوئے۔[1]

ایسے صوفیانہ مسائل بیان کرنا اور سیرت رسولؐ کے خلاف اعمال کی تعلیم دینا اور صوفیانہ آداب وسنتیں، جیسے سماع، کا انعقاد اس بات کا موجب ہوا کہ فقہاء اسلام نے اس حدیث کے حکم کے مطابق:

اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة الله:[2]

جب میری امت میں بدعت ظاہر ہو، تو عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے۔ اگر اپنا علم ظاہر نہ کرے تو اس پر خدا کی لعنت ہے۔"

جب صوفیوں کے رفتار وکردار کو قرآن اور سنت رسول خداؐ کی صریح نص کے خلاف دیکھا تو، وہ صوفیوں سے مناظرہ کرنے، انہیں مساجد سے نکالنے، اور صوفی وغیر صوفی لوگوں کے اذہان کو روشن کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، یہاں سے تصوف سے اسلامی ٹکراؤ کا آغاز ہوا۔

صوفیوں کا ردعمل

فقہاء اسلام جو کہ حریم اسلام کے پاسدار اور امت اسلامی کے حقوق کے نگہبان گنے جاتے ہیں ان کی صوفیوں کے بیانیٔ اعتقادی اسلام کے برخلاف اعمال وافعال کی مخالفت اس بات کا باعث ہوئی کہ تصوف ایک مخصوص شکل اختیار کرے، اور صوفی لوگ مخصوص صورت میں ظاہر ہوں، چنانچہ صوفی

---

(۱) مرآت الجنان ج ۲ ص ۲۳۲ (۲) اصول کافی ج ۱ ص ۵۴

پراگندگی کی زندگی سے اجتماع اور مرکزیت کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے اپنا مستقل مرکز بنا لیا ۔

تصوف کے سرکردہ افراد نے یہ طے کیا کہ وہ اپنی تعلیم و تدریس اور افکار کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں کہ جن سے امت اسلامی لاعلم ہے، نظر ثانی کریں اور اپنے اعتقادی مسائل کو کچھ اس طرح پیش کریں کہ، جس سے کسی کی مخالفت کا شعلہ نہ بھڑکے اور علمائے اسلام انکے خلاف علمی و قومی محاذ نہ بنا سکیں ۔

صوفیوں کے دو اہم منصوبے

چونکہ امت اسلامی نے صوفیوں کی پھیلائی ہوئی باتوں کا ہوشیاری سے مقابلہ کیا تھا اور مذہبی شخصیتوں کے حکم سے پابندی کے ساتھ لوگوں کو آگاہ کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی، لہذا صوفیوں نے کچھوے کی طرح جو کہ خطرہ محسوس کرتے ہیں سر و گردن کو چھپا لیتا ہے، اپنے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت خود کو مخفی رکھنے کی کوشش کرنے لگے تھے ۔

پہلا منصوبہ یہ تھا کہ مسلک جہاں بھی جائیں یہ وہاں کے قانون اور وہاں کے ماحول کے رنگ میں رنگین ہوں اور جیسا کہ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کا خیال ہے کہ تصوف کے سرکردہ اشخاص نے تصوف کو اسلامی رنگ دیا اور اسے اسلامی تہذیب سے مخلوط کیا ۔ اور اپنے اعتقادات کو اسلامی عقائد و احکام کے موافق و مطابق کرنے کیلئے ایسی آیات و احادیث کا سہارا لیا جن میں سے اکثر قرآن و احادیث کے نسخ و متشابہات میں سے ہیں[1]

جنید بغدادی پہلا شخص ہے جس نے تصوف کے عقائد و آداب اور مبانی کو

اسلامی موازین کے مطابق کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی، تاکہ جہاں تک ہو سکے تصوف کے مخصوص مبانی و نظریات اور رسوم میں سے بعض کو قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے ظواہر سے ہم آہنگ کر سکے اور دونوں کے درمیان تضاد کو ختم کر سکے۔

جنید بغدادی کی علمی تحریک کے اتباع میں تصوف کی آراء و عقائد کی تدوین اور تصوف کی شرعی توجیہ کے لئے صوفیوں کے مشائخ نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں سے مشہور ترین کتاب، ابو نصر سراج کی "اللمع فی التصوف" ہے اس کتاب کی تالیف میں مولف نے جنید کا طریقہ اختیار کیا ہے، اور تصوف کی اسلام سے مطابقت کرنے کی کوشش کی ہے، اور جہاں تک ہو سکا ہے ان کی توجیہ کی ہے، اور ہر ایک کے اثبات پر بعض آیات اور چند جعلی حدیثوں سے استدلال کر کے انہیں موازین شرعی کے مطابق کیا ہے۔ اور تمام مطالب کو اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے، اور مقدمہ کتاب میں موصوف نے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے کہ، یہ کتاب اس مقصد کے تحت تالیف کی ہے، تطبیق اور تصوف کی طرفداری سے۔ [1]

جنید بغدادی کی فکر کی پیروی کرنے والے، کہ جنہوں نے فقہائے اسلام کی علمی تحریک کے مقابلہ میں اپنے مقاصد کو اشاروں اور رمز میں پیش کرنے اور اپنے نئے مسلک، تصوف کے مسائل کو، کہ جنہیں ظہور اسلام سے اس زمانہ تک نہ کسی نے سنا اور نہ دیکھا تھا، تصوف کے اسرار کے عنوان سے مخفی رکھنے کا منصوبہ بنایا۔ اور اسی لئے انہوں نے جنید بغدادی کے اس کلام۔ اہل انس خلوت و مناجات میں ایسی چیز کہتے ہیں، جو کہ عوام کے نزدیک کفر ہیں۔ اگر عام لوگ انہیں سن لیں تو انہیں کافر

---

(۱) اللمع فی التصوف ص ۵

قرار دیے،، کو تصوف کی توجیہ کی خاطر تمام صوفیوں تک پہونچا دیا تاکہ تصوف ان مسائل کو جو کہ اسلام کے سراسر خلاف ہیں انہیں اسرار تصوف کے عنوان سے کھلم کھلا بیان کرنے سے پرہیز کریں۔

لیکن جنید بغدادی نے جس چیز کی تشخیص دی تھی اسے تمام صوفیوں نے تسلیم نہ کیا، یا اس طرح زندگی بسر نہ کر سکے، مثلاً مشہور صوفی شبلی نے جنید بغدادی کی ان باتوں کو منبر سے لوگوں کے لیے آشکار کیا جو کہ موصوف نے سرداب اور دربستہ گھروں میں صوفیوں کے لئے کہی تھیں۔[۲]

اور یزید بسطامی نے تنگ آکر آواز بلند کی،، نماز میں، بدن کی استقامت کے علاوہ اور روزہ میں بھوک کے سوا میں نے کچھ اور نہیں دیکھا۔[۳] تاریخ تصوف کے اس موڑ سے جنیدیوں کو پیرو ہوشیاری، اور طیفوریوں کو پیرِ مستی کہا جانے لگا، پھر صوفی، صوفی سے ٹکرانے لگا، اور ایک دوسرے کیخلاف زہر اگلنے لگا۔

تاویل قرآن

جس طرح جنید بغدادی نے تصوف کو آیات واحادیث کے مطابق کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور اس کام میں کبھی آیات واحادیث میں تحریف و تصرف کے مرتکب ہوئے،، اور اسی سلسلہ میں،، اللمع فی التصوف،، جیسی کتابیں تحریر کی تھیں، اسی طرح ان کے بعد ابو طالب مکی نے قوت القلوب لکھی۔

مستی کے تابع صوفیوں نے صحیح معنوں میں رسوائی کو خطرہ محسوس کیا تو وہ قرآن

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵ ۔ (۲) پژوہشی در پیدائش و تحولات تصوف و عرفان ص ۲۶

(۳) تذکرۃ الاولیاء ص ۳۰ ۔

کی تاویل کرنے لگے اور صوفیانہ تاویل کے ذریعہ اپنے رقیب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یہ کچھ اسرار و رموز ہیں جن کے ظاہر سے عام اور بے خبر افراد کچھ نہ سمجھ سکیں گے۔ اور ان کا باطن خدا کی وحدانیت و یگانگت سے متعلق ہے۔ اس طرح صوفی اپنی حفاظت کی خاطر بہت بڑی خیانت کے مرتکب ہوئے اور وہ ہے تصوف کی آیات واحادیث سے مطابقت اور قرآن مجید کی تاویل۔

صوفیانہ جھگڑوں کا نشانہ بننے والے جس وقت صوفی اپنے رسوا کرنے والے اسلامی دینی رہبروں سے جنگ وجدال میں مشغول تھے اور اپنے اعتقادی مسائل کو اس جماعت سے مخفی رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، اور اگر کوئی چیز ظاہر کرتے تھے کہ اس فکر یا کلام کا ظاہر شرع و توحید کے موافق نہیں ہے، لیکن اس کا باطن دلیلوں سے شرع و توحید کے موافق ہے، ان کی دلیل وہی بے بنیاد تاویلات تھے۔ اسی زمانہ میں چونکہ ان کے درمیان توافق نہیں ہو سکا تھا لہٰذا آپس میں بھی یہ دست و گریبان، تھے اور ہوشیاری ومستی کے نام سے مشہور دونوں گروہوں کی انتھک کوشش یہ تھی کہ ان کا صوفی حریف انکے مسلک کو قبول کرے۔

جناب محمود عبد الصمدی کہ جن کی تحریر سے ایسا لگتا ہے کہ وہ فرقۂ نعمت اللٰہی کوثر علی شاہ کے پیرو ہیں۔ لکھتے ہیں: ایرانی صوفیوں کا یہ عمل نحوی صوفیوں کی، غصہ کی آگ کو بجھا نہ سکا، اور نہ ہی اسے کم کر سکا، ان کی چپقلش و نزاع ۳۰۹ھ تک جاری رہا ابوالمغیث، حسین بن منصور حلاج البیضاوی الفارسی کو انہوں نے وحشیانہ طریقہ سے قتل کر دیا۔

شروع میں منصور حلاج کو تین سو تازیانے لگائے، پھر اس کے دونوں ہاتھ قلم کئے، اس کے بعد زبان کاٹی، کاسۂ سر سے آنکھ نکالی، اور پھر سنگ باری کی یہاں تک کہ بدن سے سر جدا کر دیا، لاش کو جلا کر راکھ کر دیا، اور اس راکھ کو دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ مکتب صحو کے ماننے والوں نے بہیمانہ اور وحشیانہ قتل کے بعد عباسی خلیفہ کی پناہ حاصل کر لی۔ اور اس سے بھی زیادہ سنسنی خیز کیس کرنے کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہوئے، اور کسی طرح بھی دوسروں کو کافر کہنا ترک نہ کیا، مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ ۵۲۵ھ میں ایک دوسرے بڑے ایرانی صوفی، ابوالفضل محمد بن عبداللہ میانجی معروف بہ عین القضاۃ ہمدانی کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں بھی بہت ہی دل خراش طریقہ سے قتل کیا۔[1]

اس صاحب قلم صوفی کے اس اعتراف سے ہم ایک نہایت ہی نازک و دلچسپ مسئلہ پیش کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ اسلامی فقہاء نے منصور حلاج یا عین القضاۃ کے قتل کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ بلکہ گذشتہ تحریر کی رو سے اس کا فتویٰ دینے والے وہ صوفی تھے، جو اس جنگ میں خود صوفیوں کو بھی قتل کرتے تھے، اگر بعض غیر صوفیوں تحریروں میں کہیں غیر صوفی شخصیتوں کا ذکر آگیا ہے تو وہ درباری علماء ہیں جو کہ حکومت میں قاضی کے عنوان سے جرائم کی تحقیق کی وجہ سے معزز تھے۔

تصوف کا اسلام سے مقابلہ

تاریخ میں تجزیہ و تحلیل کے رواج سے قبل، عام طور پر ہر فکر از جملہ تصوف کی اصل

---

(۱) سیری در تصوف و عرفان ایران: تالیف محمود عبدالصمدی ص ۲۱ و ۲۲۔

واس اس کے بارے میں نہایت ہی سطحی فیصلے ہوتے تھے، اور تصوف کو چونکہ تمام اسلامی فرقوں کی مانند سمجھتے تھے، اور تصوف کے راس ور میں تاریخی حقائق پر توجہ کے بغیر مسلک تصوف کو اسلام کے مرکز اور اس کے لب ولباب کے عنوان سے پیش کرتے تھے. ان کا دعویٰ تھا کہ، مذہب تصوف ہی اسلام کی روح ہے، اور دیگر مذاہب جلا وظاہر ہیں. بقول مولوی:

ما ز قرآں مغز را برداشتیم پوست را بہر خران بگذاشتیم

لیکن جب عمومی تاریخی اور علوم وادیان اور مذاہب کی تاریخ میں تحلیل وتجزیہ کا رواج عام ہوا تو تصوف بھی اس کی زد میں آیا، اور رفتہ رفتہ تمام سماجی و مذہبی وقوعوں کی طرح، تصوف کی بھی تحلیل وتحقیق کی گئی اور بہت زیادہ تاریخی تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مسلک کی بنیاد سو فیصد اسلامی نہیں ہے، بلکہ فکر وخیال کا نتیجہ ہے. اس کے علاوہ اس کی ترقی میں دوسرے عوامل بھی کار فرما ہیں. جس سے اسلامی محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بہت سی جگہوں پر تصوف اسلام سے مغائرت رکھتا ہے.

رجال کتاب، تصوف نفحات الانس فی حضرات القدس کے مصحح مہدی توحیدی پور لکھتے ہیں: تصوف کے اصول طریقت بہت سی جگہوں پر دین اسلام کے قوانین کے برخلاف ہیں۔[1]

تعارض کے دو زمانوں میں یہ تقسیم بندی اگلے لوگوں کے مطالب کو بھی اچھی طرح واضح کرتی ہے. اور متاخرین کے عقائد وآرا، آداب وسنن کے تجزیہ میں بھی ہم حیرت زدہ نہیں رہ جائیں گے

1۔ نفحات الانس ص ۱۴۱

ابتدائی صدیوں میں

توحیدی ادیان میں اسلام آخری اور کاملترین دین ہے۔ جیسے بشر کی ہدایت کے لئے محمد بن عبد اللہ رسول اکرم، خدا کی طرف سے لائے، عدل وانصاف، نظم ونسق، اور دنیوی و اخروی سعادت کو بیان کیا۔

رسولؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد آیہ "ان الدین عند اللہ الاسلام"[1] کے تحت گذشتہ ادیان منسوخ ہو گئے، اور لوگوں کو اس آیت "و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ"[2]، سے خبردار کر دیا گیا۔ جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دین کو اختیار کریگا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس لحاظ سے، جیسا کہ قرآن میں بھی ہے، دین الحق[3] اور دین اللہ[4] صرف اور صرف اسلام ہے۔ اسلام میں شارع کی تشخیص سے ان شریعتوں کی بعض چیزوں کی تائید ہو سکتی ہے۔ جو تحریف سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ تائید ہوئی ہے، اور یہودی و مسیحی اور مجوسی جیسے دین سازوں کی تحریف کردہ چیزوں پر خط بطلان کھینچ دیا گیا۔ لہذا اسلام سے شغف رکھنے والوں کو ہی نہیں بلکہ ادیان کے پیروکاروں کو صرف اسلام قبول کرنا چاہئے

---

(۱) آل عمران : ۱۹ (۲) آل عمران : ۸۵ (۳) توبہ : ۳۳ (۴) نصر : ۲۔

صوفیوں نے اس اہم نکتہ پر توجہ نہ کی اور اس سلسلہ میں نقل ہونے والی آیات کے بالکل برخلاف عمل کیا۔ ڈاکٹر قاسم غنی کی تحریر ہے۔ "صوفی کسی بھی عقیدہ کو غلط نہیں قرار دیتا ہے، مذاہب کے اختلاف کو رنگ و صورت کا تفاوت قرار دیتا ہے اور مکمل صلح چاہتا ہے"[1]

ڈاکٹر غنی دوسری جگہ صوفی کی پختگی ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے: صوفی کی نظر میں ادیان و مذاہب یکساں ہیں، وہ کسی کو بھی ترجیح نہیں دیتا ہے۔ یعنی بت پرستوں سے اسلام کی دیانت مساوی ہے۔ اور خانۂ کعبہ و بت خانہ، اور صمد و صنم برابر ہیں: ایک صوفی کسی وقت بھی یہ نہیں دیکھتا ہے کہ انسان کس مذہب کا پیروکار ہے۔ یا اس کی عبادت کی کیا صورت ہے"[2]

ایسا گروہ، صوفی یا کوئی بھی فرد ثالث ہو، ٹھیک مقصود خدا اور قرآن کے برخلاف عمل کرتا ہے اور اس سے ایک قسم کا جھگڑا کرتا ہے۔

صوفی زمانہ کبھی ایسے مطالب کو کچھ اس زیرکی سے بیان کرتا ہے کہ تمام ادیان میں انہیں قبول کیا جائے۔ جناب شیخ محمد حسن گنا آبادی معروف بہ صالح علی شاہ نے جرمنی کے کونسلر کے جواب میں کہا: "ہم محمدی بھی عیسیٰ کے جانشین ہیں"[3] اس استدلال سے موصوف نے خود کو حضرت عیسیٰ کا پیرو ثابت کیا ہے۔ اور جرمنی کے کونسلر کے تعجب کو برطرف کیا جو اسے یہ بات سنکر ہوا تھا کہ ایک مسلمان خود کو مسیحی کہہ رہا ہے۔

---

[1] تاریخ تصوف در اسلام ص ۴۲۵ - [2] ایضاً ص ۴۲۶ - [3] باب ولایت تالیف سید حبۃ اللہ جذابی ثابت علی۔ ص ۲۱۹ -

تصوف میں شرع کی حیثیت

لغت میں احکام شرعی کے معنیٰ دینی و مذہبی فرامین کے ہیں اور اصطلاح میں اصلی و فرعی احکام کو شامل ہیں۔

احکام اصلی کہ جن کو اعتقادی احکام بھی کہتے ہیں، وہ احکام ہیں جو کہ اسلام کے اصول عقائد سے تعلق رکھتے ہیں، اور انکا مقصد خود عقائد ہی ہیں۔

ان احکام میں سے خدا کے عالم و قادر ہونے کو اصلی و اعتقادی احکام میں شامل کیا جاتا ہے اور علم کلام میں اس سے بحث کی جاتی ہے۔

احکام فرعی، کہ جن کو عملی و ظاہری احکام بھی کہا جاتا ہے، یہ وہ احکام ہیں جو دینی و مذہبی امور کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں، ان کا مقصد دینی امور کی کیفیت کی تعیین ہے، اور ان امور کی انجام دہی ہے، یا جن سے مکلفین کے لئے اجتناب ضروری ہے، ان احکامات میں سے ایک نماز ہے، جو کہ ہر مکلف پر واجب ہے، یہ بھی فرعی احکام میں شامل ہے، اس سے علم فقہ یا علم شرائع و احکام میں بحث ہوتی ہے۔

شریعت نبوی کے دستورات و مقررات کی پابندی کو، کہ جن کو فروع دین کہا جاتا ہے، دین اسلام کے واجبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اسے انجام نہ دینے کے سلسلہ میں کوئی عذر بھی قابل قبول نہیں ہے، بلکہ کبھی ترک نماز دائرہ دین سے خارج ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: بندے اور شرک کے درمیان، ترکِ نماز کا فاصلہ ہے، اگر ترک کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔[1]

تاریخِ تصوف میں ان دستورات کی پابندی یکساں نہیں رہی ہے بلکہ صوفیوں کے مشائخ کی نظر میں زمان و مکان کے اقتضا کے لحاظ سے مختلف رہی ہے بلکہ اسلام میں تصوف کی پیدائش ہی سے اس کی ابتدائی شاخ و برگ سے، قطع نظر، یہ کہا جائے کہ، تصوف کی بنیاد ہی زاہد و عابد بننے اور شرع کے ظواہر اور دینی مقررات سے تمسک، پر استوار تھی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شیوخ نے شریعت کو اہمیت دینا ترک کر دیا۔ اور صوفیانہ مسائل میں پڑ گئے، اور انہیں کی ترویج کرنے لگے۔ ڈاکٹر قاسم غنی کے بقول، صوفیوں کے مشائخ کبھی مقتضیاتِ زمان کے تحت شرع کو تصوف کے شرائط میں شمار کرتے اور کبھی قیود قائم کر دیتے تھے۔[2]

جن مواقع میں شریعت تصوف کا جزو شرط نہیں رہی ان میں سے شاید ایک وہ زمانہ ہے، کہ جب صوفی منزلِ مقصود پر پہونچ جاتا ہے، کیونکہ ڈاکٹر غنی جن کے عقاید و آرار کے صوفی بھی قائل ہیں، لکھتے ہیں: شریعت راستہ بتاتی ہے، اور ان احکام سے عبارت ہے کہ جن کی رعایت و پابندی انسان کو راستہ کی ہدایت کرتی ہے، اور روحانی و باطنی لطائف کے حاصل کرنے کے لئے مستعد کرتی ہے، اور جب یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اور طالب اپنے مطلوب تک پہونچ جاتا ہے تو پھر طریقت شمار ہوتا ہے یعنی شریعت کا فائدہ صرف راہنمائی ہے اور بس۔[3]

(۱) نہج الفصاحۃ ص ۵۰۶ (۲) بحث در آثار و افکار و احوال حافظ ج ۲ ص ۱۹۳ (۳) تصوف در اسلام ص ۲۰۸

شیخ لاہیجی مولف کتاب عقائد سے نقل کرتے ہیں: جب بندہ کا دل پاکیزہ ہو جاتا ہے، اور خدا کی محبت ودوستی سے سرشار ہو جاتا ہے، اور غیب پر ایمان اس کے دل میں استوار ہو جاتا ہے، تو پھر اس سے تکلیف وپابندی اٹھالی جاتی ہے، اور پھر بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی اسے جہنم میں نہیں لے جاسکتا، بعض اشخاص کا خیال ہے کہ ایسے شخص کا اپنے بارے میں سوچنا ہی عبادت ہے، اور ظاہری عبادتیں اسکے لئے ضروری نہیں ہیں۔[1]

یہ مولوی کا قول ٹھیک ہے، وہ مثنوی کی جلد پنجم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: شرع کی مثال ایک شمع کی سی ہے، جو کہ راستہ دکھاتی ہے، شمع کے بغیر راستہ نہیں ملتا، اور جب آپ راہ پر لگ گئے تو پھر یہ آپ کا چلنا طریقت ہے، اور جب منزل پر پہونچ گئے تو یہ حقیقت ہے، اور اسی لئے صوفیوں نے کہا ہے: جب حقائق ظاہر ہو جاتے ہیں تو شریعت باطل ہو جاتی ہے۔ اس سے ڈاکٹر قاسم غنی نے نتیجہ نکالا ہے: پکا صوفی یہ نہیں چاہتا ہے کہ وہ شریعت کے قوانین، اور معاشرہ کے مصنوعی آداب ورسوم کی زنجیر میں خود کو قید کرے۔[2]

مشہور صوفی ابو سعید ابوالخیر، جو کہ پختگی کی منزل سے بھی آگے نکل گئے تھے ان کے بارے میں لکھتے ہیں: جب شیخ قائن میں تھے اسی زمانہ میں وہاں ایک امام تھے بڑے پہونچے ہوئے، لوگ انہیں محمد قاینی کہتے تھے، وہ ہر وقت شیخ کے ساتھ رہتے تھے، ایک روز لوگ شیخ کو دعوت میں لے گئے وہ شیخ کے ساتھ تھے، لوگ

---

(۱) شرح گلشن راز ص ۳۴۴ حاشیہ نمبر ۲۔ (۲) تاریخ تصوف در اسلام ص ۱۸۶

سماع ورقص میں مشغول تھے کہ اذان ہوگئی امام نے کہا نماز! شیخ نے رقص کرتے ہوئے کہا ہم نماز پڑھ رہے ہیں۔

صوفیوں کی رائے نص قرآن کیخلاف

اس موضوع کو چھیڑنے سے قبل ہم اس اہم چیز کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جسے ضروریات دین میں شمار کیا جاتا ہے، اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اسے، کوئی شخص بھی، یہاں تک کہ معصوم بھی قرآن مجید کے خلاف کوئی بات نہ کہہ سکتا ہے اور نہ لکھ سکتا ہے، معصومؑ سے منقول ہے ہمارے سخن کا قرآن سے موازنہ کرو اگر قرآن کے مطابق ہو تو اسے ہمارا کلام سمجھو۔

نمونہ کے طور پر ہم قرآن سے ابلیس کا ماجرا بیان کرتے ہیں: خلقت سے متعلق آیات سے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے، لفظ "ابلیس" قرآن میں اس مخصوص موجود کے بارے میں استعمال ہوا ہے، کہ جسے حکم خدا کی اطاعت نہ کرنے کے سبب راندۂ درگاہ الہیٰ کیا گیا، اور اسی وجہ سے وہ ابدی عذاب اور لعنت کا مستحق قرار پایا، قیامت کے دن[1] یعنی وقت معلوم تک وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا، اسی لئے قرآن نے اسے انسان کا کھلا دشمن[2] اور عدو خدا کہا ہے۔[3] اور انسانوں کو وصیت کی ہے کہ اسے دشمن سمجھیں۔

بعض نے ابلیس کا نام "الحارث" اور اس کی کنیت "ابو مرہ" لکھی ہے اور عبرانی میں اسکا نام "عزرائیل بزائین" ہے۔

---

(۱) سورہ حج ۱۸۔ سورۂ ص: ۸۰ (۲) سورۂ بقرہ ۱۶۸-۲۰۸ (۳) تفسیر تبیان ص ۴۹۵

شیخ طوسی کہتے ہیں: حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ فرشتوں میں سے تھا، اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی وجہ سے کافر اور اس کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔[1]

رسولؐ فرماتے ہیں: خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں اور تمام فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے اس رشک وحسد کی بنا پر، جو کہ اسکے دل میں آدمؑ کی طرف سے تھا سجدہ نہ کیا۔[2]

ابن عباس کہتے ہیں کہ ابلیس ان فرشتوں میں سے تھا، جنہیں جن کہتے ہیں لیکن حکم خدا کی نافرمانی کی وجہ سے خدا کی لعنت میں گرفتار ہو گیا، اور شیطان کا نام پایا، جبکہ وہ بڑے فرشتوں اور زمین وجہان کے فرمانرواؤں میں سے تھا، اور خدا کی عبادت میں ان سے آگے اور اپنی ذات میں ان سے برتر تھا، قرآن مجید میں لفظ ابلیس استعمال ہوا ہے، ابلیس شیطان کے مترادف ہے۔[3]

ابلیس کے بارے میں اس مختصر شناخت کے بعد جو کہ قرآن کی صریح نص سے ماخوذ ہے ہم صوفیوں کی آراء پیش کرتے ہیں۔

صوفی حضرات قرآن مجید کی اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ابلیس نے خدا کے حکم کی اطاعت نہ کی، لہٰذا اس نافرمانی کی بنا پر وہ راندۂ درگاہ ہوا، وہ ابلیس کو مختلف عبارتوں میں اس طرح پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بعض موقعوں پر خدا نے ابلیس

---

(۱) معانی الاخبار ص ۱۳۸ (۲) معانی الاخبار ص ۱۳۸ (۳) مجمع البحرین ج ۴ ص ۲۵۲ ۔
مفردات راغب ص ۶۰ ۔ تفسیر الکاشف محمد جواد مغنیہ ج ۱ ص ۸۲

ابلیس کے ساتھ ناانصافی کی ہے، اس طرح صوفی حضرات اس کا بے گناہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔

مثلاً حسن بصری کا عقیدہ ہے کہ اگر ابلیس خلق پر اپنا نور ظاہر کر دے تو خدا کی طرح اس کی پرستش کی جائے۔[1]

یا ذوالنون مصری ابلیس کو، عبادات و طاعات میں عدم تزلزل اور بندگی میں کامل اخلاص کی بنا پر اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔[2]

مشہور صوفی ابوبکر واسطی اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتے ہیں! اور کہتے ہیں: راہ روی، سلوک و طریقت ابلیس سے سیکھنا چاہیے۔ کہ وہ اپنے مسلک میں مرد ثابت ہوا۔[3]

ابوالعباس قصاب، ابلیس پر پتھر مارنے کو بزدلی قرار دیتے ہیں۔[4]

ابوالحسن خرقانی بھی ابلیس کی حق شناسی و عبرت آموزی کے قائل ہیں۔[5]

ابوالقاسم گرگانی کہ جنہیں، گورگانی بھی کہا گیا ہے اور فرقۂ معروفیہ کے مشائخ میں سے ہیں، اور دس واسطوں سے اپنا سلسلہ شاہ نعمت اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ شیطان کو خواجگان کا خواجہ اور مہجوروں کا سردار قرار دیتے ہیں۔[6]

احمد غزالی جو کہ صوفیوں کے فرقۂ معروفیہ کے مشائخ میں سے ہیں اور نعمت اللہ[7] ولی نے جن تک اپنا خرقہ پہنچایا تھا وہ کہتے ہیں: جو شخص ابلیس سے توحید نہ سیکھے وہ

۱، تمہیدات ص ۲۱۱-۲۲۱-۲۲۲ ۲، کشف الاسرار و عدۃ الابرار ج ۱ ص ۱۶۔ ۳، تذکرۃ الاولیا طبع منوچہری ص ۲۲۱ و ۲۲۲۔ ۴، تذکرۃ الاولیا ص ۵۵۹ ۵، ایضاً ص ۴۰۳ ۶، خورشید تابندہ مولف ص ۴۳

زندیق ہے۔ موسیٰ نے عقبۂ طور میں شیطان سے ملاقات کی، اور اس سے پوچھا تم نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا تھا؟ اس نے کہا میں بشر کو سجدہ کروں مجھے توحید کا دعویٰ ہے۔[1]

عین القضاۃ کہتے ہیں: کہ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ابلیس خلق کو گمراہ کرتا ہے، لیکن اس صفت پر ابلیس کو کس نے پیدا کیا؟[2] قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ ابلیس کے تمام گناہوں کو خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

احمد غزالی کہتے ہیں: شیخ ابوالقاسم گرگانی نے ہرگز ابلیس نہیں کہا ہے بلکہ اسے جہاں بھی یاد کیا ہے، خواجۂ خواجگان کے نام سے یاد کیا ہے، اور اسے سرور مہجوران قرار دیا ہے۔[3]

ابوالقاسم گرگانی کہتے ہیں: سالہا سال سے میں طریقۂ ابلیس کو ڈھونڈھ رہا ہوں لیکن پا نہیں رہا ہوں۔[4]

خواجہ عبداللہ انصاری بھی ابلیس کو مہجوروں کا سردار کہتے ہیں۔[5]

مختصر یہ کہ احمد غزالی نے اس شخص کو کافر قرار دیا ہے، جو کہ ابلیس کو موحد تسلیم نہیں کرتا۔[6]

صوفیوں نے ابلیس کی اتنی ہی حمایت پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اسے ختمی مرتبت

---

(۱) نامہ ھائے عین القضاۃ ج ۱ ص ۹۷۔ (۲) جستجو در تصوف ایران ص ۱۰۶۔ (۳) تمہیدات ص ۱۸۸۔ (۴) لوائح القضاۃ ص ۲۴۔ (۵) نامہ ھائے عین القضاۃ ج ۱ ص ۹۷ (۶) تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج ۷ ص ۳۳۷۔

کے برابر قرار دیا ہے ،روزبہان بقلی شیرازی کہتے ہیں وہ وہاں ملائکہ کا سردار تھا، محمدؐ یہاں بنی آدم کے سردار ہیں [1] اور عین القضاۃ رسولؐ کو مظہر جمال حق، اور ابلیس کو اسکی ذات کا مظہر جلال شمار کرتے ہیں [2] دوسری جگہ کہتے ہیں: خدا نے ابلیس کو صفات جباریہ سے اور محمدؐ کو صفت رحمانیت سے خلق کیا ہے، لہذا صفت رحمت احمدؐ کی، اور صفت قہر و غضب ابلیس کی غذا ہے [3] نیز کہتے ہیں: مصطفےٰ اس کی طرف سے مبلغ ہیں یہ اس کی طرف بلاتا ہے [4] پھر کہتے ہیں ابلیس کی یہ خطا تھی کہ، اسے خدا سے عشق تھا اور گناہ مصطفےٰ یہ ہے کہ ان سے خدا کو عشق ہے [5]

صوفیوں نے ایک لحاظ سے قلم کے ذریعہ قرآن کی صریح آیت کا مقابلہ کیا ہے، اور اس بات کے قائل ہوگئے ہیں کہ ابلیس نے خدا کے عشق کی وجہ سے غیر خدا کو سجدہ نہیں کیا ہے، جبکہ قرآن کہتا ہے کہ ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں [6]

مدحِ عشق و مذمتِ عقل

صوفیوں نے جن چیزوں میں قرآن و سنت سے مقابلہ کیا ہے، ان میں سے ایک عشق کی مدح اور عقل کی مذمت ہے۔ مولوی نے اپنی مثنوی میں ہر صوفی سے زائد اس بات پر زور دیا ہے [7] جبکہ قرآن میں تقریبًا پچاس مرتبہ عقل اور عقلمندوں کا تذکرہ ہوا ہے، اور کائنات کے مسائل کو درک کرنے والا صرف عقلمندوں کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

---

(۱) شرح شطحیات ص ۵۱۰ (۲) تمہیدات ص ۲۲-۲۱۳- (۳) ایضًا ص ۲۲۷- (۴) ایضًا ص ۲۲۸- (۵) ایضًا ص ۲۲۹- (۶) اعراف آیت: ۱۲

ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض ان فی

خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار

لآیات لاولی الالباب[1]

وہ آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بارے میں غور کرتے ہیں، آسمانوں زمین کی خلقت اور رات دن کی گردش میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔

قرآن عقلمندوں کو، حقیقت کو سمجھنے والے، یحیی اللّٰہ الموتیٰ[2] کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کی نظر میں عقل ہی آیات خدا کو دریافت کرنے والی ہے۔

امام صادقؑ کا ارشاد ہے کہ عقلمند ہی دیندار ہوتا ہے، اور جو دیندار ہے وہی جنت میں جائیگا[3]

نیز رسول خدا کا ارشاد ہے: جب تمہیں کسی شخص کی خوبی معلوم ہو تو اسکی عقل کی خوبی کو دیکھو، کیونکہ وہ اپنی عقل ہی کے ذریعہ خوبیاں کسب کرتا ہے۔

محمد بن سلیمان اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ، میرے والد نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کی: فلاں شخص بہت عبادت گذار اور دیندار ہے، آپ نے فرمایا: کیا اس کی عقل بھی ایسی ہی ہے؟ میں نے عرض کی مجھے اسکا علم نہیں ہے: فرمایا: ثواب عقل کے مطابق ملتا ہے[4]

حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں: ہر شخص کا دوست خود اس کی عقل ہے۔

---

(۱) آل عمران: ۱۹۱ و ۱۹۱۔ (۲) بقرہ آیت ۶۹ بقرہ: ۲۴۳۔ (۳) اصول کافی ج ۱ ص ۱۱۔ (۴) اصول کافی ج ۲ ص ۱۱ و ۱۲۔

اور اسکا دشمن اسکی جہالت ہے۔[1]

اس مسئلہ پر غور کرنا ہی بہت ضروری ہے کہ صوفی حضرات عقل کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے ہیں، اور مسئلہ عشق کو معصوم کی طرف سے پیش کیا ہے، تصوف میں اس مسئلہ کی بنیاد چوٹی کے صوفیوں نے رکھی، اور دلنشین لطائف کیساتھ انہوں نے آیات قرآنی اور سنت سے معارضہ کیا ہے۔

البتہ اس بات کا بھی عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کہ عشق کا کوئی مرتبہ نہیں ہے بلکہ وہ خاص اہمیت کا حامل ہے، لیکن عشق کو عقل کے قتل کا آلہ قرار دینا بہت بری بات ہے کیونکہ یہ قرآن و عترت کے کلام سے مبارزہ ہے۔

خدائی کا دعویٰ

جن اہم مسائل کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اور جنہیں صوفی بے پناہ کوششوں کے باوجود، تصوف اور صوفیانہ زندگی سے محو نہیں کر سکے ہیں انہیں میں سے، ایک اس مرتبہ و منزلت کا دعویٰ کرنا ہے کہ، جسے خدائی کا دعویٰ کرنا کہہ سکتے ہیں۔

تاریخ تصوف کے عظیم صوفیوں نے حال و مستی کی حالت میں ایسے مطالب بیان کئے ہیں کہ جنہیں انہوں نے کفر آمیز ہونے کی بنا پر "شطح" کا نام دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ کلمات۔ یعنی شطحیات۔ بظاہر شرع انور کے خلاف ہیں لیکن ان کا باطن عین شریعت ہے۔

شطح کی شناخت سے وہ حقائق آشکار ہو سکتے ہیں کہ جن کو نہ جاننا شطح

(۱)، اصول کافی ج ۲ ص ۱۱۔

کی حقیقت سے ناواقفیت شمار ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شطح وہ لفظ ہے کہ جس سے خودپسندی کی بو آتی ہے۔ اس سے دعویٰ مترشح ہوتا ہے۔[1]

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دنیا سے قطع تعلق اور حق سے متصل وملحق ہونے کے دعویدار، اور نفس وشیطان کے، بے چون وچرا غلام، بے بہرہ نہیں تھے، جبکہ خود ان کے بقول مستی میں وہ زبان پر عقلمندوں کی سی بات جاری کرتے ہیں، جس سے خودپسندی مترشح ہے، اور چونکہ وہ اس حالت سے زور کے بندوں سے مشابہ ہو جاتے ہیں اس لئے ان کلمات کو شطحیاتِ صوفیانہ کہتے ہیں، ان کلمات کا ظاہر شریعت کے مخالف ہے لیکن عین شریعت ہے۔

اس گروہ کا دعویٰ ہے کہ، صوفی اس منزل پر پہونچ جاتا ہے جہاں من، تو کا فرق نہیں رہتا ہے، ایسی خودپسندی کے باوجود اس مقام کا دعویٰ کیسے کرتے ہیں جو کہ اس کے منافی ہے؟ تصوف اور صوفیوں کی ابتدا ہی سے ایسے شرک آمیز دعوے ہوتے رہے ہیں، جیسے منصور نے کہا: انا الحق، یہ فرعون کے قول انا ربکم الاعلیٰ، جیسا دعویٰ تھا، ان چیزوں نے امت اسلامیہ کو صوفیوں سے بیزار کیا، تو انہوں نے ایسے کلمات کو شطح کا نام دیا، کہ جس کے ظاہر سے دعوائے خدائی کی بو آتی ہو، لیکن اسکے باطن میں صنم تراشی نہیں ہے، اور کیونکہ انہوں نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ صوفیوں کی قابل اعتماد شخصیتوں، جیسے روزبہان بقلی شیرازی نے ایک مجموعہ کی تدوین کی اس

---

(۱) فرہنگ لغات واصطلاحات وتعبیرات عرفانی ص ۲۸۸

کا نام ”شرح شطحیات“ رکھا اسمیں صوفیوں کے مقدمات وابتدائی شطحیات کے بعد ایسے کلمات رکھے ہیں کہ جنہیں وہ رسولؐ سے اور علی مرتضیٰؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کلمات سے رسولؐ اور علیؑ کا شطاح ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس کے بعد، صوفیوں کی شطح کو بیان کیا ہے۔ اس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ ہمارے دعوؤں کی وہی حیثیت ہے جو کہ معصومینؑ کے کلمات کی ہے۔ لہٰذا منصور نے جو ”انا الحق“ کا نعرہ بلند کیا، اور یزید بسطامی نے جو کہا انا اللّٰہ لا الٰہ الّا انا فاعبدونی۔ کہا اور جنید بغدادی نے جو، لیس فی جبتی سوی اللّٰہ کہا ہے یہ خدائی کا دعویٰ ہے، صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کلمات کے ظاہر سے خود پسندی کی بو آتی ہے، لیکن بباطن یہ عین توحید ہیں جبکہ ایسی توجیہ توحیدی اعتقاد کی اساس کے برخلاف ہے۔ ایسے کلمات سے خود پسندی کی نہیں بلکہ کفر کی بو آتی ہے، ایسے کلمات کا ظاہر و باطن شریعت کے قوانین و قواعد کے نہیں بلکہ خالص توحید کے منافی ہیں۔ سلطان صوفیان، یزید بسطامی، کہ غلطی سے جن کا لقب سلطان العارفین ہو گیا ہے۔ کے اور بھی کچھ کلمات ہیں، جو صوفیوں کی شطحیات میں نہیں ہیں وہ لکھتے ہیں: کل قیامت، میں خلائق لوائے محمدؐ کے نیچے ہوگی۔ کہا: خدا کی قسم میرا پرچم لوائے محمدؐ سے بڑا ہے، انبیاء و خلائق میرے پرچم کے نیچے ہوں گے۔[۳]

ہمارے زمانہ کے صوفیوں کے سرغناؤں کے بھی ایسے ہی دعوے ہیں جنہیں وہ اپنے مریدوں کے کان میں کہتے ہیں، ابھی تک ان دعوؤں کو لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی ہے۔

---

(۱) شرح شطحیات ص ۶۳۔ (۲) ایضاً ص ۷۱۔ (۳) صفوۃ الصفا ص ۴۵۔ (۴) تذکرۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۳۔ ص ۱۶۴

شیعیت سے تصوف کا ربط

تشیع مصدر ہے باب تفعل سے آیا ہے، اس کا مادہ "شیع" ہے، "شیعہ" کے لغوی و اصطلاحی معنی ہیں، "تشیع فی الشی" ہوا میں کسی چیز کا حل ہو جانا، اور "تشیع الشیب" یعنی اسمیں پیری و بڑھاپا نفوذ کر گیا ہے۔ تشیع قطرة اللبن فی الماء "دودھ کا قطرہ پانی میں حل ہو گیا۔ تشیع الرجل"[1] وہ شیعہ ہو گیا۔

لفظ شیعہ مفرد صورت میں چار مرتبہ استعمال ہوا ہے[2]۔ ایک مرتبہ تنہا اور تین مرتبہ اضافہ کے ساتھ[3]، پہلی جگہ جماعت کے معنی میں ہے، اور باقی جگہوں پر پیروی کرنیوالوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اصطلاح میں حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کی پیروی کرنے والوں اور ان لوگوں کو شیعہ کہتے ہیں، جو کہ رسولؐ کے بعد آپ کے بلا فصل خلیفہ ہونے اور غدیر میں رسولؐ کے ذریعہ آپ کے ولی قائم ہونے کے معتقد ہیں، تشیع کے آغاز وابتدا کو قرآن و رسولؐ کے کلمات سے معین و معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسکے برخلاف تصوف کا نہ قرآن میں پتہ ہے نہ کلمات رسولؐ میں کہیں نشان!

[1]۔ دائرۃ المعارف تشیع ج ۴ ص ۱۷۱۔ [2]۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ قرآن میں صوفی و تصوف کا ذکر نہیں ہے۔ [3]۔ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایہم ... سورہ مریم آیت ۷۔

اس کے بارے میں صرف ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوا ہے، لیکن تشیع کے بارے میں جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں: میں رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھا، دیکھا کہ علیؑ چلے آرہے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا قسم اس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ اور اس کے شیعہ قیامت میں کامیاب و رستگار ہوں گے۔[1]

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب آیۂ: ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک ھو خیر البریہ: نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا: اس آیت سے تم اور تمہارے شیعہ مراد ہیں۔ کہ تم لوگ قیامت میں خوش ہوگے۔ اور خدا بھی تم سے خوش ہوگا۔[2] ایسی روایات کو اہل سنت کی احادیث کی کتابوں، جیسے طبرانی مسند ابن حنبل، اور دار قطنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کہ ابن حجر، ابن اثیر اور سیوطی نے نقل کی ہیں، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے بھی اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے: تحریر فرماتے ہیں: یہ خط خدا کے بندے امیر المومنین علیؑ کی طرف سے مومنوں۔ اور مسلمانوں میں سے اپنے شیعوں کے نام ہے اور خدا کا ارشاد ہے: ان شیعتہ لابراھیم،، یہ وہ نام ہے جسے خدا نے قرآن مجید میں بیان فرما کر معزز کیا ہے۔ تم پیغمبرؐ کے شیعہ ہو جیسا کہ ابراہیمؑ بھی اس کے شیعوں میں سے ہیں۔ یہ وہ نام ہے جو مختص نہیں ہے، ایسا امر ہے جو زمانۂ قدیم سے ہے۔[3]

---

(۱) صافات: ۸۲۔ قصص: ۱۵۔ (۲) تفسیر در منثور ج ۱۶۔ ص ۳۷۹ و غایۃ المرام ص ۳۲۶۔ (۳) نامہ عامی محمودی ج ۲ ص ۱۹۶۔

ام سلمہ نقل کرتی ہیں کہ میں نے رسولؐ سے سنا آپ فرماتے ہیں: بیشک علیؑ اور ان کے شیعہ رستگار ہوں گے بے[1] اس مختصر تحقیق سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ لفظ شیعہ، لفظ تصوف کے برخلاف، رسولؐ کے زمانہ میں تھا، چنانچہ ابوالحاتم لکھتے ہیں: سب سے پہلے اسلام میں، رسولؐ کے زمانہ میں جو نام آشکار ہوا وہ شیعہ تھا، اور یہ چار اصحاب، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد بن اسود کندی، اور عمار یاسر کا لقب تھا۔ پھر جنگ صفین میں یہ نام حضرت علیؑ کے ہوا خواہوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔[2]

واضح رہے کہ صوفیوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا، اور کہا کہ یہ جماعت تصوف کے اولین بزرگوں میں شمار ہوتی ہے[3] عیاں ہے کہ صوفیوں کے اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں تمام فرقوں کو شیعہ کہا جاتا ہے، جو رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کو امام و بلا فصل خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس بات کے معتقد ہیں کہ امامت ان کی اولاد سے باہر نہ جائے گی۔ تمام شیعی فرقوں کا عقیدہ ہے کہ امام کو خدا اور رسولؐ معین کرتے ہیں[4] شیعوں کی اکثریت امامیہ اثنا عشری، کا عقیدہ ہے کہ سلسلۂ امامت حضرت علیؑ سے حجۃ ابن الحسن العسکریؑ تک جاری رہے گا۔

اسی موضوع سے عرفان و تصوف کے درمیان دوگانگی و فرق کو بخوبی محسوس

---

(۱) ارشاد مفید ص ۲۵ ۔ (۲) تاسیس مقدمہ ۔ (۳) خورشید تابندہ تالیف آقائی تابندہ ص ۲۰ (۴) الملل والنحل ج ۱ ص ۱۴۶ ۔

کیا جاسکتا ہے ، باطن اور باطنی میلان کی طرف رغبت ، اور ہر وہم وخیال سے دور رہ کر درونی اسرار ومعارف سے حقیقی آشنائی صرف اور صرف ائمہؑ کے دستورات کے طریق سے اور ولایت کے اعتقاد سے ہو سکتی ہے ۔ اس صورت میں چونکہ تشیع خود بخود اسرار سے آشنائی کا راستہ ہے ، لہذا شیعہ تہذیب وماحول ہی اسرار ومعارف کی تعلیم کا ماحول تھا ، اور جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے ، یہ دستورات انہوں نے ائمہؑ سے حاصل کئے ہیں ۔[1]

معلوم ہوا کہ باطنِ شریعت کا علم رسولؐ سے صرف اور صرف ائمہ اطہارؑ کو ملا ہے ۔ اسی طرح خود مفہوم ولایت ، ہدایت ارشادی کو ، امام کو القا کرتا ہے اور امام اصولِ عقائد کی تعلیم دیتا ہے ۔ یہ مفہوم ایک لحاظ سے مفہوم معرفت کو شامل ہے اور ایک لحاظ سے محبت کے معنی ہیں ۔ اس اعتبار سے تشیع کے اعتقادات وافکار کا مجموعہ الٰہی واسلامی عرفان ہے ۔

بنابراین یہ مجموعہ ہے ، باطن محتوائے معرفت و ولایت کے عنوان سے ، اس مخصوص روحانیت کو تشکیل دینے والا ہے جو کہ معرفت کو مستلزم ہے ، یہ ایک دوسرے کے قرین ہیں ۔ اور اسی چیز نے تشیع میں عرفان اسلامی کو نمایاں کیا ہے سب[2] اسلام میں عرفان کے اس خاص مرتبہ کے معنی ہی تشیع کے ہیں ۔ کہ جس کو اسلام ناب محمدی کہا جاتا ہے ۔ اور تشیع کو اسلام میں جو اصلی واساسی حیثیت حاصل ہے وہ تصوف کو ہرگز حاصل نہیں ہے ۔ بلکہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے ، جب اس مفہوم ولایت

---

(۱) تاریخ فلسفۂ اسلامی کاربن ج ۱ ص ۲۵۶ ۔ (۲) ایضاً ج ۱ ۔ ص ۳۳ و ۴۴

بلکہ اسکی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، جب اس مفہوم ولایت کو کہ جس کے ریشے شیعوں کی دل کی گہرائیوں میں اترے ہوئے ہیں اور اس تحریف کو ملاحظہ کریں گے۔ جو کہ اہل تصوف نے ولایت کے مفہوم کی ہے تو معلوم ہو گا کہ تصوف اور صوفیوں کی، ائمہ اور سربرآوردہ شیعوں نے سرزنش کی ہے۔

ابوہاشم پہلا شخص ہے جس کو صوفی

مذہب تصوف کے سربراہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور تصوف کے نمایندگان کے پہلے طبقہ میں وہی لوگ شمار ہوتے ہیں جو کہ دوسری صدی کے اواخر میں، اور تیسری صدی کے اوائل میں گذرے ہیں، اور انہیں کے افکار و خیالات اسلام میں تصوف کی بنیاد قرار پائے ہیں، تصوف کی کتابوں سے یہ بات ہویدا ہے کہ اولین صوفی نہ صرف شیعہ تھے، بلکہ انہوں نے اپنا راستہ بھی ائمہ اہلبیتؑ سے جدا کر لیا تھا، فقہ و اعتقاد میں وہ ائمہ طاہرینؑ کے دشمنوں کے طریقہ پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ برطانیہ کے مستشرق نکلسن نے مشہور صوفی، خواجہ عبداللہ انصاری سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: جن دو ہزار صوفیوں کو میں جانتا ہوں ان میں سے صرف افراد شیعہ تھے۔[1]

یہ کلام شیعوں کے مقابلہ میں، صوفیوں کے موقف کو آشکار کرنے کے علاوہ اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ، شیعوں کو نہ صرف یہ کہ تصوف و صوفیوں سے رغبت نہیں تھی بلکہ ان پر اعتماد بھی نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ تصوف کے سربراہوں کا تشیع سے مقابلہ ملاحظہ کرتے تھے۔ کہ انہوں نے رسولؐ کے جانشینوں پر کس

(۱) ترجمہ تصوف و تشیع از علامہ ہاشم معروف الحسنی ص ۱۱۳ - ۱۱۴۔

طرح غیر کو ترجیح دی ہے۔

سنہ ۱۶۱ھ میں سفیان ثوری سب سے بڑے صوفی تھے، یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے لباس پر اعتراض کیا تھا، اور یہی شخص جعلی حدیث کو آپؑ کی طرف منسوب کرتا تھا، ہمیشہ ائمہ اہلبیتؑ اور ان کے مذہب کا مخالف رہا ہے۔[1]

صوفیوں کے شیخ الطائفہ جنید بغدادی کہ تصوف کے تمام فرقے اپنے فرقوں کو ان ہی سے منسوب کرتے ہیں، سفیان ثوری کے مذہب پر تھے اور ان کے شاگرد تھے۔[2]

سنہ ۲۷۱ھ کے مشہور صوفی حمدون قصار ملامتیان کے پیشوا سفیان ثوری کے مذہب کے پیرو تھے۔[3]

سنہ ۲۴۵ھ کے مشہور صوفی ذوالنون مصری مالک بن انس، اس کے شاگرد اور ان ہی کے مذہب پر تھے۔[4]

سنہ ۱۶۵ھ میں بڑے صوفی داؤد طائی، کہ جن کا فرقہ معروفیہ کے شجرہ میں نام لیا جاتا ہے، ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔[5]

ابو یزید بسطامی افسوس کہ جنہیں سلطان العارفین کہا جاتا ہے، حنفی المذہب تھے۔[6] ایسے ہی سنہ ۴۲۶ھ میں صوفی ابو اسحاق ابراہیم ابن شہریار کازرونی، کہ جن کا فرقہ اویسیہ کے شجرہ میں نام لیا جاتا ہے، حنبلی ہیں۔

---

(۱) تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۶ - ۳۸ ۔ (۲) نفحات الانس ص ۸۰ ۔ (۳) نفحات الانس ص ۶۰ (۴) ایضاً ص ۴۱ ۔ (۵) ایضاً ص ۴۱ ۔ (۶) ایضاً ص ۵۶

اور اور ان صوفیوں میں شمار ہوتے ہیں جو خدا کو مجسم مانتے ہیں ب[1]
۵۶۱ ھ میں شہرت یافتہ عبدالقادر جیلانی اہل تشیع کے سخت مخالف تھے[2]، ۱۷۴ ھ کے مشہور صوفی شقیق بلخی ہیں[2] کہ جنہیں امام موسیٰ کاظمؑ سے وابستہ کہا جاتا ہے، بقول عبدالرحمٰن جامی مجتہد تھے، اور ابو حنیفہ کی مجلس میں شرکت کرتے تھے ب[3] اسی طرح شیخ صالح بربری، عبداللہ یافعی اور شاہ نعمت اللہ ولی وغیرہ ان لوگوں میں سے تھے، جو یہ نہ کہ شیعہ نہیں تھے، بلکہ اہل بیتؑ عصمت وطہارت کے مخالفوں کے مذہب تھے، یعنی سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے والوں کی طرف راغب تھے، کہ حکم خدا کے نزول کی جگہ، غدیر خم، اور رسولؐ و علی مرتضیٰؑ، اور شیعہ ائمہ سے روگرداں تھے۔ اگرچہ پہلے زمانہ کے صوفیوں کے اکثر آثار میں آل رسولؐ و اولاد علیؑ کی تجلیل ملتی ہے، لیکن فقہ میں جو کہ ایک مسلمان کے عمل کو معین کرتی ہے، ان کی راہ آل رسولؐ سے جدا تھی، اور غیر شیعہ مذہب کے پیرو تھے۔ اور امامت کے بغیر ولایت کی منصوبہ بندی وہی سقیفہ بنی ساعدہ فکری اور کعب الاحبار یہودی کی آرزو ہے، جسے صوفیوں نے قبول کیا ہے، جبکہ اسلام، روح تشیع، یعنی اسلام ناب محمدی کی اساس ائمہ معصومینؑ، کی ولایت وامامت کا اعتقاد ہے۔ اور عرفاء ہمیشہ سرکاری تصوف سے ستیزہ کار رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی تند ترین عرفانی مسالک اختیار کئے، اور سرکاری صوفیوں میں ہرگز کوئی ان کے مشابہ نہ ہو سکا ب[4]

---

(۱)، تصوف در یکصد پرسش و پاسخ ص ۱۱۰ - (۲)، سفینۃ البحار ج ۲ ص ۱۹۷ - (۳)، بحوث فی الملل والنحل ج ۴ ص ۵۲۶ (۴)، نفحات الانس ص ۴۹ - (۵)،

جو تصوف امامت کے بغیر ولایت کا قائل ہے وہ مخالف ہے، اور عرفاء اس بات پر تیار نہیں ہے کہ امامت کے دیرینہ مخالف کے لئے ولایت کا راستہ کھل جائے۔

تشیع اور تصوف کا پیوند اسلام میں تصوف کو داخل ہوئے جتنا زیادہ زمانہ گذرتا جاتا تھا، اور اولین صوفی حضرات خود ساختہ نئے مسلکوں میں زیادہ ترقی نہیں کر سکتے تھے لہذا ان سے غیر شیعی افکار و اعمال دیکھنے میں آنے لگے تھے، اور اس طرح تصوف اور تشیع کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ ہو گیا تھا عارف، صوفی سے جدا ہو گیا، اور اولین صوفی حضرات، عرفاء تشیع سے کہ جس کا سرمایہ تصوف کے سرمایہ کے برخلاف تھا جدا ہو گیا، اور امامت و ولایت کی معرفت والی دعاؤں جیسے دعائے شعبانیہ، کمیل، ابو حمزہ ثمالی، صباح اور دعائے عرفہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ولایت کو امامت سے جدا کرنے کا پروپگنڈہ کرتے رہے۔

اسی مرور زمانہ میں آٹھویں صدی میں خواجہ نصیر الدین طوسی، اور انکے شاگرد کمال الدین میثم بحرانی، اور علامہ حلی نے فلسفہ و کلام اور عرفان سے تقرب کیلئے ایک علمی تحریک کا آغاز کیا۔

بحرانی کی شرح نہج البلاغہ اس کا ثبوت ہے کہ انہوں نے تشیع و تصوف اور حکمت کو مخلوط کرنے کی پوری کوشش کی ہے، اور ان کے بعد افضل الدین کاشانی حکیمی اشراقی شیعی صوفی تشیع و تصوف کامل مصطفیٰ الشیبی ص ۹۷ و ۹۸

اور حیدر آملی نے اپنی تحریروں میں، تصوف اور تشیع کی وحدت کے اثبات، اور اس مفہوم کو باور کرانے کی پوری کوشش کی ہے۔ کہ عقیدۂ شیعی وصوفی دو نام ضرور ہیں لیکن مفہوم ایک ہی ہے[1] اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی سعی کی ہے یہاں تک کہ عصر حاضر میں "مصطفےٰ کامل شیبی نے، الفکر الشیعی والنزعات الصوفیہ، اور الصلۃ بین التصوف والتشیع، تدوین کی، دونوں کے فارسی ترجمے ہو چکے ہیں۔ پہلا تشیع وتصوف کے نام سے ہوا ہے، مولف نے بزعم خود اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ اور تشیع وتصوف کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے، درآنحالیکہ عظیم شیعی دانشور وعالم فقیہ ہاشم، معروف الحسن نے تقریب بین التشیع والتصوف کے سلسلہ میں لکھی جانے والی تمام چیزوں کو، جو کہ ان کی تحقیقات کا نتیجہ ہے "بین التصوف والتشیع" کے نام سے یکجا کر دیا ہے، اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصہ میں تشیع کے وجود میں آنے اور اس کے اصول وسیر حوادث سے بحث کی ہے، اور دوسرے حصہ میں تاریخ تصوف کی وضاحت، اور بعض جگہوں پر ڈاکٹر شیبی وغیرہ کی باتوں کے جوابات دیئے ہیں، اس کتاب کا ترجمہ سید محمد عارف نے کیا اور اسے زیور طبع سے آراستہ کیا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس عظیم تحقیق کے ساتھ صوفیوں کے ان اعتقادات میں سے کچھ سپرد قلم کر دیں، جو کہ تشیع کے منافی ومغائر ہیں۔

---

(۱) تشیع وتصوف کامل مصطفےٰ الشیبی ص ۹۷ و ۹۸۔ (۲) جامع الاسرار ومنبع الانوار ص ۳۔

مرتبۂ خاتم الاولیاء

صوفیوں نے امامت کے بغیر ولایت کا نظریہ پیش کر کے امامت کا دعویٰ کرنے کے لئے بلکہ یہ کہا جائے کہ مہدویت نوعیہ یا امامت قمریہ کے دعوے کے لئے زمین ہموار کی، جبکہ یہ عقیدہ سیرت شیعہ کے خلاف تھا۔ شیعوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ معصوم کے علاوہ کوئی بھی معصوم کا ہم پلہ و عدیل نہیں ہو سکتا، اور صوفیوں کا عمل بالکل اس کے برعکس ہے، وہ خود کو امام اور ولی سمجھتے ہیں، اور اس طرح انہوں نے اس خاص الخاص حریم کو توڑ دیا ہے جو کہ آئمہ معصومینؑ سے مخصوص تھا۔

محی الدین عربی المعروف بہ شیخ اکبر، اولیاء محمدیہ میں خود کو سب سے بڑا ولی سمجھتے ہیں۔ اور اپنے کو ختم الولایۃ المحمدیہ، یا خاتم الولایۃ المحمدیہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ اپنی کتاب فصوص اور فتوحات میں لکھتے ہیں۔ ولایت مجھ پر ختم ہو گئی نیز کہا: تمام اولیاء خاتم الاولیاء کے مشکوٰۃ سے علم کا اقتباس کرتے ہیں اور خاتم انبیاءؐ خاتم الاولیاء کے مشکوٰۃ سے استفادہ کرتے ہیں۔[1]

---

(۱) فتوحات مکیہ جزاول ص ۳۱۹ تصحیح عثمان یحییٰ۔

صوفیوں کی نظر میں اولیاء کے طبقات

شیعوں کے برخلاف جس طرح صوفی امامت کے بغیر ولایت کے قائل ہیں اسی طرح ولی کے بھی بطور خاص قائل ہیں۔ کہتے ہیں نبی علم وحی کا حامل ہوتا ہے، اور ولی کو علم سر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفیوں کے ولی کو تمام چیزوں کے بھید کا علم ہوتا ہے اور معاذ اللہ ـــ نبی کو قطعی اس کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ صوفیوں کی نظر میں "نبی" اور "ولی" میں اتنا ہی فرق ہے جتنا خضرؑ و موسیٰؑ کے درمیان ہے، اور چونکہ خضرؑ ولی اور موسیٰؑ نبی تھے، لہذا خضرؑ کو علم لدنی تھا، اور موسیٰؑ اس سے بے بہرہ تھے۔

صوفیوں کے عقیدہ کے مطابق ایسے اولیاء ہر زمانہ میں ۳۵۶ ہوتے ہیں، اور جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے۔ لیکن ان اولیاء کے درمیان بھی مراتب و طبقات ہیں، تین سو تن، چالیس تن، ہفت تن، پنج تن، تین تن، یک تن، ان میں سے ایک تن قطب ہوتا ہے، صوفیوں کے عقیدہ کے مطابق عالم اس کے وجود کا طواف کرتا ہے۔ وہ عالم کا قطب۔ کیلی۔ ہے[1] جبکہ ہم شیعوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت حجۃ ابن الحسن العسکریؑ قطب عالم ہیں اور ہر امام اپنے زمانہ کا قطب عالم رہا ہے۔

۱۔ انسان کامل نسفی ص ۳۱۷۔

صوفیوں کے خیال میں وہ لوگ اولیاء خدا ہیں جو کہ مقام قدس پر فائز اور خدا سے نزدیک ہیں اور خدا سے ان کے قربت کی علامت یہ ہے کہ وہ خارق العادات فعل انجام دینے کی طاقت رکھتے ہیں اور " الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون " کا مصداق ہوتے ہیں. صوفیوں کی کتابوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ولی " خدا سے قریبی ارتباط کے نتیجہ میں اس مقام پر پہونچ جاتا ہے کہ جہاں اس کے اور غیب کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا ہے اور وہ غیب کی خبر دینے لگتا ہے گویا مقام نبوت تک پہونچ جاتا ہے۔[1]

صوفی ان صفات وتشخصات کو اپنے سرداروں سے مخصوص کرتے ہیں۔ جبکہ شیعہ انہیں اسلام ناب محمدی کے کامل کرنے والوں سے مخصوص جانتے ہیں۔ محی الدین عربی: شافعی کو اوتاد اور ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، عمر بن عبد العزیز اور متوکل کو اولیاء کے طبقات میں شمار کرتے ہیں۔[2] اس لحاظ سے اگر محی الدین اس زمانہ میں ہوتے تو بہت سے شقی لوگ اولیاء کے زمرہ میں آجاتے ۔

کشف وشہود

حیات رسالتمآب میں صحابہ میں سے کچھ مسلمان حضرت علیؑ سے لگاؤ رکھتے تھے اور رسول خداؐ انہیں شیعہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ رسولؐ کی وفات کے بعد بھی، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد اسود کندی اور عمار یاسر حضرت علیؑ کے وفادار رہے آپ ہی کو حکم خدا اور رسولؐ سے واجب الاطاعت

---

(۱) فتوحات مکیہ جز ثانی ص (۲) شیعوں کے دشمن انہیں رافضی، روافض، (بقیہ صفحہ آیندہ پر)

سمجھتے تھے اور اس بات کے معتقد تھے کہ علیؑ کی مخالفت خدا اور رسولؐ کی مخالفت ہے۔

ان عظیم شخصیتوں کو محی الدین عربی ۔ نعوذ باللہ ۔ خوک کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں: فرقۂ شافعیہ کے دو عادل مرد کہ جنہیں ایک شخص رافضی کہتا تھا، انہیں اولیاء کے ایک مرشد نے دیکھا، میں نے اس ولی کو دیکھا، مجھے اس سے محبت تھی، اس نے دو اشخاص سے کہا: کہ میں تمہیں خوک کی صورت میں دیکھ رہا ہوں اور رافضیوں[1] کی یہ علامت مجھ سے اور خدا سے مختص ہے کہ جس نے مجھے رافضیوں کو اس حالت میں دکھایا ہے[2]

ایسی کھلم کھلا جسارت کے باوجود جو کہ صوفی کشف و شہود کے عنوان سے کرتے رہے چلے آرہے ہیں، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ تصوف ہی تشیع ہے؟!

حضرت ابوطالب کی طرف کفر کی نسبت

تصوف کے تشیع نہ ہونے کی دوسری علامت رسول خداؐ کے عم بزرگوار اور حضرت علیؑ کے پدر بزرگوار حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب کے ایمان و کفر کا مسئلہ ہے یہ چیزیں ہمیں صوفیوں کے اکثر آثار میں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہیں۔

---

(۱) شیعوں کے دشمن انہیں رافضی، روافض یا رافضیہ کہتے ہیں۔ ان کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ شیعوں نے ابوبکر، عمر، عثمان کی امامت کا انکار کر دیا تھا۔ مقالات الاسلامیین ص ۱۶۰ (۲)، فتوحات مکیہ جزو دوم ص ۸

چنانچہ اندلس کے مشہور صوفی محی الدین عربی مرحوم اپنی کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں: ابوطالب کافر تھے۔ اور صوفیوں کے نمایاں رجال شناس عبدالرحمان جامی نے اس سلسلہ میں کہا ہے۔[1]

نسبت جان و دل چو باشد سست | نسبت آب و گل چہ سود درست
بود بوطالب آن تہی ز طلب | نبی را عم و علیؑ را اب
خویش نزدیک بود با ایشان | نسبت دین نیافت با خویشان
ہیچ سود نہ داشت آن نسبتش | شد مقر در سقر چو بولہبش

اگر جان و دل کی نسبت کمزور ہو تو آب و گل کی نسبت سے کیا فائدہ

ابوطالب اس سے تہی دامن تھے تو نبیؐ کے چچا اور علیؑ کے والد ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ان سے رشتہ کے لحاظ سے نزدیک تھے مگر دینی اعتبار سے کوئی نسبت نہ تھی۔ ان کا نسب انہیں کوئی فائدہ نہ پہونچا سکا،، ابولہب کی مانند ان کا ٹھکانہ بھی جہنم بنا۔

تمام شیعہ اور اہل سنت میں سے بڑے علماء کی ایک جماعت حضرت ابوطالبؑ کو مومن و مسلمان سمجھتی ہے۔ البتہ یہ مسئلہ حضرت علیؑ سے دشمنی کی وجہ سے حساس ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس نے تاریخی بحث سے ہٹ کر کلامی، عقیدتی اور سیاسی صورت اختیار کرلی ہے۔ لیکن اہل سنت کے بڑے عالم امام مسجد الحرام۔ احمد بن زینی دحلان نے اثبات ایمان ابوطالب پر ایک محققانہ

---

[1] ہفت رنگ جامی ص ۱۵۱

کتاب "اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب"، تالیف کی ہے۔ ایران میں جس کا ترجمہ آیۃ اللہ حاج سید ابراہیم میلانی نے "ابوطالب چہرۂ درخشان قریش" کے نام سے کیا ہے۔

مذکورہ کتاب کے علاوہ ایمان ابوطالبؑ کی سند ان کے وہ بہترین اشعار ہیں جو کہ اسلام اور رسولؐ کی حمایت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ آپ کے مومن و موقن ہونے کا بہترین ثبوت ہیں۔ جو کہ صوفیوں اور بعض اہل سنت کے معاندانہ نظریہ پر خط بطلان کھینچتے ہیں۔

اگر صوفی حضرات تہ دل سے امیرالمومنین علیہ السلام کو اپنے مسلک کی پہلی کڑی سمجھتے ہیں تو پھر آپ کے والد محترم کی طرف کفر کی نسبت دینے کی کیسے جرأت ہوئی؟

اے کاش! صوفی حضرات تاریخ سے واقف ہوتے اسکا مطالعہ کرتے۔ حضرت رسول خدا اور ام المومنین حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے مراسم عقد کے وقت ابوطالبؑ نے جو ایجاب کے عنوان سے خطبہ پڑھا تھا اس کی تحقیق کرتے اور یہ سمجھتے کہ انہوں نے خطبۂ عقد پڑھنے سے قبل کسطرح حق تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دی ہے۔

اے کاش! صوفی حضرات سماع، شطح اور طامات کہنے، کشف و شہود سے بحث کرنے اور باطنی سیر و سیاحت کے عنوان سے اپنے خیالات کو ادھر ادھر پراگندہ کرنے کے بجائے وہ تاریخ کا مطالعہ کرتے اور اس بات کا سراغ لگاتے کہ حضرت ابوطالب کے انتقال کر جانے پر رسولؐ نے

ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور چالیس تکبیریں کہیں۔ کیا رسولؐ کسی کافر کی ایسی نماز پڑھا سکتے اور ایسی تعظیم و تکریم کر سکتے ہیں خواہ وہ ابوطالبؑ ہی کیوں نہ ہوں؟

ابوطالبؑ کو کافر قرار دیتے وقت شاید صوفیوں اور اہل سنت کی توجہ اس بات پر نہیں تھی کہ وہ یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ رسولؐ نے ایک کافر کے جنازہ پر کیوں نماز پڑھی ہے؟

اس سے اہم بات تو یہ ہے کہ جب علی بن الحسینؑ نے یہ سنا کہ بعض بزدل آپؑ کے جد پر کفر و لادینی کی تہمت لگاتے ہیں، تو فرمایا: مسلمان عورت کافر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی جبکہ حضرت فاطمہ بنت اسد وہ ہیں کہ جنہوں نے رسولؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی تھی اور آخری وقت تک حضرت ابوطالبؑ کی زوجیت میں رہیں۔[1]

ابوطالبؑ اپنے بلیغ اشعار میں فرماتے ہیں: شریف و سمجھ دار لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ محمدؐ عیسیٰؑ و موسیٰؑ کی طرح پیغمبر ہیں۔ جو آسمانی نور ان دونوں کے پاس تھا وہ ان کے پاس ہے۔ سارے انبیاءؑ حکم خدا سے لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور انہیں گناہوں سے باز رکھتے ہیں۔ لیعلم خیار الناس ان محمداً الخ[2]

اے قریش کے سردارو! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس پر قابو پا لو گے!

---

(۱) اسنی المطالب فی نجات ابوطالب تالیف احمد بن زینی دحلان۔ (۲) مجمع البیان ج ۷، الحجۃ، ۵ مستدرک حاکم ج ۲۔

تمہارے دل کی یہ آرزو ایسی ہی ہے جیسے پراگندہ خواب۔ وہ پیغمبرؐ ہیں ان پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ پشیمان ہو گا۔۔۔۔

تمنیتم ان تقتلوا و انما[1]

اے قریش کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کو موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرح پیغمبرؐ سمجھتے ہیں۔ ان کا نام و نشان آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اور خدا کے بندوں کو ان سے خاص محبت ہے انکی محبت خدا نے لوگوں کے دلوں میں ڈالدی ہے اس پر حسد اور افسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ الم تعلموا ان وجدنا محمداً ۔[2]

بھتیجے! قریش تمہارا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور میں اپنی آخری سانس تک تمہاری مدد کرتا رہوں گا، جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے ظاہر کرو کسی سے نہ ڈرو! بشارت دو اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو،، تم نے مجھے اپنے آئین کی دعوت دی، میں جانتا ہوں تم مجھے نصیحت کرنے والے ہو اور اپنی دعوت میں امین و صحیح ہو خدا کی قسم محمدؐ کا دین بہترین دین ہے۔ واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم ۔[3]

قرآن پر ابوطالبؑ کا ایمان تعجب آور حیرت انگیز ہے جو کہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی مانند پیغمبرؐ پر نازل ہوا ہے،، او تومنوا بکتاب منزل عجب ۔[4]

---

(۱) سیرت ابن ہشام : ۲۷۳۔ (۲) ایضاً (۳) تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۴۲

(۴) شرح ابن ابی الحدید ج ۱۴ ص ۷۲

پھر صوفی حضرات یہ دعویٰ کیسے کرتے ہیں کہ "تصوف ہی تشیع ہے" کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ شیعوں کے دشمنوں کے ہمنوا و شریک کار ہیں۔؟

سفینۂ نوحؑ اور صوفی

اسلامی احادیث کی کتب میں رسولؐ سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے جو کہ اہل بیتؑ کی عصمت و طہارت اور ان کی عظمت و بلندی پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ہے: مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بھا نجیٰ ومن تخلف عنھا غرق [1] رسولؐ نے اس حدیث میں اپنے اہل بیتؑ کو نوحؑ کی کشتی سے تشبیہ دی ہے کہ جس نے اس سے تمسک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے دوری اختیار کی وہ غرق ہوا۔ اس حدیث کو شافعی نظم میں لائے ہیں۔

لما رایت الناس قد ذھبت بھم — مذاھبھم فی البحر الغی والجھل
رکبت علی اسم اللہ فی سفن النجا — ھم اھل بیت المصطفیٰ خاتم الرسل
وامسکت حبل اللہ وھو ولائھم — کما قد امرنا بالتمسک بالحبل

ترجمہ: جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کو ان کے مذاہب گمراہی کے دریا میں لے گئے ہیں، تو میں کشتیٔ نجات، جو کہ خاتم الانبیاءؐ کے اہل بیتؑ ہیں، سے متمسک ہو گیا۔

---

(۱) الغدیر کی ج ۲۔ ص ۳۰۱ پر اس حدیث کی اسناد شیعہ و سنی دونوں طریق سے نقل ہوئی ہیں۔

اور اللہ کی رسی کو، جو کہ ان کی محبت ہے، تھام لیا، جیسا کہ ہمیں اس سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے۔[1]

مولوی جلال الدین رومی نے رسولؐ کے کلام میں تصرف کر کے اس طرح کہا ہے:

بہر این فرمود پیغمبرؐ کہ من
ہمچو کشتیم بہ طوفان زمن
ما و اصحابیم چون کشتی نوحؑ
ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح

رسولؐ کا فرمان ہے کہ ہماری مثال زمانہ کے طوفانوں میں کشتی کی سی ہے ہم اور ہمارے اصحاب ایسے ہی ہیں، جیسے نوحؑ کی کشتی جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کس طرح اہل بیتؑ کی جگہ اصحاب کا لفظ رکھدیا ہے۔

امام حسینؑ کی عزاداری اور صوفی

واقعہ کربلا بے نظیر حادثہ ہے اس سلسلہ میں صرف اہل سنت اور شیعوں ہی نے ہزاروں کتابیں نہیں لکھی ہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی کربلا کے خونیں واقعہ پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ اور اس واقعہ کو بہت اہم قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ دوسری امتوں کے لوگوں نے بھی اپنی مشکلوں میں شہدائے کربلاؑ کی طرف دست نیاز بلند کئے اور اپنی مرادوں کو پایا ہے۔[2] فاطمہؑ و علیؑ کے لال حضرت سید الشہداءؑ کے ماتم و عزاداری کے متعلق حضرت رسول خداؐ

---

۱) شقہ الصاوی ص ۲۴ ۲) اسرار عاشورہ ص ۱۵۵ اور اس سے آگے۔

اور ائمہ معصومینؑ سے معتدبہ روایت وارد ہوئی ہیں کہ روز عاشورہ ائمہ اور ان کے شیعوں کے لئے حزن و مصیبت کا دن ہے۔ امام رضاؑ نے ابن شبیب سے فرمایا تھا کہ اگر تم ہمارے ساتھ جنت میں رہنا چاہتے ہو، تو ہمارے غم میں غم، اور ہماری مسرت میں مسرت مناؤ۔[1] اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ، روز عاشورہ محزون و مغموم ہونا چاہیے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، جو شخص ہماری مصیبت یاد کر کے روتا ہے اور لوگوں کو رلاتا ہے وہ روز قیامت ہمارے ساتھ ہوگا۔ جو شخص ہماری مصیبت یاد کر کے روتا ہے اس کی آنکھیں اس دن نہیں روئیں گی جس روز سب آنکھیں گریہ کریں گی۔ اور جو شخص مجلس میں بیٹھ کر جاگے گا اور ہمارے دین کو زندہ کرے گا اس کا دل اس روز نہیں مرے گا جس دن دل مردہ ہو جائیں گے۔[2]

ابو عمار کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا ہے: اے ابو عمار میرے سامنے امام حسینؑ کے مصائب سے متعلق اشعار پڑھو! میں نے پڑھے تو امامؑ نے گریہ کیا۔[3]

اسی لئے بزرگان دین نے فرمایا ہے: روز عاشورہ دنیوی امور کو انجام نہ دو۔ اور اپنے گھر کے لئے ذخیرہ نہ کرو بلکہ آہ و بکا اور گریہ و نوحہ خوانی اور امام حسینؑ کی عزاداری میں مشغول رہو۔ اور سب اس طرح ماتم میں مشغول رہو جس طرح اپنے عزیز ترین کا غم مناتے ہو۔[4] (حوالہ دوسرے صفحہ پر)

---

(1) وسائل الشیعہ ج ۱۰ ص ۳۹۴ حدیث ۵۔ (2) امالی صدوق ص ۴۵۔ و عیون الاخبار ص ۲۹۴ (3) ثواب الاعمال ص ۴۷۔ کامل الزیارات ص ۱۰۵، وسائل الشیعہ ج ۱۰ ص ۴۴۵ و ۴۴۶۔

ان تمام چیزوں کے باوجود مشہور اور چوٹی کے صوفی عبد القادر جیلانی عاشورہ کو صرف عزا و مصیبت کا دن ہی نہیں قرار دیتے بلکہ جشن و مسرت اور رقص و سرود کا دن قرار دیتے ہیں کہتے ہیں: روز عاشورہ ہرگز مصیبت و غم کا دن نہیں ہے، جشن و مسرت کا روز ہے۔ لوگوں پر واجب ہے وہ اپنے اہل کو ہدیئے دیں انہیں سیر و تفریح کرائیں اور مسرور کریں[1]

جبکہ زیارت عاشورہ میں، جو کہ، بلا تردید حدیث قدسی کا حکم رکھتی ہے، یہ وارد ہوا ہے: وھٰذا یوم فَرِحَتْ بہ آلُ زیاد و آلُ مروان بقتلھم الحسین صلوات اللہ علیہ: یعنی اس دن خاندان زیاد اور خاندان مروان امام حسینؑ کو قتل کر کے خوش ہوا۔

یہ تھے تصوف میں غیر شیعی چند نمونے۔ وہ فرقہ جس کے پاس خانقاہ اور شیخ خانقاہ ہے۔ اور جو اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ اپنے آداب و سنن کو اسلامی قوانین کیساتھ اسلامی ممالک اور شیعہ نشین علاقوں میں شیعہ تہذیب سے مطابقت کرتا ہے۔

ائمہ معصومینؑ کا ردعمل

شیعوں کے ائمہ نے نیرنگ بازوں اور ملحدوں کے مقابلہ میں سکوت نہیں اختیار کیا ہے بلکہ مختلف موقعوں پر جس چیز کا اقتضاء دیکھا ویسا ہی اقدام کیا۔ لوگوں کو گمراہ کرنے

---

(۱) الغنیہ لطالبی طریق الحق فی الاخلاق والتصوف والآداب الاسلامیہ ج ۲. ص ۵۶ و ۵۶۔

اور اپنے اصحاب و پیرو کاروں کو ان کی نیرنگیوں سے ہشیار کیا۔ لوگوں کو گمراہ کرنے والی فریب کاری، نیرنگ بازی سے پردہ اٹھایا ہے بلکہ بعض مرتبہ حاضرین سے یہ تقاضہ کیا کہ غائبین کو یہ خبر پہونچا دو کہ فلاں شخص جھوٹا ہے۔ جیسا کہ اسحاق بن عمار کے سلسلہ میں یہ حکم دیا تھا[1]

کبھی امت اسلامی کو فتنہ اٹھنے کی خبر دیتے تھے اور اطراف و اکناف میں خطوط بھیجکر کسی کافر کے کفر اور شعبدہ بازی سے پردہ اٹھاتے تھے جیسا کہ حضرت امام صادقؑ نے مغیرہ بن سعید کی فریب کاری و شعبدہ بازی کے بارے میں اہل کوفہ اور دوسرے مقامات کے باشندوں کو خط لکھے اور اس کے کفر کو آشکار کیا ہے[2]

اور جب کسی کے بارے میں یہ اطلاع ملتی کہ وہ آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے، اور اہل بیتؑ سے محبت کی آڑ میں اپنے ملحدانہ افکار کی اشاعت کرتا ہے تو آپ اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے تھے جیسا کہ ابو منصور عجلی امام محمد باقرؑ سے دوستی و محبت کے پرچم کے نیچے لوگوں کو الحاد و زندقہ کی دعوت دیتا تھا۔ لہٰذا امامؑ نے اس سے بیزاری اختیار کی اور اس پر لعنت فرمائی۔ اور اہل کوفہ کو پیغام بھیجا کہ اس سے اور اس کے پیرو کاروں سے بچو۔

---

(۱) تہذیب المقال فی تنقیح الرجال ج ۲ ص ۲ اور اس سے آگے (۲) کتاب رجال ابن داؤد ص ۲۷۹۔

اسی طرح جب ابن حسکہ نے امام علی نقیؑ کی طرف اپنی نسبت دی تو آپؑ نے فرمایا: خدا ابن حسکہ پر لعنت کرے اس نے جھوٹ کہا ہے۔ میں اسے اپنا اتباع کرنے والوں میں دوستوں کے زمرہ سے خارج سمجھتا ہوں[1] دوسری جگہ مسلمانوں کو خط لکھ کر ابن بابا و قاسم بن حاتم نمیری سے ہوشیار کیا ہے اور فرمایا: خدا ان پر لعنت کرے کہ وہ ہمارے نام پر فتنہ انگیزی کرتے اور لوگوں کا مال لوٹتے ہیں۔ خدا ان سے سمجھے۔ اور انہیں فتنہ میں نابود کرے۔[2]

یا حضرت امام مہدی حجۃ ابن الحسن نے عراق میں اپنے شیعوں کو ایک توقیع کے ضمن میں احمد بن ہلال کرخی سے آگاہ کیا ہے: اور فرمایا ہے: اس ریاکار صوفی سے ہوشیار رہو، خدا اس کے گناہوں کو معاف نہ کرے۔ اور اس کی لغزشوں سے درگذر نہ کرے میں بارگاہ خداوند متعال میں اس سے اور ہر اس شخص سے برأت کرتا ہوں جو کہ اس سے بیزاری اختیار نہ کرے۔[3]

گذشتہ مثالوں سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ائمہ معصومینؑ نے ہر منحرف اور دین سے کھلواڑ کرنے والوں سے مقابلہ کیا ہے۔ تاکہ کفر و زندقہ کی طرف بلانے والے شعبدہ بازوں کی تبلیغ جڑ پکڑنے سے پہلے ہی ناکام ہو

---

(۱) رجال کشی ص ۵۱۶ - (۲) ایضاً ص ۵۲ و ۵۲۲ - (۳) رجال کشی ص ۵۲۵ و ۵۳۶ -

ہوجائے اور آنے والی نسلوں کے لئے ان کا منفور و ناپسند افسانہ رہ جائے
اسلام میں صوفیوں کی پیدائش ہی کے زمانہ سے امت اسلامی ائمۂ طاہرین سے
رجوع کرتی تھی کہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہمارا کیا فرض ہے بشیعہ ائمہ بھی اسلامی معاشرہ
کے افکار عمومی کو روشن کرتے اور فرماتے۔

پہلی حدیث

احمد بن محمد بزنطی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے عرض کیا۔ اس زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں لوگ صوفی کہتے ہیں۔ ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: صوفی ہمارے دشمن ہیں۔ پھر جو شخص بھی انکی طرف مائل ہوگا وہ انہیں میں سے ہے۔ اور انہیں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا[1]

دوسری حدیث

امام فرماتے ہیں: جس شخص کے سامنے صوفیوں کا ذکر ہو اور وہ دل وزبان سے ان کی تردید نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے جو شخص صوفیوں کا انکار کرتا ہے گویا اس نے رسولؐ کے ساتھ رہ کر راہ خدا میں کفار سے جہاد کیا۔

تیسری حدیث

شیخ مفید نے حضرت امام علی نقیؑ سے روایت کی ہے کہ محمد بن حسین بن ابی الخطاب کہتے ہیں کہ میں امام علی نقیؑ کے ساتھ مسجد نبوی میں تھا کہ اسی وقت آپ کے اصحاب کی ایک جماعت

---

(۱) سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۸ ۔ حدیقۃ الشیعہ ص ۶۲ ۔ اثنا عشریہ ص ۲۸ ۔

بھی حاضر خدمت ہوئی اس میں با کمال بلیغ ابو ہاشم جعفری بھی موجود تھے امامؑ کی نظروں میں ان کی ایک حیثیت تھی۔ جب یہ لوگ بیٹھ گئے تو صوفیوں کی ایک جماعت داخل مسجد ہوئی اور حلقہ کی صورت بنا کر ذکر و حال میں مشغول ہوگئی۔ امامؑ نے فرمایا: اس جماعت کی اعتنا نہ کرو۔ یہ دھوکہ باز، مکار اور شیطان کے چیلے ہیں۔ اور دین کے قواعد کو خراب کرنے والے ہیں۔ ان کا زہد ابدان کی راحت کے لئے اور ان کا تہجد اور شب بیداری عوام کو شکار کرنے کیلئے ہے۔ ایک زمانہ تک بھوکے رہتے ہیں تاکہ عوام پر گدھے کی طرح آسانی سے بار لاد سکیں، اور ان پر سواری گانٹھ سکیں[1]۔

چوتھی حدیث

حسن سعید نے روایت کی ہے کہ میں نے امام رضاؑ سے صوفیوں کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: کوئی بھی تصوف کا قائل نہیں ہوتا مگر مکر و فریب، جہالت و حماقت کی وجہ سے صوفی بنتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خود سے صوفی بنتا ہے تاکہ صوفیوں کے شر سے امان میں رہے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ ان کے باطل عقاید میں سے کچھ نہ سیکھے[2]۔

مختصر یہ کہ صوفیوں کی رد میں ائمۂ طاہرینؑ سے چالیس حدیثیں نقل ہوئی ہیں جنہیں شہید ثانی (رہ) کے پوتے نے "الاربعون حدیثاً فی رد الصوفیۃ" کے نام سے یکجا کر دیا ہے اس کا قلمی نسخہ مرحوم آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی کے کتب خانہ

---

(۱) سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۷ حدیقۃ الشیعہ ص ۵۶۳ (۲) اثنا عشریہ ص ۳۱ سفینۃ البحار ج ۲، ص ۵۸۔

میں موجود محفوظ ہے جس کا نمبر ۸۷۵۴ ہے۔

ائمہؑ پر صوفیوں کا اعتراض

صوفیوں نے عملی طور پر صرف ایسا راستہ ہی اختیار نہیں کیا ہے جس کی ائمہؑ نے تائید نہیں کی بلکہ بعض مرتبہ زبان سے ایسے کلمات جاری کئے جو ٹھیک شیعوں کے ائمہؑ کے مخالف تھے۔

نمونہ کے طور پر نعمت اللّٰہی ذہبی قادری اور شاذلی سلسلوں کی پہلی کڑی حسن بصری جن کے بارے میں ہم آئندہ تفصیلی طور پر بحث کریں گے۔ کہتے ہیں: میری نظروں میں زیرک ودانا وہ شخص ہے جو دنیا کو خراب وتباہ کرے۔ اور دنیا کی اس خرابی پر آخرت کی تعمیر کرے اور آخرت کو خراب نہ کرے۔ اور اس کی خرابی پر دنیا کی بنیاد نہ رکھے۔[1]

جبکہ رسولؐ کا ارشاد ہے: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو دنیا کی خاطر اپنی آخرت ترک نہ کرے اور اپنی آخرت کے لئے دنیا کو ترک نہ کرے اور دوسروں کا دست نگر نہ ہو۔[2]

کبھی صوفی عملی طور پر اس چیز کی مخالفت کرتے ہیں جو ائمۂ دین سے نقل ہو کر آئی ہے۔ جیسا کہ معروف کرخی نے بغیر کسی شرعی عذر کے اپنا روزہ توڑ دیا۔[3]

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۰ ۔ (۲) وسائل الشیعہ ج ۲ ۔ (۳) فرہنگ دائرۃ المعارف تشیع ج ۴ ص ۴۳۱

یاسفیان ثوری کہ جس نے امام صادقؑ کے لباس پر اعتراض کیا تھا جو حدیث گڑھا کرتا تھا، جو محب اہلبیتؑ نہ تھا[1]۔ جو امام صادقؑ سے مباحثہ کرتا تھا، اور آپ کی قوی منطق کے سامنے ذلیل و خوار ہوا تھا۔ اس نے امام صادقؑ کے پاس نشست و برخاست ترک کی اور آپ سے ہونے والے مباحثہ کا تذکرہ اپنے ہم مسلک صوفیوں سے کیا وہ جمع ہوکر امامؑ سے مناظرہ کے لئے آئے آپ نے ان کی باتوں کا جواب دیا۔ اور فرمایا: اپنی اس غلط روش سے باز آؤ، اسلام کے حقیقی آداب کے زیور سے آراستہ ہو جاؤ اور خدا کے امر و نہی سے تجاوز نہ کرو، خود احکام ایجاد نہ کرو، اور جن مسائل کا تمہیں علم نہیں ہے ان میں دخل اندازی نہ کرو اور علم کو اسکے اہل سے حاصل کرو۔[2]

اس کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صوفیوں نے صدر اسلام میں غلط روش کو اپنی زندگی کا محور بنا لیا تھا۔ اپنے پاس سے کچھ احکام ایجاد کر لیتے تھے۔ اور ان مسائل میں دخل اندازی کرتے تھے جنہیں نہیں جانتے تھے۔ مسائل کا علم نا اہل سے حاصل کرتے تھے ان چیزوں کے بارے میں امام صادقؑ نے انہیں نصیحتیں کی تھیں۔

امام رضاؑ پر صوفیوں کا اعتراض

تعجب ہے کہ صوفی حضرات اپنے خرقہ کا سلسلہ امام رضاؑ تک پہونچاتے ہیں

---

(۱) تنقیح المقال ج ۲ ص ۳۶ و ۳۸۔ سفینۃ البحار ج ۱ ص ۳۱ و ۶۳ (۲) فروع کافی ج ۵ ص ۶۵ نیز تحف العقول ص ۳۴۸ و ۳۵۴۔

اور تصوف کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آپ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

لکھتے ہیں: صوفیوں کا گروہ خراسان میں امام رضاؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور امام برحق پر اعتراض کیا، کہنے لگے: چونکہ امیر المومنین مامون۔ عباسی خلیفۂ وقت نے ولیعہدی کے بارے میں صحیح سوچا اور آپ اہل بیتؑ کو اس کا سزاوار پایا، اور اہل بیتؑ نے بھی ٹھیک طریقہ سے غور کیا آپ کو اس کا سزاوار سمجھا لہٰذا ولیعہدی آپؑ کو تفویض کر دی گئی۔ جبکہ امامت و پیشوائی اس شخص کے لئے زیب دیتی ہے جو بدمزہ کھانا کھاتا ہو، موٹا لباس پہنتا ہو، گدھے پر سواری کرتا ہو، بیماروں کی عیادت کرتا ہو اور تشییع جنازہ میں شرکت کرتا ہو۔

راوی کہتا ہے امامؑ اس وقت تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ کلمات سنکر اٹھ بیٹھے اور فرمایا: یوسفؑ بن یعقوب پیغمبرؑ تھے اس کے باوجود وہ سونے سے مزین دیبا کی قبا، اور زربفت لباس پہنتے تھے اور آلِ فرعون کے تخت پر تشریف فرما ہوتے، زمام حکومت ہاتھ میں لیتے اور امر و نہی کرتے تھے۔ اور جس چیز کی امامؑ سے توقع کی جاتی ہے، وہ دادگستری اور عدل پروری ہے۔ یعنی اسے بات کا سچا، حکومت میں عادل، وعدہ کا پکا اور باعمل ہونا چاہئے۔ خدا نے کسی بھی قسم کے لباس اور کھانے کو حرام نہیں کیا ہے اس کے بعد آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: قل من حرم زینة الله التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق [1]

---

(۱) فصول المہمہ فی معرفۃ الائمہؑ۔

بلخ میں ایک آئینگر

جس وقت صوفیوں کے اعتقادی اور اجتماعی مسائل سے بحث ہوتی ہے تو صوفیوں کے سربراہ ظاہراً وہ اطمینان بخش دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور مخصوص مغلوبانہ طور پر بڑا پُر فریب استدلال کر کے پیش کئے جانے والے مطالب کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے وہ اپنے عقیدت مندوں کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم حاضر و ناظر ہو کہ ہم شریعت محمدؐ و آل محمدؐ پر ہیں۔ دراصل ان صوفیوں کی مذمت کی گئی ہے۔ جو نام کے صوفی ہیں لیکن ان کے دلوں میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی ولایت جاگزیں نہیں ہوتی۔ اور وہ اہل بیتؑ کی محبت کو ایمان کی قبولیت کی شرط نہیں سمجھتے۔[1]

اور کبھی ایسا قطعی اور سخت جواب دیتے ہیں کہ جس سے محقق کو بھی اپنی یقین تحقیق میں شک ہونے لگتا ہے۔ مثلاً ملا سلطان گن آبادی نے اپنی حین حیات یہ دعویٰ کیا تھا: جو کاغذ کفر کی گواہی کے لئے لکھا جاتا ہے اور جن عقائد کی ہماری طرف نسبت دی جاتی ہے اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں بھی اس پر لکھوں کہ جو ان عقائد کا مخالف ہے وہ کافر اور دین سے خارج ہے۔[2]

---

(۱) خورشید تابندہ مولف آقائی علی تابندہ ص ۲۴ (۲) گردش افغانستان و پاکستان ص ۲۴۳۔

البتہ خود موصوف نے گنا آبادی۔ تصوف نعمت اللہی میں ایسے مسائل اپنی طرف سے شامل کر دیئے ہیں کہ جن سے بدعت وکفر کی بو آتی ہے ضرور انکی طرف اشارہ کیا جائیگا۔

دوسرے وہ اپنی رائے کو سند کے عنوان سے پیش کرنے اور خود کو حق بجانب قرار دینے کے بعد کہتے ہیں:

گہنہ کرد در بلخ آہنگری — بہ شوشتر زند گردن مسگری

ہمارے تصوف کی بنیاد آج تشیع پر ہے لہذا ائمہ دین کے مذکورہ کلمات کا ہم سے ربط نہیں ہے۔

مذکورہ دونوں کلام کا ظاہر بہت دل نشین اور قانع کرنے والا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ کے تمام صوفیوں کے خرقہ کا سلسلہ اسی شخص تک پہونچتا ہے کہ جس نے ائمہؑ کا مقابلہ کیا۔ اور ائمہؑ سے اپنی راہ الگ اختیار کی۔

ان چیزوں کی طرف اشارہ کہ جو ٹھیک قرآن کی صریح نص کے خلاف ہیں؛

یقیناً اس شخص پر اتمام حجت کرتا ہے کہ جس کے دل میں کھوٹ نہیں ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ نہیں پڑا ہوا ہے۔ اب وہ چاہے نصیحت حاصل کرے یا باطل پر باقی رہے۔

اب ہم امام جعفر صادقؑ کے قول سے استناد کرتے ہیں۔ ارشاد ہے: صوفی ہمارے دشمن ہیں پھر جو، ان کی طرف مائل ہوگا وہ ان ہی میں سے ہے اور ان ہی کیساتھ اسکا حشر ہوگا۔

عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ہماری محبت کا دم بھریں گے اور ان کی طرف بھی مائل ہوں گے اور ان کے مشابہ ہوں گے اور ان کا لقب اختیار کریں گے، ان کے کلام کی تاویل و توجیہہ کریں گے۔ یاد رہے! جو شخص ان سے تمائل رکھے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ہم اس سے بیزار ہیں۔ اور جو شخص ان کی تردید کرے گا وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے رسولؐ کے ہمرکاب ہو کر کفار سے جہاد کیا ہے۔[1]

یہ کلام رہتی دنیا تک ہر زمانہ میں قابل استدلال رہے گا۔

صادق آل محمدؑ کی حدیث سے ہمارے مدعا پر بہترین دلیل ہے جو قیامت تک صوفیوں کی ایک جماعت یا غیر اہل تصوف کے شامل حال رہے گی۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ عنقریب ایک گروہ پیدا ہو گا جو ہماری محبت کا دعویٰ کریں گے۔ یہ جملہ اس وقت فرمایا: جب صدر کلام میں صوفیوں کی طرف اشارہ کر چکے تھے۔ یعنی عنقریب ان صوفیوں میں سے ایک گروہ پیدا ہو گا جو ہماری محبت کا دعویٰ کریں گے۔ چنانچہ آج صوفیوں کے فرقوں کے سرداروں کے نوشتہ جات میں ہمیں واضح طور پر ایسی چیز ملتی ہے جس میں وہ خود کو محب اہل بیتؑ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام صادقؑ کے اسی کلام میں ہے کہ جو ان کی طرف تمائل رکھے گا

وہ انہیں میں سے ہے،،

---

(۱) سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۷۔

اس سے بڑھکر اور کیا تمائل ہوگا کہ ہمارے زمانہ کے صوفی حضرات کی محفل میں ان تمام اولیاء کے نام پڑھے جاتے ہیں جنہوں نے اہل بیت عصمت وطہارت سے اپنی راہ جدا کرلی تھی اور اہل سنت کے پیرو تھے، انہیں صوفیوں کے اولیاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، انکے لئے صرف دعائے مغفرت ہی نہیں کی جاتی بلکہ فاتحۃ الاولیاء پڑھی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ امامؑ نے فرمایا ہے۔ ہم میں سے نہیں ہیں ہم ان سے بیزار ہیں،، اس صورت میں آج کے ایرانی صوفی اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن شیعہ ہونے سے کیا فائدہ جبکہ خود ایسے صوفیوں کی تاسی کرتے ہیں جن سے امامؑ بیزار ہیں۔

خمس کے مقابلہ میں عشریہ

ملا سلطان گنابادی کے زمانہ سے یہ طے ہوا کہ فرقہ کا ہر ملنے والا اپنی آمدنی میں سے دسواں حصہ عشریہ کے عنوان سے فرقہ کے رئیس کو ادا کرے گا، چنانچہ شیخ عباس علی کیوان قزوینی منصور علی شاہ لکھتے ہیں:

کاروبار کے منافع، املاک کے کرایہ، دیوان کی تنخواہ، اور حق البہائے گدائی ہدایا، میراث، کلی وجزی پائی ہوئی اشیاء، خزانے اور جمادات وحیوانات میں سے دسواں حصہ دینا ضروری ہے۔ تاکہ باقی حلال ہوجائے ورنہ سارا حرام ہے۔ کیوں کہ مرید کسی مال کا مالک نہیں ہوتا ہے۔[1]

---

(۱) استوارنامہ ص ۱۲۷

ملا سلطان گنا آبادی کی اس تحریر سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اگر عشریہ دیدیا جائے تو پھر خمس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جس نے عشریہ ادا کردیا اس پر خمس واجب نہیں ہے۔

نص قرآن وسنت

قرآن مجید میں فرعی احکام، جیسے نکاح وطلاق وغیرہ صریح طور پر بیان ہوئے ہیں۔ یا اگر صریح طور پر اساس تو بیان ہوئی ہے لیکن جامع اور کافی نہیں ہے۔ تو روایات میں ان مسائل کی تکمیل کی گئی ہے جیسے "نماز"، "زکوٰۃ" اور "خمس"، قرآن مجید میں حکم کی اساس تو بیان ہوئی ہے لیکن ان کے جزئیات، جیسے نماز کی رکعات، اس کے اوقات، اس کے رکوع، سجود، تشہد اور سلام وغیرہ۔ یا خمس ادا کرنے کا طریقہ اور اس سے متعلق احکام رسولؐ خدا اور ائمہ معصومینؑ کی روایات میں بیان ہوئے ہیں۔

خمس کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل [1]

زکریا بن مالک جعفی نے امام جعفر صادقؑ سے مذکورہ آیت کے معنی دریافت کئے۔ تو امامؑ نے فرمایا: خمس میں سے جو خدا کا حصہ ہے وہ بھی رسولؐ ہی کا ہے کہ اسے آپ راہ خدا میں صرف کرتے تھے اور جو رسولؐ کا حصہ ہے وہ قرابتداروں کا حق ہے۔ اور ذوی القربیٰ کا خمس انہیں کا ہے۔

---

[1]۔ انفال آیت ۴۱۔

اور یتیم سے انہیں کے خاندان کے یتیم مراد ہیں، اس طرح خدا نے اس آیت میں چار حصے مقرر کئے ہیں، لیکن مساکین وابن السبیل کا حصہ، تم جانتے ہو کہ ہم پر صدقہ، یعنی زکوٰۃ حرام ہے، اسے تمہیں کھا سکتے ہو۔ لہذا ہمارے مساکین وابن السبیل کے لئے یہ حصے صدقہ کا عوض ہیں۔[1]

اس صورت میں جن واجب حقوق شرعیہ کا ادا کرنا واجب ہے وہ صرف خمس وزکوٰۃ ہیں اور خمس کے ساتھ قرآن یا احادیث میں عشریہ کا کہیں بھی ذکر نہیں ہوا ہے کہ جو خمس کیلئے کافی ہو لھذا عشریہ اسلام میں ایک بدعت ہے جو کہ قرآن اور معصوم کے کلام کی نص کے برخلاف ہے۔

فقہاء اور عشریہ علاوہ اس کے کہ قرآن وسنت میں کہیں عشریہ کا ذکر نہیں ہے لیکن فقہائے امامیہ عنوان ثانوی کی حیثیت سے مبانی اجتہاد کی بنیاد پر کوئی فتویٰ دے سکتے ہیں۔[2] البتہ یہ فتویٰ بھی فقہی مبانی اور ادلۂ اربعہ کی اساس پر دیا جائے گا۔ فقہاء نے استدلالی فقہی کتابوں اور اپنے رسالۂ عملیہ میں خمس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن عشریہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ فقہ آل محمدؑ میں یہ عنوان اتنا نامانوس ہے کہ جب اس کے بارے میں علماء سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ عشریہ کیا ہے؟

---

(۱) ترجمہ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۳۴۴ (۲) وسیلۃ النجاۃ ص ۲۰۶

یعنی فقہ امامیہ میں انہیں کہیں اس کا ذکر نہیں ملا ہے۔

اطلاعاً ہم آیات عظام کے ان رسائل عملیہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جوکہ دسترس میں رہے۔

سید ابوالحسن اصفہانی [1]، حاج سید محمد حجت کوہ کمری [2]، حاج آقا حسین بروجردی [3]، امام خمینی [4]، حاج سید احمد خونساری [5]، حاج سید محمد ہادی میلانی [6]، حاج سید محسن الحکیم [7]، حاج سید محمد شاہرودی [8]، حاج سید ابوالقاسم الخوئی [9]، حاج سید محمد رضا گلپایگانی [10]، سید شہاب الدین مرعشی نجفی [11]، حاج سید عبداللہ شیرازی [12]، حاج سید عبدالاعلیٰ سبزواری [13]، حاج سید اسداللہ بنوی رزقوئی [14] حاج سید علی فانی اصفہانی [15]، حاج سید ابوالحسن رفیعی [16]، حاج شیخ محمد علی اراکی [17] حاج شیخ محمد رضا مدنی کاشانی [18]، حاج شیخ محمد صالح مازندرانی [19]، حاج میرزا ہاشم آملی [20]، حاج سید علی بہبہانی [21]، حاج سید جعفر شاہرودی [22]، اور حاج شیخ عباس طسوجی [23]، قدس اللہ ارواحہم۔

---

(۱) وسیلۃ النجاۃ ص ۱۵۳۔ (۲) انیس المقلدین واحکام الدین ص ۱۴۱۔ (۳) توضیح المسائل ص ۲۳۳۔ (۴) توضیح المسائل ص باب خمس (۵) توضیح المسائل ص ۳۰۴۔ (۶) توضیح المسائل باب خمس (۷) توضیح المسائل ص ۲۹۱۔ (۸) توضیح المسائل ص ۳۴۱ (۹) توضیح المسائل ص ۲۴۳ (۱۰) توضیح المسائل ص ۲۸۸ (۱۱) توضیح المسائل ص ۲۸۸۔ (۱۲) توضیح المسائل (۱۳) توضیح المسائل ص ۳۸۸ (۱۴) توضیح المسائل ص ۲۷۶ (۱۵) فرائض المقلدین ص ۱۹۸ (۱۶) توضیح المسائل ص ۳۱۷ (۱۷) ہدایۃ الانام ص ۱۷۸۔ بقیہ دوسرے صفحہ پر۔

فاضل لنکرانی،[۱۰] حاج شیخ محمد تقی بہجت،[۲] حاج شیخ یوسف صانعی،[۳] حاج شیخ حسین نوری ہمدانی،[۴] حاج شیخ علی صافی،[۵] حاج سید محمد وحیدی،[۶] حاج سید محمد شیرازی،[۷] ناصر مکارم شیرازی،[۸] حاج شیخ لطف اللہ صافی گلپایگانی حاج سید مہدی مرعشی،[۱۰] حاج سید محمد علوی گرگانی،[۱۱] حاج سید محمد علی موسوی ابطحی اصفہانی[۱۲] اور حاج شیخ محمد کاظم دزفولی[۱۳] نے جہاں خمس کے ضروری مسائل و احکام بیان کئے ہیں وہاں عشریہ کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے۔

تقسیم خمس

علماء نے خمس کے چھ حصے کئے ہیں، ایک حصہ خدا کا ہے ایک رسول خدا کا ہے، ایک امامؑ کا ہے اس زمانہ میں یہ تینوں حصے صاحب الامر ارواحنا لہ الفداء عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ہیں، اور تین حصے سادات یتیموں

---

(۱۸) توضیح المسائل ص ۲۹۰ (۱۹) فرائض المقلدین ص ۱۹۸ (۲۰) توضیح المسائل ص ۲۸۳ (۲۱) جامع المسائل ص ۳۳۲ (۲۲) توضیح المسائل ص ۲۹۴ (۲۳) توضیح المسائل ص ۳۰۱۔

(۱) رسالہ عملیہ ص ۲۰۸ (۲) توضیح المسائل ص ۳۰۳ (۳) توضیح المسائل ص ۲۸۱ (۴) توضیح المسائل ۳۳۹ (۵) توضیح المسائل ص ۳۴۰ (۶) توضیح المسائل ص ۲۹۰ (۷) توضیح المسائل ص ۲۷۴ (۸) توضیح المسائل ۲۹۶ (۹) توضیح المسائل ص ۳۴۸۔

(۱۰) توضیح المسائل ص ۳۱۱ (۱۱) توضیح المسائل ص ۲۹۴ (۱۲) حاشیہ توضیح المسائل مسئلہ ۱۷۶۴ (۱۳) مجمع المسائل ۱۲۲۔

ابن سبیل اور مساکین کے ہیں۔ سادات یعنی جن کا سلسلہ باپ کی طرف سے پشت در پشت عبد المطلب تک پہونچتا ہے۔ بنابریں جن لوگوں کا سلسلۂ نسب ماں کی طرف سے حضرت عبد المطلب تک پہونچتا ہے اور وہ مساکین، یتیم اور ابن السبیل ہیں ان کے لئے خمس حلال نہیں ہے۔ ہاں صدقہ جو کہ سادات پر حرام ہے ان کے لئے حلال ہے[1]۔

عشریہ کی تقسیم

صوفی حضرات بھی مجبوراً عشریہ کی تقسیم کے قائل ہوئے ہیں۔ تاکہ اس کو اس روش سے مشابہ کرسکیں جو فقہ شیعہ میں معمول ہے۔ سلطان حسین تابندہ نے ملا محسن حسین فیض کاشانی کے فتوے سے استناد کے بعد اس سلسلہ میں لکھا ہے: زمانۂ غیبت میں سہم امامؑ معاف ہے لہذا عشریہ کا نصف معاف ہے[2]۔

جبکہ علاً ایسا نہیں ہے۔ عشر صوفیوں کی آمدنی ہے دوسرے نصف حصہ کے بارے میں رقمطراز ہیں: اس نظریہ کی رو سے ایک عشریہ باقی بچتا ہے جو کہ بنی ہاشم کے ایتام و مساکین سے مربوط ہے[3] بلکہ سہم امامؑ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں معاف ہے۔ جیسا کہ فقہائے امامیہ حکومت جور کے زمانہ میں مستقل عمل کرنے سے قاصر ہوں یعنی ظالمانہ و جابرانہ حکومت کے تحت رہنے پر مجبور ہوں۔ اس زمانہ میں اگر سہم امامؑ ادا نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ یا دوسرے

---

(۱) تحریر الوسیلہ ترجمہ ج ۲ ص ۱۲۷ (۲) رسالۂ رفع شبہات از آقائی حسین تابندہ طبع دوم ص ۳۶ (۳) ایضاً ص ۳۶ و ۳۷۔

کے بعد اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ زمانۂ غیبت میں سہم معاف ہے اور اس کے معاف ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ جناب سلطان حسین تابندہ نے بھی اس سلسلہ میں بڑی مہارت سے چند روایات جمع کی ہیں کیونکہ خمس کا وہ حصہ جسے سہم امامؑ کہتے ہیں وہ مجتہد کو دیا جاتا ہے تاکہ فرقہ کے پیروکار فقہ آل محمدؐ سے جدا نہ ہوں۔ اور چونکہ صوفی حضرات عشریہ کو خمس کا بدل سمجھتے ہیں لہذا عشریہ میں سے نصف جامع الشرائط مجتہد کو دیا جائے۔ اس صورت میں مجتہد اس سہم امامؑ کا کہ جس میں فقیہ جامع الشرائط کی اجازت کے بغیر تصرف کیا گیا ہے کہ جس میں عشریہ لینے والے سے مطالبہ کر سکتا ہے اور لے سکتا ہے۔ اسی لئے رسالۂ رفع شبہات کے مولف، سلطان حسین تابندہ نے یہ فرسودہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ زمانۂ غیبت میں سہم امامؑ معاف ہے، جبکہ یہ مسئلہ فقہی استنباط کا محتاج ہے اور جامع الشرائط مجتہد کی رائے سے وابستہ ہے اور علمائے امامیہ بھی خمس دینے کے قائل ہیں۔

مصرف خمس

خمس کے دو حصے ہوتے ہیں، سہم امامؑ و سہم سادات اگر مکلف خود، انسان مجتہد ہے تو مصرف خمس کے سلسلہ میں وہ خود اپنی رائے پر عمل کرتا ہے لیکن صرف اس میں جس کا اس سے تعلق ہے اگر مجتہد نہیں ہے تو اسے جامع الشرائط مجتہد کے فتوے پر عمل کرنا چاہیے۔

فقہائے امامیہ نے علمی و استدلالی کتابوں میں مسئلۂ خمس پر مفصل علمی بحث کی ہے۔ اور پھر اپنے رسالۂ عملیہ میں فتوے کی صورت میں مسئلۂ خمس کو واضح

کیا ہے۔ یعنی احکام شرعی کے استدلالی ادلہ کو بیان کئے بغیر حکم بیان کیا ہے خمس کے سلسلہ میں سہم امامؑ کے بارے میں فرماتے ہیں: اس زمانہ میں خمس جامع الشرائط مجتہد کو دینا چاہیئے یا ان چیزوں میں خرچ کرنا چاہیئے جن کی وہ اجازت دیں [1]

اگر کوئی شخص اپنا خمس اس مجتہد کو دینا چاہتا ہے جس کی وہ تقلید نہیں کرتا ہے تو وہ اس صورت میں دے سکتا ہے کہ جب وہ یہ جانتا ہو کہ یہ مجتہد جس کو خمس دینا چاہتا ہے۔ اور جس کی وہ تقلید کرتا ہے سہم امامؑ کو دونوں ایک ہی چیز میں خرچ کرتے ہیں [2]

سہم سادات کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ نادار سید، اور یتیم سید کو دینا چاہیئے جس کے پاس سفر میں زادراہ نہ رہے [3]

بعض فقہا بجملہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی قدس سرہ کا قول یہ ہے کہ سہم سادات بھی جامع الشرائط مجتہد کی اجازت سے خرچ ہونا چاہیئے۔ [4]

اس صورت میں مذہب امامیہ کے ماننے والے مکلف، کہ تقلید کرنا جس کا فرض ہے، کو جامع الشرائط مجتہد کے حکم کے تحت خمس خرچ کرنا چاہیئے۔

---

(۱) توضیح المسائل محشی مسئلہ ۱۸۴۳ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) توضیح المسائل آیۃ اللہ امام خمینی مسئلہ ۱۸۴۲۔

عشریہ کا مصرف

اگر مشہور صوفی ملا سلطان گنا آبادی اور ان کے رقیب صفی علیشاہ کے بقول عشریہ ہی خمس ہے تو اس کا مصرف بالکل خمس ہی کی طرح ہونا چاہیے۔

جناب سلطان حسین تابندہ کے بقول عشریہ کے دو حصے ہونے چاہیئے اور اس میں سے نصف، بنی ہاشم کے مساکین وایتام اور ابن السبیل سے مختص کرنے کے بعد لکھتے ہیں: البتہ جو شخص عشریہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے اگر وہ زکوٰۃ ہے تو اسے زکوٰۃ کے مستحقین کو دیدے اور اگر خمس ہے تو اس کے مستحقین کو دیدے اور اگر پیشوا ومقتدا کے ذریعہ اسے اس کے مستحقین تک پہونچانا چاہتا ہے تو خمس وزکوٰۃ والے اموال کو معین کرنا چاہیے کہ کتنا خمس ہے اور کتنی زکوٰۃ ہے تاکہ اس لحاظ سے اسے خرچ کیا جائے بعبارت دیگر عشریہ کی تعیین ایک مقدار معین ہے کہ جس سے جدا اور مجزی ہو جاتی ہے۔ لیکن مستحقین کو دینے کے مواقع مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا جب بھی برادران دینی میں سے کوئی عشریہ کے نام سے کوئی چیز ادا کرے تو اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے یا خمس۔ البتہ سب ہی برادران کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عشریہ انہیں اسی جگہ خرچ کرنا چاہیئے جہاں وہ رہتے ہیں۔

اور جو لوگ سہم امامؑ کے بارے میں زیادہ تقیہ کرتے ہیں اور اسے بھی ادا کرنا چاہتے ہیں اور نفس کی مداخلت سے بچنا چاہتے ہیں تو خمس کا نصف یعنی عشریہ علماء و نواب کی خدمت میں سہم امامؑ کے عنوان سے پہنچائیں اور اس میں سے نصف خود اپنے وطن میں صرف کریں [1] البتہ عشریہ وصول کرنے میں ان چیزوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ جن میں براہ راست صوفیوں کے سربراہ یا ان کے نمایندہ تصرف کرتے ہیں۔ اس صورت میں قرآن کے حکم، خمس کے مقابلہ میں اگر بدعتِ عشریہ سے چشم پوشی بھی کرلیں تو بھی، عشریہ کے دو حصے ہونے چاہئیں۔ ایک ان میں سے سہم امامؑ ہے۔ صوفیوں کے فرقوں کو ماننے والے اگر واقعی کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں تو سہم امامؑ اس مجتہد کو دیں کہ جس کی تقلید کرتے ہیں اور اگر مجتہد کو نہیں دینا چاہیے بلکہ اپنے فرقہ کے رئیس و سردار کو دینا چاہتے ہیں تو انہیں اس بات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ اگر دوسرا مجتہد ہے تو اسے اس جگہ خرچ کرے کہ جس جگہ وہ مجتہد خرچ کرتا ہے۔ کہ دینے والا جس کی تقلید کرتا ہے۔ اور اگر مجتہد نہیں ہے مثلاً فرقہ کا رئیس ہے تو اس کے پاس اس مجتہد کا اجازت نامہ ہونا چاہیے جس کی انسان تقلید کرتا ہے تاکہ وہ ان چیزوں میں تصرف کرسکے جو فقیہ کے امتیازات میں سے ہیں۔

اور سہم سادات کے بارے میں بھی، جو کہ جناب سلطان حسین تابندہ

---

[1] رسالۂ رفع شبہات طبع دوم ص ۳۷۔

کی تحریر کے مطابق، بنی ہاشم کے یتیم و مساکین اور ابن سبیل کا حق ہے۔ [1] صوفیوں کے سردار اسی وقت تصرف کر سکتے ہیں کہ جب وہ مستحق و سید ہوں۔ یعنی فقہی شرائط کے لحاظ سے وہ سہم سادات کو خرچ کرنے کے شرائط کے حامل ہوں۔

حالانکہ آج کل کے صوفیوں کے فرقوں میں ان چیزوں کی رعایت نہیں کی جاتی۔ عشریہ جمع کرنے والے دینے والے سے اس کی آمدنی کا دسواں حصہ بغیر سوال و جواب کے وصولتے ہیں۔ یعنی سہم امامؑ و سہم سادات فرقہ کے رئیس کی تحویل میں دیتے ہیں جو کہ نہ مجتہد ہیں نہ سید، اور یہ کام فرقہ کے سردار کے حکم سے انجام پاتا ہے۔ مثلاً ملا علی گنا آبادی نے جو اجازہ اپنے جوان بیٹے محمد حسن معروف بہ صالح علی شاہ گنا آبادی کے نام لکھا ہے اور وہ فرمان خلافت و جانشین کی حیثیت رکھتا ہے، اسمیں لکھتے ہیں:

میں نے تمہیں دست گیری، اذکار و اوراد، ادعیہ اور ان تمام چیزوں میں جو کہ اس حقیر تک پہونچی ہیں اور فطرہ وغیرہ میں تصرف کا حق دیا ہے [2]،، اس اجازہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عشریہ لینا فرقے کے رئیس کے اختیارات میں سے ہے اور اس کا فقہی شرائط کا حامل ہونا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) رسالۂ رفع شبہات ص ۷۳۔ (۲) یادنامۂ صالح ص ۴۴ نامہ ہای صالح ص ۱۲۔

عشریہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ عشریہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ بعد والے صوفیوں کی بدعتوں میں سے ہے جو کہ قرآن اور رسولؐ وائمہؑ کی سنت کی صریح نص کے خلاف ہے اور شرع کے اعتبار سے یہ بدعت ہے۔

جن صوفی سیاحوں نے مادی مسالک ومکاتب اور ادیان کی تالیفات وآثار کی سیر وسیاحت کی ہے انہوں نے ہر چمن سے کچھ چنا ہے اور بعد میں انہیں جمع کردہ چیزوں کو اپنے مسلک کے آداب وسنن قرار دیدیا ہم اس حصہ میں ایسی ہی چیزیں پیش کریں گے۔ منجملہ ان کا عشریہ بھی ہے کہ جس کا اسلام میں کہیں نام نہیں ہے۔ اگر عشریہ کی تائید میں ائمہ معصومینؑ یا شریعت نبوی کے علماء کی طرف سے کوئی سطر یا لفظ آیا ہوتا تو اسے جناب سلطان حسین تابندہ اپنے رسالۂ رفع شبہات میں ضرور نقل کرتے۔

مراجع تقلید کا نظریہ چونکہ ہر مذہبی موضوع کے اسلامی ہونے کے سلسلہ میں علماء دین سے علمی مدد لینا چاہیے لہٰذا عشریہ کے اسلامی ہونے کے بارے میں صرف استفتاء پر ہی اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ کلی طور پر سوال ہوا ہے کہ، کیا عشریہ ادا کرنے کا اسلام سے ربط ہے اور پھر خمس دینے

کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے جوابات درج ذیل ہیں۔

حضرت آیۃ اللہ شیخ محمد تقی بہجت دام ظلہ فرماتے ہیں:
شرع میں زکوٰۃ کے علاوہ عشریہ نام کی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کہ نصف خمس کے مساوی ہو بہر صورت اگر سہم سادات و سہم امامؑ کے علاوہ عشریہ کوئی چیز ہے تو بھی اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ حاج سید موسیٰ شبیری زنجانی دام ظلہ فرماتے ہیں: باب زکوٰۃ کے علاوہ عشریہ میں کوئی اسلامی پہلو نہیں ہے اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ حاج سید محمد وحیدی دام ظلہ فرماتے ہیں: عشریہ کا تعلق صرف زکوٰۃ اور اموال زکویہ سے ہے اور اس سے **خمس ساقط نہیں** ہوتا ہے بلکہ ہر سال کے خرچ سے جو بچ جائے اس کا خمس دینا چاہیے۔

حضرت آیۃ اللہ میرزا جواد تبریزی دام ظلہ فرماتے ہیں: عشریہ مشروع نہیں ہے اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے۔[1]

حضرت آیۃ اللہ فاضل لنکرانی دام ظلہ فرماتے ہیں: عشریہ سے بظاہر خراج ہی مراد ہے جو مفتوحہ زمینوں پر لگا دیا جاتا تھا۔ اس کا تو اسلام

---

(۱) یہ جواب موصوف کے رجسٹر میں ۲۶/۱/۷۶ شمسی کو K۵۴ نمبر کے تحت درج ہوئے ہیں۔

سے تعلق ہے لیکن یہ خمس کا بدل نہیں ہے۔[1]

حضرت آیۃ اللہ حاج سید علی حسینی شاہرودی دام ظلہ فرماتے ہیں:

زکوٰۃ کے بعض موارد میں عشریہ میں اسلامی جنبہ ہے اور ایسے ہی خراج کے بعض موارد میں بھی کہ ولی امر مسلمین غیر آباد زمینیں اور ندی وغیرہ کے کنارے انہیں دیتا ہے اور دسواں حصہ ان سے خراج کے طور پر لیتا ہے لیکن مذکورہ چیزوں میں سے کسی کا بھی خمس سے ربط نہیں ہے۔ یعنی اس عشریہ کو خمس سے کم نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ فرماتے ہیں:

درویشوں کے عشریہ کی بنیاد اسلامی نہیں ہے۔ ہاں زکوٰۃ چہارگانہ سے اس کا تعلق ہے۔ لیکن ان شرائط کے ساتھ کہ بارش و ندی وغیرہ کے پانی سے اسکی سینچائی ہوئی ہو۔

حضرت آیۃ اللہ حاج سید علی سیستانی مدظلہ کے دفتر والوں نے فتویٰ دیا ہے، تاریخ میں جو عشریہ نقل ہوتا ہے یہ وہ ٹیکس ہے جیسے ظالم حکومتیں لیتی تھیں۔ اور کوئی بھی ٹیکس خمس کا عوض نہیں ہوسکتا۔

حضرت آیۃ اللہ حاج شیخ حسین نوری ہمدانی دام ظلہ فرماتے ہیں:

بس از اسلام عشریہ مالی ٹیکس کی ایک قسم رہا ہے جبر ظالم حکومتیں بہت زور دیتی تھیں اور فقہ اہل سنن میں اسپر زور دیا گیا ہے۔

---

(۱) یہ جواب موصوف کے رجسٹر میں ۱۲۹۵ نمبر کے تحت درج ہوئے ہیں

حضرت آیۃ اللہ حاج شیخ یوسف صانعی دام ظلہ فرماتے ہیں :

عشریہ بدعت ہے اور حرام ہے اور اس کے وصولنے والوں کو معاشرہ والوں کے سامنے بے نقاب کیا جائے تاکہ لوگ ان کے فریب میں نہ آئیں

حاج شیخ لطف اللہ صافی گلپایگانی فرماتے ہیں :

خمس کے بجائے عشریہ لینے دینے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوسکتا اور اس پر عمل کرنا بدعت و حرام ہے واللہ العالم۔

حضرت آیۃ اللہ شیخ حسین وحید خراسانی فرماتے ہیں :

عشریہ، قرآن و سنت، سنت قطعیہ اور اجماع فقہا کے لحاظ سے خمس کا بدل محسوب نہیں ہوتا ہے اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے واللہ العالم۔

حضرت آیۃ اللہ حاج شیخ یحیٰی نوری فرماتے ہیں: عشریہ دینے سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے۔ دیہاتوں میں بعض دینی و فقہی شرائط کے حامل زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔ میں نے آج سنا ہے کہ صوفی نشین علاقوں میں یہ کام ہوتا ہے۔ واجب ہے اسے وصول نہ کریں۔ اور خمس و زکوٰۃ کے ضوابط کے مطابق رقوم شرعیہ فقیہ مجتہد کو دی جائے۔

حضرت آیۃ اللہ حاج سید علی علوی گرگانی فرماتے ہیں: عشریہ حکومتی امور میں سے ہے اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے۔ واضح ہے کہ اس میں خمس کے شرائط بھی نہیں ہیں۔

حضرت آیۃ اللہ حاج سید مہدی مرعشی فرماتے ہیں: عشریہ خمس کا کام نہیں کرسکتا اور اسکی کوئی اسلامی حیثیت نہیں ہے۔

حضرت آیۃ اللہ شیخ عبد الحمید شربیانی فرماتے ہیں: عشر وہی زکوٰۃ ہے جس کا صدر اسلام سے نشان ملتا ہے۔ اور اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ جمع کرنے والے جو کارندے معین تھے وہ غلہ داروں سے جمع کرتے تھے اور بنی امیہ و بنی عباس کی حکومت کے زمانہ میں۔ جو کہ حکومت حقہ نہیں تھیں۔ وہ اپنے کارندوں سے زکوٰۃ عشریہ وصول کراتے تھے۔ یہ چیز موضوع بحث تھی کہ غلہ داروں پر عشریہ واجب ہے یا نہیں۔ لیکن ائمہ معصومین کی روایات اور شیعہ طرق کا اقتضا یہ ہے کہ عشر زکوٰۃ کے لئے کفایت کرتا ہے۔ یعنی جبری طور پر ادا کیا جانے والا عشر شرعی واجب زکوٰۃ کا حصہ ہے۔ اور اس کے بعد زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور خمس مالی جو کہ واجب ہے وہ دوسری چیز ہے جس کا زکوٰۃ سے کوئی ربط نہیں ہے۔

حضرت آیۃ اللہ سید کاظم مرعشی فرماتے ہیں: جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے توضیح المسائل میں ان کا ذکر موجود ہے اسکے علاوہ عشریہ کی کوئی اساس نہیں ہے اور نہ اس سے خمس ساقط ہوتا ہے واللہ العالم

حضرت آیۃ اللہ حاج شیخ محمد کاظم بیگدلی مدظلہ العالی قزوین فرماتے ہیں: شرع مقدس میں عشریہ کا کہیں نام نہیں ہے۔ اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ حاج شیخ محمد تقی مجلسی دام ظلہ نے اصفہان سے

تحریر کیا ہے ،، پہلے سوال کا جواب مثبت ہے اور اس کا تعلق ان مفتوحہ زمینوں سے ہے جنہیں مسلمان قہر و غلبہ کے ساتھ کفار سے چھینتے ہیں . اور پھر حکومت جن لوگوں کو دیتی ہے وہ ان میں کھیتی کرتے ہیں اور وہ اس کا دسواں حصہ مصالح مومنین پر خرچ کرنے کے لئے بیت المال میں جمع کرتے ہیں .

دوسرے سوال کے مفروضہ کا جواب منفی ہے اور عشریہ دینے سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے. خواہ یہ دونوں مورد و مصرف کے لحاظ سے مختلف ہوں پہلے کا مورد مذکورہ زمینیں ہیں . وہ تمام مسلمانوں کے مصالح میں کام آئے گی ، دوسرے کا مورد خاص و معین ہے جو کہ شرع انور کی طرف سے متعین ہوا ہے اور یہ مخصوص لوگوں پر خرچ ہوتا مگر ولی خمس یا اس کے وکیل یا نائب کی اجازت سے ان پر صرف ہوتا ہے .

حضرت آیۃ اللہ حاج سید محمد الشکوری دام ظلہ فرماتے ہیں : یہ خمس کے لئے کافی نہیں ہے .

ظالم حکومتوں میں عشر کی رسوم

عظیم الشان فقہاء کے فتوؤں میں اس چیز کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ عشر وصول کرنا ظالم حکومتوں کا شعار ہے ہم ایسے نمونے پیش کر سکتے ہیں کہ جن سے حکومتوں اور صوفیوں کے ارتباط کا پتہ چلتا ہے .جب محمد شاہ قاجار نے استعمار کے ہتھکنڈہ قطب نعمۃ اللہی حاج میرزا آغاسی کی تحریک پر میرزا ابوالقاسم قائم مقام فراہانی کو شہید کر دیا . اور حکومت مشہور صوفی نعمت اللہی کے ہاتھوں میں پہونچ گئی تو .

اس نے رحمت علی شاہ شیرازی قطب نعمۃ اللٰہیہ کو جو کہ روس و برطانیہ کے سفیروں کے ساتھ تبریز سے تہران گیا تھا. صوبہ فارس پر اپنا نائب مقرر کیا، اور صوبہ فارس کی آمدنی کا دسواں حصہ عشر رحمت علی شاہ کو بخش دیا. چنانچہ محمد شاہ قاجار کے زمانۂ حکومت میں صوبۂ فارس کا عشریہ قطب نعمت اللٰہی رحمت علی شاہ کو دیا جاتا رہا۔ (۱)

یہودیوں کی نظر میں

محترم قارئین آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قرآن و روایات میں کہیں بھی عشریہ کا ذکر نہیں ہے نیز عالم اسلام کی علمی شخصیتیں بھی اس بات کی معتقد ہیں کہ عشریہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام میں تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے. البتہ یہود اور تورات میں اس کی حیثیت کا ذکر ملتا ہے. تورات میں آیا ہے : کیونکہ بنی اسرائیل کا عشر، کہ جس کو وہ خدا تک پہونچانے کے لئے ہدیہ کرتے ہیں، اسے میں نے لاویوں کو بخش دیا. اس بنا پر میں نے ان سے کہا کہ بنی اسرائیل میں تمہیں ملک نہیں ملے گی اور خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ لاویوں کو مخاطب کر کے کہو کہ چونکہ میں نے بنی اسرائیل کے عشریہ کو تمہاری ملکیت بنا دیا ہے، ان سے لے لو اور پھر خدا کو دینے والے ہدیہ کو اس عشر میں سے دسواں حصہ معین کرو۔

---

(۱)، تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللٰہی در ایران ص ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔

اور تمہارا یہ ہدیہ تمہارے غلۂ خرمن اور انگور وغیرہ کے مثل ہے۔

اس طرح تم بنی اسرائیل سے جو عشریہ لیتے ہو لے سے خدا کے لئے ہدیہ سمجھو اور خدا کا یہ ہدیہ کاہن ہارون کو دیدو۔ [1]

اس بات پر توجہ رکھنی چاہیئے کہ یہود کا عشر کاہن کو اور صوفیوں کی نظر میں سجادہ نشین کو ملتا ہے۔

مسیحیت اور عشریہ

عشریہ مسیحیت میں بھی رائج تھا حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں: اے کاتبو! اور فریسی ریاکارو! افسوس ہے تمہارے حال پر پودینہ اور زیرہ کا عشر دیتے ہو اور شریعت کی عظیم چیز عدالت رحم اور ایمان کو ترک کرتے ہو۔ ان پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔ انہیں ترک نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ [2] اس صورت میں ایک طرف تو عشریہ اسلامی رسم نہیں ہے دوسری طرف اس سے نصاریٰ کی تائید ہوتی ہے۔

کیا عشریہ کے بعد خمس نہیں دینا چاہیے؟

جس مسئلہ کی اساس قرآن و حدیث نہ ہو اسلام میں اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ملا سلطان گن آبادی نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے عشریہ کو خمس و زکوٰۃ کے لئے کفایت کناں جانا ہے۔ لہذا اگر فقہا امامیہ کے کسی مقلد نے اس صوفیانہ مسلک کے تحت خمس کے بجائے عشریہ دیا ہے

---

[1] تورات ص ۲۳۸ سفر اعداد ۱۹ باب ۱۴۔ [2] انجیل متی باب ۲۳ جملہ ۲۳

تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ فقہ اسلامی خصوصًا فقہائے امامیہ کے اعتبار سے عشریہ خمس کے لئے کفایت کناں نہیں ہے کیونکہ غیر مجتہد کے لئے فقہاء کا فتویٰ حجت ہے۔ معاصرین کا فتویٰ ہم نے نقل کر دیا ہے اور یہ طے ہو گیا ہے کہ عشریہ بدعت ہے اور اس سے خمس ساقط نہیں ہوتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ عشریہ دینے والے اس مجتہد سے مشورہ کریں جس کی تقلید کرتے ہیں۔ تاکہ اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔

عشریہ کے ساتھ حج کا شرعی حکم

واضح ہے کہ بعض اشخاص عشریہ کے فقہی حکم سے ناواقف تھے اور ملا سلطان گن آبادی اور اس کے بعد اس کے صوفی وارثوں کی غیر اسلامی رائے پر عمل کرتے ہوئے مال کا عشریہ دے کر حج کرتے تھے۔ اور چونکہ جو شخص فقہی ضوابط کے تحت حج کو جاتا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ خمس وزکوٰۃ جیسے واجب حقوق ادا کرے۔ اور سفر حج کی بناء پر اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

انہوں نے چونکہ خمس کے بجائے عشریہ ادا کیا ہے اور وہ بھی غیر مجتہد کو تو ایسا خمس دینا حج کے باطل ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

فقہ امامیہ کی رو سے اگر وہ لباس جو کہ طواف کے لئے واجب ہے اور ساتر ہے جیسے تولیہ وغیرہ پر یا قربانی کے پیسہ پر خمس ہے تو حج باطل ہے۔

دنیائے شیعیت کے مراجع کے دستخط

گذشتہ صفحات میں جن مراجع تقلید کے جوابات بیان ہوئے ہیں یہاں ان سے استفتا اور ان کے جواب درج کئے جا رہے ہیں۔

عبادات میں مرشد کا تصور

اگرچہ صوفی حضرات لکھتے ہیں کہ عبادت صرف ذات حق کے لئے ہونی چاہیے اور معبودیت اسی میں منحصر ہے [1] لیکن اس کے باوجود وہ اپنے پیروکاروں کی غیر حق کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں اور صمد پرستی سے انہیں صنم پرستی کی دعوت دیتے ہیں۔

ہر چند ماضی قریب میں تصوف کے اعتقادی مسائل بہت کم وجود میں آئے ہیں کیونکہ پارٹیوں میں بٹ گئے تھے لہذا ان کی ساری توجہ اپنی پارٹی کے مقام پر رہی اور صوفی فرقوں کے اس دور میں حضرات قدرت نمائی اور اپنے ماننے والوں کی تعداد بڑھانے کے لئے ایک دوسرے کے برخلاف شب نامہ، سفر نامہ اور باطل نامہ لکھنے میں مشغول رہے [2]

---

(۱) رفع شبہات ص ۳۰ (۲) بطور نمونہ ڈاکٹر جواد نوربخش کی ادارت میں شائع ہونے والے مجلہ کے مقالات اور گنابادیوں کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن ان تمام تنجالوں کے باوجود انہوں نے بعض ان اہم مسائل پر توجہ رکھی ہے کہ جن پر خانقاہی ڈھانچہ کی بنیاد استوار ہے۔ ان کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان سے غافل نہ ہوں ان ہی میں سے فرقہ کے پیر کی عظمت و حیثیت بھی ہے کہ جس کو فرقہ کے ماننے والوں کے درمیان محفوظ رہنا چاہیے نعمت اللہی فرقوں کے. پیر ان کے سخت ترین رقیب صفی علی شاہ لکھتے ہیں: خاتم الاولیاء علی ہیں آپ مرجع کل ہیں آپؑ سے اوپر نہ کوئی مرتبہ ہے اور نہ ولایت۔[1]

لیکن اس کے فوراً بعد لکھتے ہیں: ولی کامل، عارف آپ کا قائم مقام اور نائب ہے۔[2]

اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور لکھتے ہیں: عبادات میں اسی منابِ نائب کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ اس عبادت کے آثار ظاہر ہو جائیں جس میں تم مشغول ہو۔ فرقہ نعمت اللہی کے پیروکاروں کو اس کی پابندی کا حکم دینے والے شاید میرزا زین العابدین شیروانی مست علی شاہ تھے موصوف لکھتے ہیں: سالک و مرید کو محافل، احوال، افعال اور اقوال میں مرشد کی صورت کو مجسم کرنا چاہیے اور ذکر و ورد، طاعت و خدمت میں اپنے شیخ کے چہرہ کو نظروں کے سامنے رکھے۔[3] دوسری جگہ لکھتے ہیں: ذکر کے وقت تین چیزوں کو حاضر و ناظر سمجھنا چاہیے۔

۱، عرفان الحق ص ۸۹ ۲، عرفان الحق ص ۹۲ ۳، ریاض السیاحۃ ۳۷۱

اور تین چیزوں سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اول یزدان، دوسرے دل، تیسرے روح پیر۔ یعنی خادم صوفی کے کام کو خدا اور شد ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔ بشاید میرزا زین العابدین کے اسی قول کی صوفیوں کے متاخرین میں سے ایک جماعت نے بنا رکھی ہے

حاج سلطان محمد گنا آبادی نے سورۂ حمد کی تفسیر میں نہایت ہی لطیف انداز میں کہ جس سے ان پر سچے موحد حملہ نہ کریں، مرشد کی صورت کے تجسم کو پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کو اس ذکر سے جلا بخشے جس کا اسکے شیخ نے حکم دیا ہے۔ اور جب دل کو جلا دے چکے اور ذکر قوی ہو جائے، دل اغیار سے خالی ہو جائے تو اس وقت شیخ سالک پر مثالی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ذکر اسے کرایا جاتا ہے وہ مرشد کے وجود کے مثل ہے اور جب یہ ذکر قوی ہو جاتا ہے تو اس کی صورت میں وہ سالک کے اندر جلوہ گر ہوتا ہے اور جب شیخ اپنی مثالی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو تکلیف کی دشواری ختم ہو جاتی ہے اور محبوب کے پاس حاضر ہو جانے سے وہ لذت اندوز ہوتا ہے اپنے محبوب کی طرف سے اپنے اوپر وارد ہونے والی چیز کو دیکھتا ہے، اس سے وہ لذت محسوس کرتا ہے، خواہ اس کی طبیعت و مزاج کے موافق بھی نہ ہو، لیکن اپنے محبوب کی طرف سے ہونے کی وجہ سے مسرور ہوتا ہے پھر کبھی شیخ کا ظہور مباین سے مباین چیز پر ہوتا ہے کبھی مرید کے وجود میں حلول کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور کبھی اتحاد کی شکل میں ہوتا ہے کبھی یہ ظہور سالک کے فنا ہو جانے اور صرف شیخ کی بقا کی صورت میں ہوتا ہے یعنی مرید خود سے اسطرح بیگانہ ہو جاتا ہے کہ وہ صرف شیخ کی نورانیت کو مشاہدہ کرتا ہے۔

پھر بھی ان تمام مراتب میں سالک کے لئے مختلف درجات وحالات ہیں نیز نگل جانے والے گرداب ہیں اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ مغرور ہو جائے، اور اپنے حال کو اسکے سامنے پیش کرنے سے سرکشی کرنے لگے۔ کیونکہ بہت سے موقعوں پر جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے ان کے حق و باطل کو نہیں سمجھ پاتا ہے بلکہ جو کچھ دیکھتا ہے اسی کا معتقد ہو جاتا ہے کسی معیار پر پرکھنے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ جس سے صحیح، غلط کا پتہ لگا سکے اور اس پر ایسی چیز ظاہر ہوتی ہے جس سے شارع راضی نہیں ہے۔ جیسے انی انا اللہ لیس فی جبتی سوی اللہ۔ (۱)

ملا سلطان "اھدنا" کی تفسیر کرتے ہوئے کچھ مقدمات کے بعد لکھتے ہیں: اگر اس نکتہ پر توجہ کی جائے کہ اسلام ایمان کی طرف لے جانے والا راستہ ہے "اھدنا" ایمان کی طرف ہماری راہنمائی فرما۔ یا ہمیں ایمان تک پہونچا دے تو جو مومن نورانیت کے لحاظ سے ابھی اپنے شیخ کے حضور کے مقام پر نہیں پہونچا ہے اسکے لحاظ سے "اھدنا" کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمیشہ ہمیں اس راہ پر قائم رکھ

---

(۱) ترجمہ تفسیر بیان السعادہ فی مقامات العبادہ ج ۱ ص ۲۹۷-۲۹۸

یا ہمیشہ اس کی راہنمائی فرما۔[1] اسکے بعد لکھتے ہیں: جو شخص اپنے شیخ کی نورانیت کے سبب اپنے شیخ کے سامنے حاضر ہے، اسکے لحاظ سے "اھدنا" کے یہ معنی ہیں کہ ہمیشہ ہمیں اس حال پر قائم رکھ' یا اس راہ پر لے چل۔[2]

ملا سلطان نے خاص لطائف و ظرائف کے ذریعہ اپنے آپ' اور اپنے جیسوں کو صراط مستقیم قرار دیدیا ہے۔ جبکہ شیعہ اور سنی مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ایاك نعبد و ایاك نستعین کا عرفی مفہوم یہ ہے کہ "یہ عوام کے لئے ہے وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اور خواص کے لئے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ حاضر ہو" تاکہ خطاب صحیح ہو۔[3] ملاحظہ فرمائیں کہ ملا سلطان حسین نے کس سلیقہ سے غیر صوفی لوگوں کو عوام قرار دیا ہے۔

ملا علی کا خیال ہے کہ "مقلد مجبور ہے کہ عمل کے وقت اپنے پیر کا تصور کرے۔[4] شیخ محمد حسن اصفہانی معروف بہ صفی علی شاہ نے اپنی تفسیر میں "ایاك نعبد و ایاك نستعین" اور "اھدنا الصراط المستقیم" کے سلسلہ میں بڑی ہوشیاری سے یہی مسائل لکھے ہیں۔[5]

جناب سلطان حسین تابندہ گنا آبادی، کہ جس نے سنجیدگی سے اپنے خلاف مطالب کی اصلاح کی ہے لکھتے ہیں:

---

(۱) ایضاً ج ۱ ص ۲۹۹ (۲) ایضاً ص ۳۰۰ (۳) ولایت نامہ ص ۸۷ (۴) صالحیہ طبع دوم ص ۳۴۳ حقیقت ۵۹۸ (۵) تفسیر صفی علی شاہ سورۂ حمد۔

ابتدائی مراحل میں شیخ کی صورت راہنما ہوتی ہے. لیکن چونکہ اس کی توجہ ؛ مامور بہ پر مرکوز ہوتی ہے لہذا یہ جلوہ اسمیں محو ہو جاتا ہے اگر اس حالت میں مغرور نہ ہو اور اپنی فکر پر مداومت کرے تو بلند ترین مشاہدات سے سرفراز ہوتا ہے اور مراتب عالیہ میں صورت امام سے مشابہ ہوتا ہے [1] جبکہ صفی علی شاہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر صوفی معصوم امامؑ کی صورت سے آشنائی نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ صورت مرشد کو مجسم کرے. وہی کہتے ہیں کہ مرشد کی صورت کو مجسم کرنا امامؑ کی صورت کے لئے مقدمہ ہے.

فرقۂ اویسیہ کے مرشد اعلی میر قطب الدین محمد عنقا کہتے ہیں :

دل میں صورت بشری پر توجہ مرکوز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے فکر و خیال پراگندہ نہیں ہوتا ہے اور اس سے غفلت وزیان کا سد باب ہو جاتا ہے [2] دوسری جگہ کہتے ہیں : صورت پیر پر توجہ کرنے کو بعض صوفی حضور قلب کے لئے ، نماز میں بھی ضروری سمجھتے ہیں. [3]

ان دونوں عناوین کو جمع کرنا غیر ممکن ہے.

لا مذہب موحد بلکہ موحد لامذہب کے ساتھ دو اشخاص' دو متضاد موقف کے حامل شمار کئے جاتے ہیں. چنانچہ موحد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مبداء اور معاد پر ایمان رکھتا ہو. اور شارع کے اوامر و نواہی پر یقین و ایمان رکھتا ہو ، اس کے اوامر کو اپنا نصب العین سمجھتا ہو اور نواہی سے

---

[1]، رفع شبہات ص ۳۰ [2]، عنقائے قاف غناص ۶۱۱ [3]، ایضاً ص ۶۳۹

گریز کرتا ہو۔

یہ تو معلوم ہے کہ مذہب توحیدی اصول اعتقادی، عدل، نبوت، امامت اور قیامت پر ایمان،، کا مجموعہ ہے، اس صورت میں موحد اس شخص کو کہا جائے گا جو کہ اسلام کے تمام آسمانی اصول پر ایمان رکھتا ہو اور جو کچھ مذہب کے اعتقادی اصول کے تحت فروع کے احکام بیان ہوتے ہیں ان پر عمل کرتا ہو تاکہ وہ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے راستہ کو طے کر کے موحدین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ لہذا موحد لا مذہب نہیں ہو سکتا ہے مگر یہ کہ صوفیوں کی بڑ ہو۔ وہی بات جس کا وہ صدیوں سے شور مچاتے چلے آرہے ہیں کہ صوفی تصوف کے اس رتبہ پر پہونچ جاتا ہے کہ جہاں وہ مذہب سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اس چیز نے اکثر صوفیوں کے باطن کو رئیس فرقہ کے تصور سے مملو کر دیا ہے لیکن اپنی صوفیانہ زندگی کی سیاست اور موحدین کے ڈر سے اس چیز کو زبان پر نہیں لاتے۔

ملا علی گن آبادی معروف بہ نور علی شاہ لکھتے ہیں: "صوفی موحد ہے، موحد لا محدود ہے، مذہب محدود ہے، اور وہ لامتناہی کی طرف مائل بہ پرواز ہے۔!"

ان کلمات سے وہی معنی سمجھ میں آتے ہیں جو صوفیوں میں رائج ہیں جن کو وہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

(۱) صالحیہ حقیقت ۲۲۳ ص ۳۰۶۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ابن الوقت، موحد، لامذہب، اور قلندر کے ایک ہی معنی ہیں۔

قرآن کی آیات شاہد ہیں کہ خدا کے نزدیک دین

اہانت اسلام

صرف اسلام ہے اس لحاظ سے اسلام سے کسی بھی قسم کی بے اعتنائی، حق تعالیٰ سے لاپروائی سمجھی جاتی ہے اور کبھی اسلام کی بے حرمتی اور بے اعتنائی، اگر اس سے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار ہوتا ہے تو، انسان کو کافر بنا دیتی ہے۔ کبھی ظاہری جسارت کرنے والے کی ستیزہ کاری کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ اسمیں پیکر اسلام پر شمشیر زنی کی طاقت نہیں ہے۔ لہذا ایسے کلمات والفاظ استعمال کرنا ہے جن کا کوئی مصداق نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ٹھیک کفر وایمان، ورسول خدا وابوسفیان، علی مرتضیٰ وابن ملجم اور حسین بن علی ویزید بن معاویہ کو ایک منزل پر قرار دیتا ہے، ایسی کج فکری کھوریں اسلام اور رہبران اسلام پر تلوار کے حملے سے کم نہیں ہے۔

تہران میں گنآبادی فرقہ کے شیخ جناب سید ہبت اللہ جذبی لکھتے ہیں: جس طرح برطانوی ہر پیش آنے والے واقعہ سے ہمیشہ سیاسی فائدہ اٹھاتے ہیں، مذہب اسلام بھی ہر نئے قضیہ سے سیاسی فائدہ اٹھاتا ہے[1] یہ صوفی ہی تھے جنہوں نے ہر واقعہ سے برطانیہ والوں کی طرح سیاسی فائدہ

---

(۱) رسالۂ جذبیہ ص ۹۴۔

اٹھایا ہے۔ جیسا کہ شیخ محمد حسن گنا آبادی معروف بہ صالح علی شاہ نے اس خط میں لکھا ہے جو کہ موصوف نے آیۃ اللہ العظمیٰ حاج سید ابو الحسن اصفہانی کی رحلت کے بعد جناب میرزا محمد صالحی آرانی کو لکھا تھا۔

دعا ہے کہ خدا تمام بھائیوں کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ مرحوم سید ابو الحسن اصفہانی طاب ثراہ جو کہ فروع اور احکام اسلامی میں شیعوں کے درمیان واحد مرجع تھے، ان کی موت نے سب کو متاثر کیا ہے۔ اور حسن اتفاق یہ ہے کہ ہر جگہ ہر ایک نے ان کی تجلیل کی ہے، یہ اتحاد و یگانگی اور دینی فعالیت پر ابھارنے اور اس شبہ کے ازالہ کا بہترین موقع تھا کہ علماء، فروع میں مرجع تقلید ہیں اور عرفاء جو کہ معرفت یافتہ اور معرفت کرانے والے ہیں دونوں دو فرقے سمجھے جاتے ہیں۔[1]

یا جس وقت آیۃ اللہ العظمیٰ حاج سید محمد رضا گلپایگانی نے خانقاہ اور اہل تصوف کے پاس آمد و رفت کو حرام قرار دے دیا تھا تو اس زمانہ میں جناب جذبی صاحب نے نہایت ہی نرم لہجہ میں قسم میں گنا آبادی فرقہ کے رئیس جناب سید محمد شریعت کو خط لکھا تھا۔[2] اور اسمیں مرجعیت کی طرف ناروا نسبت دی تھی۔ ایسی تحریریں، خصوصاً فرقۂ گنا آبادی کے شیخ مجاز جناب سید ہبۃ اللہ جذبی کے اعتراض نامہ سے شیعہ مرجعیت یعنی حجۃ بن الحسن العسکری روحی فداہ

---

(۱) نامہ ہای صالح ص ۱۳۰ نامہ ۱۳۶ (۲) متن نامہ در کتاب باب ولایت ص ۳۲ پر مرقوم ہے۔

کی شان میں گستاخی ہوتی ہے۔

اگر جناب جذبی صاحب دل سے اس بات کو تسلیم کرتے تھے یا انہیں اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ فقہاء امامیہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں حجت خدا کی حجت ہیں۔ تو اس بات کو سمجھ گئے ہوتے کہ فقہاء کے فتویٰ پر اعتراض کرنا حجت خدا پر اعتراض ہے۔

کیونکہ امام زمانہؑ کا ارشاد ہے: اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا فانهم حجتی علیکم وانا حجة الله۔[1]

پیش آنے والے مسائل میں ہماری احادیث نقل کرنے والے فقہاء و مجتہدین کی طرف رجوع کرو کہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں حجتِ خدا ہوں۔

اس لحاظ سے حجت خدا پر اعتراض خود خدا پر اعتراض ہے۔ جیسا کہ عمر بن حنظلہ نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

اپنے درمیان میں تم اس شخص کو تلاش کرو جو کہ ہماری احادیث بیان کرتا ہے۔ ہمارے حلال و حرام اور ہمارے احکام کو جانتا ہے۔ تم اس کی پیروی کرو، اس کے حکم کو تسلیم کرو۔ کیونکہ میں نے اسے تم پر حاکم بنایا ہے۔ اور وہ ہمارے حکم سے فیصلے کرتا ہے۔

---

(۱) تقلید حیثیت مولف آیۃ اللہ مشکینی۔

اگر اس صورت میں اس کے فیصلوں کو تسلیم نہ کیا جائے تو گویا
حکم خدا کی اہانت ہو گی۔ اور جس نے ہماری بات کو رد کر دیا
ہے گو اس نے حکم خدا سے سرتابی کی ہے اور یہ شرک ہے۔[1]

---

(1) احکام شیعیان ج ۱ ص ۱۵۱

غسل اسلام

آٹھویں صدی ہجری[1] سے صوفیوں میں غسل اسلام کی رسم چلی آرہی ہے تقریباً صوفیوں کے تمام سلسلوں میں مشرف ہونے سے قبل یہ غسل کرنا ضروری ہے یہ منجملہ ان نئی چیزوں میں سے ہے جنہیں صوفیوں نے مسلمان اور مبداء اور معاد، رسول ﷺ کی رسالت اور ائمۂ معصومینؑ کی امامت پر ایمان رکھنے والے ان افراد کے لئے وضع کیا ہے جو فقیری و درویشی کی طرف مائل ہوں۔

اور جب ان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا تم مسلمان اور اسلام کے تمام مبانی پر اعتقاد رکھنے والے کو کافر سمجھتے ہو؟ کہ صوفی ہونے سے قبل اسے غسل کراتے ہو۔

تو جناب سلطان حسین تابندہ رضا علی جیسے لوگ لکھتے ہیں: یہاں اسلام سے مراد اس خدا کے سامنے سراپا تسلیم ہونا ہے۔ چنانچہ جب تک آدمی شریعت مقدسہ کے سامنے سراپا تسلیم ہونے کا عزم کرتا ہے اور محض مطیع ہونا چاہتا ہے تو اس وقت وہ یہ غسل کرتا ہے اور اس میں کوئی حرج

---

(۱) فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے پیشوا سید عبداللہ برزش آبادی جب اپنے مرشد خواجہ اسحاق ختلانی کے پاس جانا چاہتے تھے انہیں غسل کا حکم ملا تھا۔ (روضات الجنان وجنات الجنان ج ۲ ص ۲۴۷)

نہیں ہے۔[1]

کیا جن صوفیوں نے غسل اسلام کیا ہے اور تمہارے واسطے سے فرقہ کے پیرو ہو گئے ہیں کیا وہی شریعت مقدسہ کے محض مطیع ہیں؟

میں اس سوال کا جواب ان ہی صوفیوں سے طلب کرتا ہوں کہ جو صوفی فرقوں کے سربراہوں کے بدست ان کے عقیدت مندوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں کہ کیا واقعی وہ شریعت نبویؐ کے مطیع محض ہیں؟ اگر غسل اسلام کے معنی بھی تسلیم ہونے ہی کے ہیں تو پھر دیکھنا چاہیے کہ صوفیوں کے فرق کے سربرآوردہ لوگوں کی نظر سے کون شخص تسلیم ہوا تھا۔

ملا سلطان حسین گنا آبادی لکھتے ہیں: ظاہری اور باطنی طور سے اپنے شیخ ولایت کے سامنے سراپا تسلیم ہونا چاہیے[2] اس صورت میں غسل اسلام کے معنی شیخ کے سامنے تسلیم ہونے کے ہوں گے۔

اسکا مفہوم یہ ہے کہ صوفی ہونے سے قبل وہ مسلمان نہیں تھا۔ جیسا کہ سلطان گنا آبادی لکھتے ہیں: رسول خداؐ نے ہجرت کرنے سے قبل مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بلایا اور انہیں تبلیغ کے لئے مدینہ بھیجا اور جو لوگ اسلام قبول کرنا چاہتے تھے وہ کنویں سے پانی نکال کر غسل کرتے تھے اور اسلام لاتے تھے۔[3]

---

(۱) رسالہ رفع شبہات ص ۲۱ (۲) ولایت نامہ ص ۲۸۴ (۳) رسالہ رفع شبہات ص ۲۳۔

غسل اسلام سے صوفی حضرات وہی طریقہ مراد لیتے ہیں جو کہ مصعب بن عمیر بن بنی ہاشم بن عبد مناف کا تھا وہ اس طرح کہ جب وہ کافروں کو مسلمان بنانا چاہتے تھے تو اس وقت انہیں غسل اسلام کا حکم دیتے تھے۔ صوفی حضرات بھی اپنی طرف بڑھنے والے انسان پر مہربانی فرما کر اسکا ہاتھ پکڑتے ہیں اور مصعب بن عمیر کی مانند اسے غسل اسلام دیتے ہیں۔

اس صورت میں یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ صوفیوں کے سربرآوردہ و سردار غیر صوفی کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں۔ صرف بحث کو خلط ملط کرنے اور محققین و قارئین کو گمراہ کرنے کے لئے لکھا ہے۔ بنابرایں اگر بلوغ کے بعد بھی اس نیت سے غسل کرلے تو در حقیقت اسکی قضا ہوگی اور ایک پسندیدہ کام ہے[1] اسوقت اس کی قضا سے کیا مراد ہے؟ کیا بلوغ سے قبل وہ کافر تھا کہ وہ غسل کی قضا کرے۔ مسلمان کے یہاں پیدا ہونے والے کیلئے ایسا کوئی حکم نہیں ہے، یہانتک کہ مستحب بھی نہیں ہے۔ ایسے نظریہ پر صرف ایک صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ اسکا تعلق بھی خود اس انسان سے ہے جو کہ بلوغ سے قبل ضروریات دین کا منکر ہو گیا ہو، اس صورت کے علاوہ یہ بدعت ہے۔ ثانیاً کاش! سلطان حسین تابندہ کتاب "صالحیہ" کہ جس کی وہ مجالس میں شرح کرتے ہیں۔ اپنے جد کے اس نظریہ پر توجہ کر لیتے۔ لکھتے ہیں: اسلام لانے والے کافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ غسل کرے۔

---

(۱) رسالہ رفع شبہات ص ۲۴۔

تاکہ اسکا بدن کثافت سے پاک ہو جائے! پس غسل اسلام کا مطلب درویشی کے طالب کے اسلام کو قبول نہ کرنا ہے۔

صوفیوں کی اس بدعت کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے غسل تعمید شاید اسکی رسوم بھی اسی سے لی گئی ہیں۔

اعمال رسولان میں بیان ہوا ہے جب شمعون بھی ایمان لے آیا، اور غسل عیسوی کر لیا تو پھر ہمیشہ فیلبس کے ہمراہ رہتا تھا۔[2]

صوفیوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے جب وہ کسی کو تصوف کی طرف مائل پاتے ہیں تو اسے اپنی محفل میں جگہ دیتے ہیں، اور اس کی فرقہ کے رئیس اور تمام صوفیوں سے ملاقات کراتے ہیں۔ اور جب تک اس کے اندر ایمان اور اعتقاد کی کرن نہیں دیکھتے اسوقت تک اسے غسل اسلام کا حکم نہیں دیتے ہیں۔ جیسا کہ اعمال رسولان[3] میں بیان ہوا ہے: درمیان راہ انہیں ایک جگہ پانی ملا خواجہ نے کہا یہ پانی ہے، غسل تعمید کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فیلبس نے کہا: جب صدق دل سے ایمان لے آئے تو غسل کرنا جائز ہے[3]

صوفی ہونے کے وسائل

جب صوفی حضرات تصوف کی طرف مائل شخص میں صوفی ہونے کی لیاقت پاتے ہیں تو اس وقت اس سے قطب کہتا ہے: باریابی کے اسباب فراہم کرد

---

(۱) صالحیہ طبع دوم ص ۳۰۸ حقیقت ۲۲ ۵ (۲) اعمال رسولان باب ۸ شمارہ ۱۳

(۳)، اعمال رسولان باب ۸ شمارہ ۳۶۔

تاکہ میں باریابی کا وقت معین کروں۔[1]

جب صوفی ہونے کے وسائل فراہم ہوجاتے ہیں تو وہ صوفیوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ اس لئے صوفی بننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک سفید کپڑا جو کفن کے برابر ہو، تقریباً سّشکر ، ایک عدد جوزہندی، سکہ، انگشتری مہیا کرے صوفی ان پانچ چیزوں کو "وصلہ" کہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا خاص مفہوم ہے۔ مثلاً اخروٹ لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پیر طریقت کی خدمت میں سر لائے ہیں کہ ان کے سپرد کریں[2] اس جگہ جائیں جہاں پیر طریقت یا اسکا نمائندہ بھیجے۔

باریابی کا طریقہ صوفی حضرات کہتے ہیں تصوف سے شغف رکھنے والے کا جب ملحق ہونے کا زمانہ آتا ہے "خلوت میں کوئی بھی اس تک نہیں پہونچ سکتا، خواہ وہ قطب کا دبیعہد ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر قطب بطور خاص کسی کو یہ اجازت دیں کہ وہ بھی حاضر ہوجائیں تو وہ بھی وہاں جاکر بیٹھ سکتا ہے۔ کسی کام اور بات میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔ بعض خلوت کو شرط نہیں سمجھتے ہیں۔ صرف قطب قبلہ رو بیٹھتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ایسی بکری کی کھال پر بیٹھے جسمیں کوئی نقص نہ ہو۔ اور پھر گذشتہ اقطاب اور مریدوں سے کہے کہ وہ دلیل بائیں جانب، قبلہ کی سمت کھڑے ہوں۔

---

(۱) استوار ص ۱۲۶ (۲) استوار ص ۱۲۴

اور وہ پانچ چیزیں جو لائے ہو انہیں اپنے سامنے زمین پر رکھ دو،

پھر دلیل کو اشارہ کرتا ہے کہ وہ اپنا فریضہ انجام دے، پیر طریقت مرید سے کہتا ہے، پابرہنہ، سر برہنہ ہو جاؤ۔ اور آستینوں کو بازوؤں سے اوپر چڑھا لو، اور پیٹھ سے چادر ہٹا لو، اور اپنے لباس کے ہر بند کو۔ سوائے آزار بند کے! کھول دو، کہ تخلیہ کے یہی معنی ہیں، پیر طریقت خود بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ عبا، یا احرام یا جو کچھ بھی دوش پر پڑا ہوتا ہے اسے اتار دیتا ہے یا جوراب، ٹوپی، اور شال وغیرہ وہیں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ لوٹ کر اٹھالیں پھر مرشد جھک کران پانچ چیزوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور بائیں ہاتھ میں مرید کے ہاتھ کو ٹکڑاتا ہے۔ اور دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ نصف منزل طے کرنے کے بعد، دونوں سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت کو زمین پر رکھتے ہیں اور ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر قطب پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور دونوں سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ سجدہ کی کوئی مخصوص دعا نہیں ہے۔

سجدہ سے اٹھ کر پھر قطب کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مرشد اپنے دائیں ہاتھ سے نہایت ہی عقیدت سے قطب کا دایاں ہاتھ پکڑتا ہے۔ اسے بوسہ دیتا ہے اور وہ پانچوں چیزیں قطب کے ہاتھ میں دیدیتا ہے۔ قطب اسی صدق وصفا کے ساتھ اگر وہ چیزیں ہلکی ہوتی ہیں اور اپنے ہاتھ پر رکھ سکتا ہے تو انہیں لے لیتا ہے۔

قطب انہیں زمین پر رکھ دیتا ہے اور مرید کے دائیں ہاتھ کو مرشد کے ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اور والہانہ طور پر اپنے ہاتھ میں ہاتھ لیکر تین بار نالہ کر کے استغفار کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتے ہوئے گریہ کناں مرشد و مرید توبہ و استغفار کے صیغے پڑھتے ہیں، اس کے بعد مرید کی طرف رخ کر کے اور عقد صفا کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں یہ بیعت الٰہیہ کا طریقہ ہے، سارے انبیاء خدا کے لئے بیعت لیتے تھے، میں خدا کی طرف سے تم سے بیعت لیتا ہوں کہ ان پانچ چیزوں کو اپنے ذمّہ سمجھو!

اس سے یہ پانچ عہد لئے جاتے ہیں۔

(۱) اس بیعت کو اہم سمجھے گا۔

(۲) تمام لوگوں سے محبت کرے گا خواہ وہ کافر و دشمن ہی ہوں۔

(۳) آج سے بارہ سال تک مفت میں میری خدمت کرے گا، ہر دینوی کام میں میری اطاعت کرے گا۔

(۴) باریابی کے معاملات اور ذکر کو دل میں چھپائے رہے گا۔

(۵) جس وقت میں چاہوں گا تمہیں دیگ چڑھانی ہوگی۔

ان پانچ چیزوں کے عوض اس سے یہ بھی کہتا ہے: میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ اپنے دل کو اپنے دل ہی کی نظر سے دیکھو!

---

(۱) یہ رسوم کتاب استوار کے ص ۱۱۵ سے ۱۱۹ تک نقل ہوئے ہیں۔

ذکر قلبی

جب وہ صوفیوں کے حلقہ میں جذب ہو جاتا ہے تو پھر وہ زبان سے دعائیں پڑھنے اور لسانی ذکر اوراد سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت پڑھ سکتا ہے لیکن پیر طریقت کی اجازت سے، جیسا کہ مرحوم عباس علی کیوان قزوینی، منصور علی شاہ شیخ مجاز گنآبادی لکھتے ہیں: اعمال وعبادات اور معارف کا صحیح ہونا قطب کی اجازت پر موقوف ہے اگر اجازت ہے تو صحیح ہے ورنہ باطل ہے۔ اور خدا انہیں قبول نہیں کرتا ہے اگرچہ خلوص نیت کے ساتھ ہی کیوں نہ انجام پائے ہوں کیوں کہ نیت کے خالص ہونے کا مقصد یہ ہے کہ قطب سے خلوص ہو، کوئی بھی خدا کا مخلص نہیں بن سکتا صرف قطب کی راہ سے خدا سے خلوص ہو سکتا ہے۔[1]

چونکہ نئے شامل ہونے والے کو دعائے کمیل، دعائے صباح، دعائے سمات، دعائے ابوحمزہ ثمالی، دعائے عرفہ اور دعائے خمس عشر سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ لہذا اسے ذکر قلبی دیا جاتا ہے۔ صوفی فرقوں میں ذکر قلبی ایک ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک نے اپنی عقل سے خدا کے دو اسماء کو ملا لیا ہے اور نئے صوفی ہونے والے کو خدا کے اسم اعظم کے عنوان سے دیتے ہیں۔

---

(۱) استوار نامہ ص ۱۹۲۔

صوفی ہونے کے ہم نے جو وسائل و مقدمات بیان کئے ہیں وہ صوفیوں کی بدعت ہے. چونکہ اسکا قرآن اور سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہی رسولؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے زمانہ میں ایسی کوئی رسم تھی لہٰذا اسے بدعت سمجھنا چاہئے. جیسا کہ مرحوم کیوان عرصۂ دراز تک تصوف و صوفیوں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ، حلقۂ تصوف میں شامل ہونے کی رسوم کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ رسولؐ کے زمانہ میں یہ رسوم تھیں. ۱؎ (استوار نامہ ص ۲۱۴)

زمانۂ رسولؐ میں ثروت مند اور مالدار لوگ جن

صدقۂ مشورت چیزوں کے بارے میں چاہتے تھے آپ سے مشورہ لینے پہونچ جاتے اور غریب و مفلس لوگوں کے لئے وقت ہی نہ چھوڑتے تھے لہٰذا یہ آیت : یا ایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرّسول فقدّموا بین یدی نجواکم صدقۃ[۲]۔ نازل ہوئی اور یہ حکم ہوا کہ جو بھی رسولؐ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے وہ اس سے پہلے صدقہ دیدے یہ چیز رسولؐ سے مختص تھی لیکن صوفیوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا، اور اپنے فرقہ کے پیر کو رسولؐ کا ہم رتبہ و ہم پلہ سمجھ کر یہ دستور بنا دیا کہ صوفیوں میں سے جو بھی پیر طریقت سے اتنا نزدیک ہونا چاہتا ہے کہ گفتگو کر سکے تو قرآن کے فرمان کے مطابق صدقہ دے۔

اجازت، بیعت اور نیابت والی بحث میں ہم صوفیوں کی بدعتوں کو بیان کرینگے جو رسولؐ اور ائمہ کے زمانہ میں نہیں تھیں۔

خوش قسمتی سے شیعہ علماء نے ولایت

---

(۲) سورۂ مجادلہ : ۱۲

ولایت سے استفادہ کے موضوع پر بہت سی کتابیں اور رسالے تحریر کئے ہیں کہ جن کی وجہ سے ولایت سے، راہ راست سے بھٹکے ہوئے کسی قسم کا غلط فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ آثار ہر قسم کے اعتراض واشکال کا مسکت و مستدل جواب ہیں۔

صوفیوں نے بھی اس موضوع پر اہل تصوف کے مذاق کے مطابق خامہ فرسائی کی ہے ان تحریروں کی کجرویوں کو ہم کسی اور رسالہ میں نقل کریں گے۔ فی الحال ضرورت کے مطابق پیش کر رہے ہیں۔

ولایت میں تحریف سب سے پہلے تحریف کی شناخت ہونی چاہئے۔ ابن منظور لکھتے ہیں: حرف، انحراف، تحریف، واحریراف (حرف علیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، یعنی کسی چیز سے رخ ومیلان کو ہٹانا) تحریف القلم، یعنی بصورت کج قلم چلانا، قلم محرف یعنی جس قلم کو ٹیڑھا تراشا گیا ہو۔ تحریف الکلم عن مواضعہ۔ یعنی کسی کلمہ کو اس کی جگہ سے ہٹانا۔ لفظ تحریف قرآن مجید میں بھی آیا ہے، قرآن کہتا ہے: یہودی توراۃ کے کلمات کو ان ہی جیسے الفاظ سے بدل دیتے ہیں۔

خدا نے ان کی حرکت کو اس طرح بیان کیا ہے: یحرفون الکلم عن مواضعه.[1]

قرآن مجید میں تحریف کے مشتقات چار جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں، تیسری بار استعمال ہونے والا پہلے دو موقعوں سے مشابہ ہے، چوتھی بار فرماتا ہے: وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه.[2]

اور یقیناً ان میں سے ایک گروہ ایسا ہی تھا جو کلام خدا کو سن کر اسمیں تحریف کر دیتا تھا۔ حالانکہ اسے سمجھتے بھی تھے۔ ولایت سے متعلق احادیث میں تحریف کے دو عوامل واسباب نظر آتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک نے محرک کی بنار پر حدیث گڑھی اور اسمیں تحریف کی ہے، ان میں سے ایک، صوفی حضرات اور زاہد لوگ تھے، انہوں نے حدیث ولایت کو سب کے لئے عام کرنے کی بنار پر ولایت میں تحریف کی اور اپنی طرف سے گڑھکر کچھ باتیں اسلام اور آسمانی شخصیتوں کی طرف منسوب کر دیں تاکہ صوفیوں کے ولی شیعہ ائمہ کے برابر آجائیں۔

علامہ ہاشم معروف الحسنی کے بقول ،، صوفیوں نے غلط راستہ اختیار کیا اور تفسیر ولایت کے سلسلہ میں ایسی یاوہ گوئی پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اپنے اولیار کو، انبیار پر فوقیت دی۔

---

(۱)، نسار آیت ۴۶ (۲)، بقرہ: ۷۵

کیونکہ ان کے اولیاء کا براہ راست خدا سے ربط ہے. جبکہ پیغمبرؐ کا ربط، پیغمبرؐ ہوتے ہوئے بھی حاملان وحی کے ذریعہ خدا سے ہوتا ہے. صوفی ابوالغیث بن جمیل سے نقل ہوا ہے کہ: ہم جس دریا کی تہ تک پہونچ چکے ہیں انبیاءؑ اسکے کنارے پر ہیں... اولیاء نور کے منبر کے اس زینہ پر ہیں کہ جن پر انبیاءؑ وشہداء ان پر رشک کرتے ہیں. گیلانی سے نقل ہوا ہے کہ اس نے کہا: اے انبیاء کہ جنہیں نبی کا لقب دیا گیا ہے ہم گروہ اولیاء کو وہ عطا ہوا ہے کہ جو تمہیں نہیں ملا.!

مختصر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے ولایت نامے لکھے ہیں ۱

تحریف وجعل کیا، چنانچہ ہر صوفی ہر عہد میں اپنے کو خاتم الاولیاء کہتا ہے جیسے محی الدین عربی تم اس آیہ مبارکہ کے مطابق. وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ.. پوشیدہ طور پر ولایت میں تحریف کی ہے اگر ہم اس کی مثال پیش کرنا چاہیں، انہیں ولایت ناموں کے کچھ حصول کی وضاحت ناگزیر ہے. لیکن صوفیوں کے تمام ولایت ناموں کا ماحصل یہ ہے کہ انہوں نے ولایت کی اپنے حسب منشاء تشریح وتفسیر کی ہے تاکہ اس ردّ وبدل سے وہ ولایت کی عبا کو ہر سر نہ تراشیدہ صوفی کو پہنا سکیں بعیت صوفیہ کی بحث میں ہم اسکی طرف اشارہ کریں گے.

صوفیوں نے ولایت میں تحریف کرتے ہوئے اس کی دو قسمیں ۱

---

۱) تصوف وتشیع. تالیف معروف الحسنی ترجمہ ص ۳۵۴ - ۳۵۵.

عامہ و خاصہ بیان کی ہیں۔ پھر اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ہر مومن ایمان اور قرب خدا کے اعتبار سے ولایت کے ایک درجہ پر فائز ہے یہ ولایت تمام مومنین کے لئے ہے اس لئے اسے ولایت عام کہتے ہیں۔ [1] ولایت خاصہ کے بارے میں کہتے ہیں: یہ ان لوگوں سے مخصوص ہے کہ جن کا حق سے قرب سفر اول[2] کی انتہا پر ہو اور خواص سے مخصوص ہو۔[3]

ولایت خاصہ جو لوگ فنا فی اللہ ہو گئے ہیں اور انسانی خواہشات کے اعتبار سے مر چکے ہیں صوفیوں کے عقیدہ کے لحاظ سے ائمہ معصومینؑ بھی اسی طبقہ میں ہیں اور وہ ولایت خاصہ پر فائز ہیں۔

یہاں بھی صوفیوں نے نہایت ہی رازدارانہ طور سے ولایت خاصہ کی تقسیم کی ہے اور حریم امامت وعصمت میں اپنے پیران طریقت کے لئے راہ کشائی کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ فرقۂ ذہبیہ کے راس و رئیس مجد الاشراف لکھتے ہیں: سلسلۂ ولایت الٰہیہ کے ہر زمانہ میں دو حصے رہے ہیں، ایک کلی کہ جس کو ولایت کلیۂ مطلقۂ الٰہیہ کہتے ہیں، اور دوسرا جزی ہے، اسے ولایت جزئیہ کہتے ہیں۔

---

(۱) خورشید تابندہ ص ۱۳ (۲) سفر اول اسفار اربعہ میں سے ہے۔ صوفیوں کا خیال ہے کہ اس سفر میں انسان فنا ارادی تک پہونچ جاتا ہے اور فنا فی اللہ ہو کر اس کے صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ (۳) خورشید تابندہ ص ۱۳

بعبارت دیگر اول کو ولایت شمسیہ اللہیہ کہتے ہیں اور دوسرے کو ولایت قمریہ کہتے ہیں[1]

جناب حاج علی تابندہ اسکے برخلاف کہ ان کے اسلاف جوکہ ولایت کی اس تقسیم بندی کو قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ اس فرقہ کی پیروی نہیں کرنا چاہتے تھے جس کو وہ قبول نہیں کرتے تھے اسطرح وہ بدعت دریافت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور سنت شکنی کرکے اس ولایت کی تقسیم بندی کی ہے جو کہ آئمۂ معصومینؑ سے مختص ہے، لکھتے ہیں: کلیہ شمسیہ اور جزئیہ قمریہ، ولایت شمسیہ پر وہ اشخاص فائز ہیں جن کا نور آفتاب کی مانند بالذات ہے جبکہ ولایت قمریہ ...[2]

ولایت کو عام کرنا

ولایت کی ایسی تعریف و تقسیم سے، جوکہ در حقیقت ولایت میں تحریف ہے، ولایت کو عام کرنا ہے یعنی ولایت کو عمومیت دینا ہے۔

اسطرح صوفیوں نے تصوف کے پیران طریقت کو ولایت مطلقہ کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ اس مقام پر جوکہ مقام عصمت ہے۔ چنانچہ فرقۂ ذہبیہ کے پیر طریقت مجدالاشراف لکھتے ہیں: ولایت جزئیہ صاحب ولایت شمسیہ کے مشکوٰۃ سے کسب کردہ نور ہے۔ ہر زمانہ میں وہ چاند کی مانند سورج سے نور لیتا ہے[3]۔

---

(۱) تحفۃ الوجود ص ۶ و ۷ (۲) خورشید تابندہ ص ۱۳ و ۱۴ (۳) تحفۃ الوجود ص ۱۴۔

گنا آبادی فرقہ کے رئیس درمیں علی تابندہ کا نظریہ ہے کہ ولایت جزئیہ ، اولیاء جزء سے مربوط ہے جو کہ چاند کی مانند سورج سے نور ولایت کسب کرتے ہیں۔ اور ان کی ولایت بالعرض ہے۔ نہ بالذات[1]۔

اسطرح صوفیوں نے ولایت کو بھی عام کر دیا ہے تاکہ صوفیوں کے راسؤ رئیس افراد کو ولایت قمریہ کے عنوان سے تمام لوگوں سے بلند اور ولایت کلیہ الٰہیہ سے کم درجہ پر قرار دے سکیں۔

ولایت قمریہ یا نیابت خاصہ

حضرت حجۃ بن الحسن العسکری روحی فداہ کی حیات کو دو صوتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک غیبت صغریٰ ۲۔ غیبت کبریٰ۔

چونکہ امام حسن عسکریؑ کے حکم سے آپکی ولادت کو مخفی رکھا گیا تھا۔[2] اور اس بات کے پیش نظر کہ امر ولادت بالکل مخفی نہ رہے فوراً عقیقہ بھی کیا تھا اور عقیقہ کے گوسفند کو ایک جماعت کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجدیا تھا کہ یہ میرے بیٹے محمد کا عقیقہ ہے۔

اس طرح حجت بن الحسن روحی فداہ کی ولادت سے ۶۹ سال تک کے زمانہ کو غیبت کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ۶۹ سال تک آپ امور مسلمین اور نبی اکرم کے جانشین و خلیفہ تھے۔

ان ۶۹ برسوں میں کہ جن کو غیبت صغریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے، آپ اپنے

---

(۱)، خورشید تابندہ ص ۱۴۱ (۲)، بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۵ (۳)، ایضاً۔

خاص قریبی نائبوں۔ ابو عمرو عثمان بن سعید عمری۔ متوفی ۳۰۲/۴۔ ابو جعفر بن محمد بن عثمان بن سعید متوفی۔ ۳۰۵/۴۔ شیخ ابو القاسم حسین بن روح نوبختی متوفی۔ ۳۲۰۔ اور ابو الحسن علی بن محمد سمری ۳۲۸/۹ کے ذریعہ امت اسلامیہ کے امور کی وضاحت فرماتے تھے۔

غیبت صغریٰ کے ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اب نیابت خاصہ کا زمانہ تمام ہو گیا ہے۔ اور زمانۂ غیبت کبریٰ کے شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ۔ عام نائبوں کی مرجعیت و زعامت کا دور آ گیا ہے اور پھر امام زمانہ عج روحی فداہ کے نمائندے، ابو الحسن محمد بن جعفری اسدی،، حاجز بن یزید وشار اور احمد بن اسحاق قمی کی بھی یہی ذمہ داری تھی۔

صوفیوں کے نزدیک ولایت قمریہ کے یہ معنی ہیں کہ یہ نیابت خاصہ جاری و ساری ہے۔ جبکہ امام زمانہؑ نے اپنے اس آخری فرمان میں جو ابو الحسن بن محمد سمری کے نام لکھا تھا۔ کہ جس میں ان کے انتقال کی خبر دی تھی، اس میں ان کی خدمات کو سراہا تھا۔ اور اپنی نیابت خاصہ کے ختم ہونے کا بھی اعلان کیا تھا، اور منصب اور رویت کے دعوے دار کو جھوٹ قرار دیا تھا۔

ولایت کا چشمہ صوفیوں نے امام معصومؑ ہی کے زمانہ میں خاندان عصمت و طہارت کی فقہ کو چھوڑ کر دوسری فقہ اختیار کر لی تھی اور عملی طور پر ۱۵ ائمہؑ کی امامت کے منکر ہو گئے تھے، ہر ایک اپنے کو غیر از تشیع مذہبی امام سمجھتا تھا۔ اور آل محمدؐ کی امامت کے زمانہ میں فقہ آل محمدؐ کے علاوہ دوسری فقہ

کی ترویج کرتے تھے گویا امامت سے الگ ولایت کے وجود میں آنے کی زمین ہموار کر رہے تھے۔

غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ولایت شمسیہ ایسا خیالی تانہ بانہ تھا جیسا کہ صدر اسلام میں خلافت و ولایت کو غدیر کی امامت سے جدا کر دیا گیا تھا۔ امامت سے الگ ولایت کا نظریہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں بنا، صوفیوں نے غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ولایت و زعامت اور ولایت و خلافت کے مقابل کہ تشیع میں جس کا مصداق و مظہر معین ہے۔ ولایت قمریہ کے نظریہ کو فروغ دیا، یعنی زمانۂ غیبت کبریٰ میں امام معصومؑ کی امامت کے بغیر ولایت قمریہ کے وقوعہ کی ترویج کی تاکہ ولایت کو تخصیص سے جدا کر کے اسے عام کر دیں اور اسے جزئی طور پر پیش کر کے ولایت قمریہ کو محکم کر دیں۔ اور غیبت کبریٰ کے زمانہ میں نیابتِ خاصہ کے منصب کو، غیبت صغریٰ کے زمانہ میں نواب اربعہ کی صورت میں نہیں بلکہ اسے صرف نوابِ اربعہ کے نمائندوں کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ملا گنا آبادی، معروف بہ نور علی شاہ ثانی لکھتے ہیں: اہل عرفان کی اصطلاح میں ان کے نائب عام مجیز کے تمام امور میں ماذون و مجاز ہے اور نائب خاص وہ ہے جو کہ معین شغل کا اجازہ رکھتا ہو۔ جیسے فتویٰ، جماعت و جمعہ، شرعی حقوق لینا یا قضاوت وغیرہ![1]

اس کے آخر میں لکھتے ہیں: درادیش جو کہ نیابت خاصہ کے قائل

---

[1] صالحیہ طبع دوم ص ۲۸۸ حقیقت ۲۸۸ ۲۳۶۔

ہیں اگرچہ وہ نیابت خاص و عام دونوں کے قائل ہیں. لیکن اس سے معنیٰ اول ہی مراد لیتے ہیں[1] یعنی وہی بات جو حقیقت ۲۸۸ کے شروع میں کہی ہے۔

صوفیوں نے اپنے پیران طریقت کو ان "رواتِ حدیث" یعنی نواب عام کی صف میں بٹھا دیا ہے۔ کہ جن کو امامؑ نے خلق خدا پر حجت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرقۂ ذہبیۂ اغتشاشیہ کے سردار مجد الاشراف لکھتے ہیں: پیر عشق — صوفیوں کا قطب — وہ شخص ہے جو معصوم امام تک کسی کی راہنمائی کرے۔ پیر عشق کے بغیر ناممکن ہے کہ سالک اپنا مقصد یعنی معرفت حجۃ اللہ، حاصل کر سکے[2] ملا سلطان گنا آبادی لکھتے ہیں: عزیز من! اگر تم ملکوت کی راہ پر گامزن ہونا، اور نور ملکوت کے نور سے نور حاصل کرنا چاہتے ہو، اور پرچم امام زمانہؑ کے تلے پہونچنا چاہتے ہو اور مجاہد فی سبیل اللہ بننا چاہتے ہو تو اپنے نفس کی غلامی سے نجات حاصل کرو اور اور ولایت کی ارکے بندے بندھ جاؤ۔ شیخ مجاز کے ہاتھ میں ہاتھ دیدو تب تم اپنے دل کو ملکوت سے متصل کر سکو گے[3]

نیز ملا علی گنا آبادی معروف بہ نور علی شاہ گنا آبادی لکھتے ہیں:

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں وکلاء مدت معین تک جزوی اور ظاہری اطلاعات کے سفیر ہیں اور رجال واولیاء کلی وباطنی سفیر ہیں[4] یعنی صوفیوں کے پیران طریقت باطنی ودائمی وکیل ہیں۔

---

(۱) صالحیہ طبع دوم ص ۲۲۶ حقیقت ۲۸۹ (۲) تحفۃ الوجود ص ۱۷ (۳) بشارت المومنین مقدمہ ص ۲۲ – (۴) صالحیہ طبع دوم ص ۲۲۳ حقیقت ص ۲۸۰ –

روایت سے استناد

صوفی حضرات ولایت کو عام کرنے کے بعد ہر فرقہ کے رأس ورئیس کو کسی سند سے ولی کہتے ہیں اور "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة الجاھلیہ" [1] کے اعتبار سے اسکی معرفت کو ضروری جانتے ہیں۔ جبکہ یہ روایت معصوم امامؑ سے مخصوص ہے۔

ملا علی گن آبادی لکھتے ہیں: تربیت کرنے والے اور محرک۔ یعنی صوفیوں کے سردار کیلئے ضروری ہے کہ بالقوۃ یا بالفعل ہونا ایک ایسی چیز ہے جو محرک کے بغیر نہیں اور حق، حق سے دور ہے اگر خلق میں واسطہ وآئینہ نہ ہو تو اس تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ مسدود راہ کو طے نہیں کیا جاسکتا۔ اور احببتُ انْ اعرف کا ظہور بغیر ظہور کامل کے نہیں ہو سکتا ہے اور کامل ظہور کے بغیر خلقت کا نتیجہ، والاجلاث حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ [2]

دوسری حدیث

معصومؑ کا ارشاد ہے اگر لحظہ بھر کے لئے زمین حجت خدا کے وجود سے خالی ہو جائے تو زمین اپنے باشندوں سمیت دھنس جائے۔ حجت خدا انہیں پہچانتے ہیں مگر لوگوں کو ان کی

---

(۱) الغدیر ج۱۰ ص ۳۶۰۔ (۲) صالحیہ ص ۲۱۶۔ حقیقت ۲۶۹۔

معرفت نہیں ہے۔ [1]

شیخ محمد حسن گنا آبادی، معروف بہ صالح علی شاہ لکھتے ہیں: چونکہ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے اور شیعوں کا اہل سنت سے اور غیر شیعہ سے یہ امتیاز ہے کہ وہ کبھی بشمولیت اہل طریقت۔ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ زمین کسی زمانہ میں بھی حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور اہل طریقت امام غائبؑ کے حقیقی نمایندہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ شیعوں کے اس قول کے، کہ ہر زمانہ میں خلیفۃ اللہ کا وجود ضروری ہے۔ وہی معنی ہیں جو کہ صراحت کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ [2]

ملاحظہ فرمائیں کہ صوفیوں کے اس پیر نے روایت « ولو خلت الارض ساعۃ واحدۃ من حجۃ اللّٰہ لساخت الارض باھلھا » کو اپنے اور اپنے جیسیوں سے مختص کر لیا ہے جبکہ حجت بن الحسنؑ کے عام نائبین میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے۔

اولیاء باب ولایت کا جز

ان بحثوں کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ صوفی لوگ اپنے لئے ایک قسم «ولایتِ قمریہ» کے قائل ہیں اور جسے یہ ولایت نصیب ہوتی ہے وہ نیابت خاص کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔

---

(۱) پیام امام زمان از وحید خراسانی ص ۴۲ (۲) یادنامۂ صالح ص ۲۳۰۔

اور ذہبیہ اغتشاشیہ ؎ کے سلسلہ والے خود کو نائب باب اللہ الاعظم جانتے ہیں اور بابِ ولایت کہلاتے ہیں! یعنی جس طرح چاند سورج سے کسب ضیاء کرتا ہے اور دوسرے چاند کی روشنی سے فیض حاصل کرتے ہیں ہی طرح صوفیوں کا پیر طریقت اس منزل پر فائز ہوتا ہے کہ جہاں سے وہ چاند کی مانند شمس ولایت امام زمانہؑ سے کسب ضیاء کرتا ہے اور اپنے گرد و نواح والوں کو نور عطا کرتا ہے۔

فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے رئیس لکھتے ہیں: چونکہ خود صاحب نفقہ محمدی حجت اللہ حکم خدا سے پردۂ غیبت میں ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ لہذا آئینۂ ولایت کا جزء ولی ہمیشہ لوگوں کے درمیان رہتا ہے اور عالم و آدم بلکہ تمام اشیاء کی تربیت کرتا ہے۔ اسلئے اسکو مربیؑ عالم کہتے ہیں جو کہ سورج سے کسب ضیاء کرتا ہے۔ ؎۲

شیخ محمد حسن گنا آبادی، صالح علی شاہ بھی جناب محمدی سلیمانی تنکابنی کے اجازہ میں لکھتے ہیں: چونکہ مظہر ولایتِ مطلقۂ کلیہ سلام اللہ کی غیبت کے بعد کہ بالمشافہ کوئی آپؑ سے گفتگو نہیں کر سکتا ہے لہذا ولایت جزئیہ کا باب وا ہوا اور انہیں روایت و درایت کی اجازت دی گئی اور اس زمانہ میں یہ شرف عنایت الٰہی سے ذرۂ بے مقدار، محمد حسن صالح علی شاہ عفر ذنوبہ کو حاصل ہے۔ ؎۳

---

(۱) مناجات خمسہ عشرہ طبع آقائی چراغ ص ۵۱ (۲) قوائم الانوار ص ۳۹

(۳) نامہ ھای صالح ص ۲۹۔

صوفی لوگ اپنے پیرانِ طریقت کو حق ، اور لوگوں کے درمیان واسطہ سمجھتے ہیں ۔ ملا علی گن آبادی نے بھی ایک داستان کی صورت میں اس کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

مرید کو ابتداءً بغیر واسطہ ومظہر کے حق اور علی سے توسّل نہیں ہوتا ہے ۔ بایزید یا علی کہتے تھے اور سطح آب پر چلتے تھے ۔ اتباع کرنے والے اس کے حکم سے یا بایزید کہتے تھے اور پانی پر چلتے تھے ۔ ان ہی میں سے کسی نے سنا اور یا علی کہہ کر سطح آب پر قدم رکھا تو وہ ڈوبنے لگا اسے نجات دلائی اور کہا تم پہلے بایزید تک رسائی حاصل کرو اسکے بعد علی تک پہونچنا !

ایسے گڑھے ہوئے قصّے ، جو کہ کبھی بایزید کی طرف ، کبھی شمس تبریزی کی طرف ، کبھی مولانا کی طرف کبھی شہاب الدین ابو حفص سہروردی کی طرف اور سعدی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ، ان دعوں کو ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ خلاف حجۃ بن الحسن روحی فداہ کی توقیع ہے ۔

صاحب الامرؑ کی مخالفت

غیبت کے زمانہ میں ، صوفیوں نے جو چیز صوفیوں کی ولایت قمریہ کے عنوان سے پیش کی ہے ۔ اور اپنے اس دعوے کے اثبات پر کوئی دلیل قائم نہیں کرسکے ہیں اس سے انہوں نے حضرت حجۃ بن الحسن روحی فداہ کے امر کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپؑ نے جو آخری توقیعِ مبارک ابو الحسن علی بن محمد سمری کے نام صادر کی ہے

---

(۱) صالحیہ ص ۲۳۴ حقیقت ۵۹۹ ۔

اس میں نیابت خاصہ کے ختم ہونے کا اعلان کیا ہے اور نیابت عامہ کے آغاز کا ذکر کیا ہے۔ اور اس زمانہ میں لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی مسائل دریافت کرنے، حل مشکلات کے لئے اور فردی اجتماعی زندگی کے لئے امام زمانہؑ کے عام نائبین سے مستفید ہوں، زمانۂ غیبت میں ان کی بات معتبر ہے اور اس پر ایسے ہی عمل کرنا ضروری ہے جیسے امامؑ کے فرمان پر۔ ”واما الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیھا الیٰ رواۃ احادیثنا فانھم حجتی علیکم وانا حجۃ اللّٰہ علیکم“

تم پیش آنے والے حوادث و مشکلات میں ہماری احادیث بیان کرنے والوں سے رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں تم پر خدا کی حجت ہوں۔

مرحوم صاحب جواہر فرماتے ہیں کہ اس کلام سے امامؑ کی مراد یہ ہے کہ جن امور میں، میں تم پر حجت ہوں۔ انہیں میں فقہا بھی تم پر حجت ہیں۔ البتہ[1] آیات و روایات کی استناد سے مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال، اسلام کی حفاظت، اور احکام کی تبیین، اور دستوراتِ دین کا اجرا زمانۂ غیبت میں ولی فقیہ کے ذریعہ ہونا چاہیے۔

اس طرح اس زمانہ میں جس تحریک و نظریہ پر عمل کیا جائے گا وہ بلا تردید امام زمانہؑ کے فرمان کے خلاف اور قرآن و سنت کے خلاف ہوگا اور صوفیوں کے گڑھے ہوئے ولایت قریہ کا نظریہ بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) جواہر ج ۴ ص ۱۸۔

لوگوں پر ولایت

کچھ ایسی روایات بھی ہیں کہ جن سے صریح یا ضمنی طور سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بغیر امامت کے ولایت کو تسلیم کرنا خدا اور رسولؐ اور امت اسلامی سے خیانت ہے۔ انہیں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ لوگوں پر ولایت کا حق کس کو ہے اور اس کی کیا برکات ہیں، ان سے صوفیوں کی خیال باقی کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ اور یہ اسلامی معاشرہ میں ایسے شخص کے حقیقی منصب کو معین کرتی ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں وہ اسلامی معاشرہ میں ایک حاکم کا وجود ناگزیر ہے جبکہ جو کمزوروں کا حق دلائے اسلامی دشمنوں سے جنگ و مبارزہ کرے، صدقات وصول کرے اور راستوں کو محفوظ بنائے![1]

حضرت امام رضاؑ ایک طویل حدیث کے ذیل میں فلسفۂ امامت اور امامؑ کے آثار و برکات کو بیان فرماتے ہیں کہ امامت دین کی اساس اور مسلمانوں کے امور کو منظم کرنے والی دنیوی امور کو صحیح کرنے اور مومنین کی سربلندی کا سبب ہے۔ امامت اسلام کی اصل ہے امامؑ کے وجود کی برکت سے نماز

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۴۰۔

قائم ہوتی ہے روزہ رکھا جاتا ہے حج اور زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور جہاد ہوتا ہے خراج اور صدقات میں اضافہ ہوتا ہے۔ خدا کے احکام و حدود نافذ ہوتے ہیں اسلام کی سرحدیں دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہتی ہیں۔ امامؑ حلالِ خدا کو حلال، اور اس کے حرام کو، حرام قرار دیتا ہے۔ دینِ خدا کی حمایت کرتا ہے، اس کی حدود قائم کرتا ہے۔[1]

امامت دین کی اساس پر منطبق ہے اور اہم واجبات، نماز، حج، جہاد زکوٰۃ اور روزہ اسی سے متعلق ہے۔ اور ولایت خدا کے احکام و حدود کے اجراء کی پاسدار ہے۔ اور ایسی امامت، عصرِ حاضر میں منحصر نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس انحصار سے خدا کے بہت سے احکامات کا معطل ہونا لازم آتا ہے اور اس سے شارع مقدس قطعاً راضی نہ ہوں گے!

> حضرت علیؑ فرماتے ہیں: قسم اس ذات کی کہ جس نے دانہ کو شگافتہ کیا، اور جان کو خلق کیا، اگر بیعت کرنے والوں کا ہجوم نہ ہوتا، اور ناصروں نے مجھ پر حجت تمام نہ کر دی ہوتی اور خدا نے علماء سے عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالم کی شکم پُری اور مظلوم کی بھوک پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ تو میں خلافت کی رسی کو اس کے اونٹ کی پشت پر ڈال دیتا۔[2]

ان جملوں میں آپؑ نے صراحت کے ساتھ خلافت کو بیان کیا ہے

---

(۱) اصول کافی ج ۱ ص ۲۰۰ کتاب الحجۃ (۲) نہج البلاغہ خطبہ ۳۔

چونکہ خدا نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ظالم کی شکم سیری اور مظلوم کی بھوک پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ لہذا مجھ پر حجت تمام ہو گئی اور لوگوں نے بھی خود کو میری نصرت کرنے کیلئے آمادہ کر لیا ہے۔ لہذا میں نے خلافت قبول کر لی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے قبول نہ کرتا، اور اس کے حریص لوگوں پر چھوڑ دیتا ۔

حضرت علیؑ کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں لوگوں کی حمایت و پشتیبانی سے ولایت و امامت کے فیوض و برکات کے ظہور میں تعجیل ہو گی۔

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ارکان اسلام پانچ ہیں: نماز زکوٰۃ، حج، روزہ اور ولایت زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ان میں سے کون افضل ہے؟

فرمایا، ولایت سب سے افضل ہے۔ کیونکہ ولایت سے یہ چار بھی محکم ہوتے ہیں۔ ولی ہی ان کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ پھر فرمایا: ولایت سے ہر چیز اور امر دین کی عظمت اور اس اہم کام، اسکی کلید اور ہر چیز میں خدا کی خوشنودی امام کی اطاعت میں ہے اور اطاعت اسی وقت ہو سکتی ہے جب معرفت ہو۔ اصول کافی کتاب ایمان و کفر دعائم الاسلام

اس حدیث سے اس حاکم کی ولایت و رہبری مراد ہے جو اسلامی اصول سے منتخب ہوا ہو، جس کے ذریعہ تمام واجبات پر عمل ہوتا ہے اور وہی احکام خدا کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

بنابرایں ولایت کا مفہوم اہل بیتؑ کی محبت ہی نہیں ہے۔ اور ائمہؑ سے محبت اور ان کی امامت کا اعتقاد چونکہ قلبی شئے ہے۔ اور حدیث بھی اصول

اعتقاد نہیں بیان کر رہی ہے۔ ورنہ توحید، نبوت اور قیامت کو بھی بیان کرتی اور چونکہ اسلام کے اجرائی احکام کو بیان کیا ہے۔ لہذا ولایت سے مراد بھی وہی حاکم و رہبر ہے جو احکام خدا اور اس کے واجبات کو نافذ کرنے کے لئے زمین ہموار کرتا ہے![1]

حضرت ابا عبد اللہ الحسینؑ کی زیارت میں ہے: **اشهد انك قد اقمت الصلوٰة واتيت الزكوٰة**۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کی۔

امامت و ولایت، دین اسلام کا وہ رکن ہے کہ جس کی وجہ سے خدا کے واجبات پر عمل ہوتا ہے اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ ولایت زمانۂ حضور میں منحصر ہے یا صوفیوں کی طرح زمانۂ حضور میں ولایت کو قبول کریں اور امامت کو تسلیم نہ کریں تو اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ ہم تمام احکامات اور لازم و غیر لازم امور سے دست کشی اختیار کریں۔

یہ مسئلہ بہت ہی اہم ہے کہ رسولؐ نے فرمایا ہے: اگر روئے زمین پر صرف تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک کو باقی پر امیر اور حاکم ہونا چاہیے۔[2]

ابوداؤد کہتے ہیں: جب رسولؐ ان تین آدمیوں کو جو کہ، جو مسافرت کرتے ہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک کو زمامدار ہونا چاہیے۔

اس صفحہ سے قبل کا مدارک (۱) کافی ج ۲ حدیث ۵۔ (۱) دراسات فی ولایت فقیہ ج ۱ ص ۱۹۰ (۲)، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۷۔

اور دو افراد کو اسکی اطاعت و پیروی کرنی چاہیے تاکہ اپنی منزل مقصود تک پہو نچ جائیں ۔ آنحضرتؐ تین آدمیوں سے تشکیل پانے والے اجتماع کو بھی یہ اجازت نہیں دیتے ہیں کہ وہ بغیر رہبر کے رہیں، تو کیا آپؐ اس بات پر راضی ہو جائیں گے کہ بے شمار صدیوں تک مسلمان بغیر رہبر کے رہیں!

آپ ہی سے منقول ہے : "من استطاع منکم ان لا ینام ولا یصبح صبحاً الا وعلیہ امام فلیفعل "، آنحضرتؐ نے اس کلام میں امام ورہبر کے انتخاب کو اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ شب کے لئے بھی بغیر امام کے رہنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، حکم دیتے ہیں کہ سونے اور صبح ہونے سے قبل امام کا انتخاب کرو ۔

یعنی ناممکن ہے کہ ایسا رسولؐ اس بات پر راضی ہو کہ صدیوں تک اربوں انسانوں کو بغیر امام کے چھوڑ دے ۔ اس صورت میں صوفی جس چیز کو ولایت بغیر امامت کے عنوان سے پیش کرتے ہیں وہ صاحب شریعت کی رضا کے خلاف ہے ۔

قرآن بھی: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم [۲] کے فرمان سے طاعت خدا اور رسولؐ ، اور آیۂ مباہلہ کے حکم سے یعنی آئمۂ اثنا عشر ، نفس رسولؐ کی طاعت ، اور زمانۂ غیبت میں ولی فقیہ کی طاعت واجب و ضروری سمجھتا ہے ۔ اور دو اہم چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلامی معاشرہ آخر زمانہ تک حاکم ورہبر کا محتاج ہے ۔

---

(۱) سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۴ (۲)، سورۂ نساء : ۵۹

۲۔ ہر شخص ایسا حاکم نہیں بن سکتا ہے ہاں اگر کوئی فقہی مبانی کے مطابق ایسے شرائط کا حامل ہے کہ جس کو اہل بیتؑ کی تعبیر میں ولی فقیہ کہا گیا ہے تو وہ حاکم ہے۔

زمانۂ غیبت میں صوفیوں کے اتصال کا دعویٰ

اس زمانہ میں

صوفیوں نے بڑی چالاکی سے پہلے اجازۂ روائی کے ساتھ خود سے ایک اجازہ اور مخصوص کر لیا ہے تاکہ اپنے کو نمایاں کر سکیں جناب سلطان حسین تابندہ معروف بہ علی شاہ لکھتے ہیں: علماء نے روایت اور تبلیغ احکام شرعیہ میں اور عرفاء نے درایت و تلقین اذکار اور دستور قلبیہ میں اجازہ حاصل کئے ہیں۔[1]

جناب حاج علی تابندہ ان دو اجازوں کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں — لکھتے ہیں: جیسا کہ علماء اعلام امور شریعت کے ابلاغ اور اسلام کے ظاہری احکام میں دین مبین کی تبلیغ پر مامور ہیں۔ دراصل علماء کے فریضہ میں ایک قسم رسولؐ کی رسالت کا پہلو احکام کا ابلاغ و تحفظ ہے۔ اور جس طرح ظاہر و باطن ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے اسی طرح احکام شریعت بھی آداب طریقت سے جدا نہیں ہیں اور یہ دو گروہ عالم و عارف ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔[2]

جس چیز کی صوفیوں نے بنیاد رکھی ہے کہ یہ دونوں ولایت سے

۱۔ رسالۂ رفع شبہات ص ۱۵ ۲۔ خورشید تابندہ ص ۱۶۔

جدا نہیں ہیں یعنی زمانۂ غیبت میں ولایت ساری ظاہری و باطنی صورت میں شیعوں میں منحصر کی ہے۔ اور ہر ایک کو ایک شخص کے دوش پر رکھا ہے اور اس سے تعجب کی بات یہ ہے کہ حقیقت ولایت کی، جو کہ روح تشیع ہے، اپنی طرف نسبت دی ہے جیسا کہ جناب سلطان حسین تابندہ رضا علیشاہ نے اپنے ایک مقالہ میں تحریر کیا ہے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقت و روح تشیع ہمارے پاس ہے۔[1]

جبکہ آیات و روایات سے یہ تقسیم ثابت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ یہ تفکیک اسلام سے ایک قسم کی خیانت ہے۔ مرحوم صاحب جواہر نے بحث قضا میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو امور معصوم امامؑ کے ہیں انہیں کو زمانۂ غیبت میں فقہاء کو انجام دینا چاہئیے[2] علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

جو معصوم امامؑ کے فرائض زمانۂ غیبت میں تھے، وہ فقہاء کی طرف منتقل ہو گئے[3]

تیرہویں صدی کے بڑے عرفاء، فقہاء میں سے ملا احمد نراقی، رسولؐ اور امامؑ کی ذمہ داریوں کو فقیہ کے فرائض سمجھتے ہیں، اور اس سلسلہ میں چند دلیلیں قائم کرنے کے بعد اسے واضح امر قرار دیتے ہیں[4]

صوفیوں نے خود کو

زمانۂ غیبت میں وکلاء سازی کا منصوبہ نیابت خاصہ وعامہ کے

---

(1) رسالہ باب ولایت ص ۳۰ ۔ (2) جواہر ج ۴۰ ص ۱۸ ۔ (3) شرح تبصرۃ الثقلین ج ۲ ص ۳۰۰ کتاب اجتہاد (4) عوائد الایام۔ ملا احمد نراقی ص ۱۸۷ و ۱۸۸ ۔

ساتھ پیش کرنے اور بدعتی گذاری کے اہتمام سے بچنے، اعتراضات و انتقادات کا مقابلہ کرنے، اور ولایت قسریہ کو ثابت کرنے کے لئے کچھ ایسے مسائل و مطالب گڑھ لئے ہیں۔ جن کا قرآن وحدیث کی رو سے کوئی اعتبار نہیں ہے چنانچہ ملا علی گنآبادی لکھتے ہیں: زمانۂ غیبت صغریٰ میں وکلاء جزوی اطلاعات کے سلسلہ میں مدت معین تک سفارت ظاہریہ پر فائز ہوتے ہیں۔ جبکہ اولیاء حاجب و قائم کی مانند سفارت باطنیہ کا درجہ رکھتے ہیں۔[1]

شیخ محمد حسن گنآبادی صالح علی شاہ اس تقسیم کی اس طرح تشریح کرتے ہیں: روایت کا اجازہ ایسا ہی ہے جیسے ہائی اسکول کی سند جبکہ طریقت کی حیثیت فرمان کی سی ہے۔[2]

ایک شخص کی ایسی ذہنی اُپج کو کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایسا سوال ہے کہ صوفی جس کا کسی بھی زمانہ میں جواب نہیں دے سکے۔ اور اپنی تمام بدعتوں کی طرح اس بدعت کی بھی قرآن وسنت سے تائید نہیں کرا سکے ہیں۔

زمانۂ غیبت میں وکلاء کا تعین کنندہ

صوفی حضرات نے لوگوں کو یہ بات باور کرانے کے لئے کہ ان کے پیر کو خدا نصب کرتا ہے اور اس امر میں بشر کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور فرقہ کی ریاست کسی کے سپرد کرنا اختیاری امر نہیں ہے بلکہ یہ بھی امامت کی مانند ہے۔

---

(۱) صالحیہ ص ۲۲۳ حقیقت ۲۸۰ (۲) نامہ ہای صالح ص ۱۰۸ نامہ ۹۷۔

ایسے مسائل پیش کئے ہیں جو قرآن سے ثابت نہیں ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:
ہم جمہور دسنی، نہیں ہیں کہ اس بات کے قائل ہوں کہ امامت وریاست کا اختیار لوگوں کو ہے بلکہ اسکا اختیار حق تعالیٰ کو ہے[1] اسی لئے صوفی حضرات کہتے ہیں: زمانۂ غیبت میں مجاز حضرات کے پاس ایسا اجازہ ہونا چاہئے جس کی نص امام پر منتہی ہوتی ہو[2]۔

صوفیوں نے ایسے سادہ
براہ راست اور بے واسطہ نصب لوح لوگوں کو جو کہ اپنے ضروریات دین میں سے کسی چیز سے بھی واقف نہیں ہیں، دل فریب باتیں پڑھا کر حقیقت سے دور کر دیا ہے۔ اور موہوم وخیالی چیزوں میں مشغول کر دیا ہے۔ ان دل فریب باتوں میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ زمانۂ غیبت میں اپنے پیر کی تعیین دو طریقوں سے جانتے ہیں۔

بے واسطہ نصب صوفی بجائے اس کے کہ کوئی سند پیش کرتے اس بات کے معتقد ہو گئے ہیں۔

خود امام زمانہؑ نے کچھ ایسے اشخاص معین کئے جو کہ امام زمانہؑ کی طرف سے بیعت لیں اور جب تک امامؑ ظہور نہیں فرماتے اس وقت تک ان اشخاص کی بیعت کی جانی چاہئے جن کے پاس

---

(۱) رسالۂ سعادتیہ از آقائی ملا علی گناآبادی ص ۸۳ (۲) رسالۂ باب ولایت از جذبی شیخ فرقۂ گناآبادی ص ۲۹۱۔

اجازہ ہے یہاں تک کہ امامؑ ظہور فرمائیں۔[1]

البتہ ہم یہ دعویٰ نہیں کر رہے ہیں کہ ایسے برگزیدہ افراد نہیں رہے ہیں لیکن ہم اسی چیز کے معتقد ہیں جس کا شیعہ معتقد ہوتا ہے کہ جو دلیل سے ثابت ہو اور یہ چیز صوفی اور صوفی جیسوں کی فکر سے مختلف ہے۔ کیونکہ ۶۹ سال کی مدت کو غیبت صغریٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور انہتر ۶۹ سال امام مہدیؑ رسمی طور سے مسلمانوں کے امور کے ذمہ دار رہے ہیں۔ رسالتؐ کے خلیفہ رہے ہیں اور ان ہی چار اشخاص کے ذریعہ کہ جن کے اسماء بیان ہو چکے ہیں، شیعوں کے امور کی وضاحت کی ہے اور فرمان جاری کئے ہیں۔ اگر ہم دوست و دشمن کی تاریخ کا جائزہ لیں اور تحقیق کریں تو اس کا کہیں نشان نہیں ملے گا اور صوفیوں کا دعویٰ امام زمانہؑ روحی فداہ پر ایک تہمت ثابت ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اسپر کوئی دلیل قائم نہیں کی ہے اور اگر بہ فرض محال، اگر بیان کئے گئے مطالب، جو کہ پہلے صوفیوں کی رائے ہیں، پر دلیل قائم بھی کی ہے تو انکی تاریخ سے تائید نہیں ہوتی ہے۔

براہ راست نصب: صوفیوں نے زمانۂ غیبت کبریٰ کے لئے بھی ایک منصوبہ بنایا ہے کہ جسے انہوں نے اسلامی رنگ دیا ہے یہ رسولؐ کی حیات کا مسئلہ ہے کہ غدیر خم کے مقام پر آیۂ: "**یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک**"، کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے مولی الموحدین امیر المومنین کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا تھا۔

---

(۱) رسالۂ جذبیہ تالیف سید ہبۃ اللہ جذبی ص ۵۳۔

صوفیوں نے تاریخ اسلام کے اس اہم نمونہ کو اپنے لئے نمونہ سمجھ لیا اور رسول کی شان میں اس طرح جسارت کی ہے جس کا کوئی مسلمان بھی ارتکاب نہیں کر سکتا چہ جائیکہ شیعہ اور اگر کوئی کرے گا بھی تو سقیفہ بنی ساعدہ سے تعلق رکھتا ہو گا۔

جیسا کہ نور علی شاہ اصفہانی نے اپنے اس اجازہ، جو کہ ملا محمد جعفر کبو تر آہنگی معروف بہ مجذوب علی شاہ کے لئے لکھا ہے اسمیں اس موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم کیا ہے:

اقران میں سے ہر قرن میں، اور آوان میں سے ہر آن میں انبیار سے ایک نبی کی صورت میں رسالت پر مامور ہوا اور ایک اولیار میں سے ...!

ملا سلطان گنا آبادی نے نعمت اللہی فرقہ کے پیر نور علی شاہ اصفہانی کی اتباع کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے اجازہ میں لکھا ہے "مخفی نہ رہے اولیائے عظام میں سے ہر ایک کے لئے حیات کے دوران اور موت کے بعد خلفار و نواب لازم ہیں تاکہ تبلیغ کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے کہ روئے زمین پر "حکم" یا ایھا الرسول بلغ ما انزل نیں جاری ہوا۔٢

فرقۂ نعمت اللہی کے پیروں میں سے جواد نور بخش لکھتے ہیں: نبی امت قوم کا بزرگ ہوتا ہے۔٣

---

(١) مراحل السالکین ص ١٧٣ (٢) صالحیہ طبع دوم ص ٣٣٣ (٣) تفسیر منظوم سورۂ حجرات ص ١٩

صوفیوں کے سرغنہ خود کو رسولؐ کے برابر سمجھتے ہیں، اسی لئے اس زعم میں مبتلا ہوئے ہیں، ملا سلطان اسی اجازہ میں تعیین کی طرف براہ راست اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: چونکہ اس سلسلہ میں غیبی اشارہ ہوا تھا لہٰذا تاخیر مناسب نہیں تھی! یعنی امر غیبی کی وجہ سے اپنے بیٹے کو جانشین بنایا ہے۔

سلطان حسین تابندہ نے اپنے اس خط میں جو کہ جناب ہبت اللہ جذبی یا بقول خود ثابت علی شاہ کو لکھا ہے، اسمیں یاد دہانی کرائی ہے خواہ اس بات پر بہت سے اعتراض ہوں لیکن عالی حضرت ہماری راہنمائی فرمائیں تاکہ ہم ناقص فکر کو امر خدا کے سمجھنے میں معیار نہ سمجھیں بلکہ امر و دستور کو مد نظر رکھیں!

اچھی طرح غور کیجئے تو معلوم ہو جائے کہ موصوف اپنے بیٹے کو جانشین معین کرنے کو امر خدا جانتے ہیں، پھر اعتراض کرنے والا وہ بھی ناقص عقل والے ایسے، انتخاب کے اسرار و رموز کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔

اگر یہ مسئلہ جانشینی پیر براہ راست نہ ہو تو اسمیں ضرور غیبی اشارہ درکار ہو گا جو فرقہ کے افراد پر اس طرح القاء ہوتا ہے کہ جیسے فرقہ کے افراد بھی عینا بیان کرتے ہیں. مثلاً جناب خبرہ فرشچی، کہ جنہوں نے فرقہ کے رئیس کی سوانح حیات مرتب کی ہے، لکھتے ہیں: اس طرح قلبی الہامات اور تائید غیبی کے بعد جناب رضا علی شاہ نے فلاں تاریخ نور چشم کی خلافت اور اپنی جانشینی کا فرمان اسطرح رقم کیا!

---

(۱) خورشید تابندہ ص ۱۵۶ (۲) یادنامہ صالح ص ۴۴ (۳) نامہ صالح ص ۳۰۔

ملا علی گن آبادی اپنے بیٹے شیخ محمد حسن کے اجازہ سے متعلق لکھتے ہیں:
میں نے امر غیبی اور لاریب اشارہ کے مطابق نور چشم کو بندوں کی ہدایت وارشاد کے لئے منصوب کیا![1]
شیخ محمد حسن گن آبادی نے اپنے بیٹے کو اپنے باپ سے سلیقہ سیکھ کر اجازہ لکھا: حسب اشارہ غیبی میں نے اجازت واذن دیا ہے[2]
غیب: چونکہ امر الٰہی اور اشارہ غیبی کی بحث آگئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صوفیوں کے بیر وشک واشتباہ بھی پیش کئے جائیں، جو انہیں غیب والہام میں ہوئے ہیں تاکہ یہ جواب بھی سمجھے۔ اگر ایسا کوئی شخص قلبی الہامات اور غیبی تائیدات سے یا غیبی اشارہ سے مستقبل کی باتوں کو جانتا ہے ہے اور اپنا فریضہ بھلا سمجھتا ہے، تو اپنے حالات سے کیوں بے خبر ہے جبکہ الہامی مسائل اور غیبی اشارہ کے ذریعہ براہ راست رابطہ رکھتا ہے۔ کیونکہ جناب سلطان حسین تابندہ ہیں جنہیں غیبی الہام نے بیٹے کو جانشین مقرر کرنے کا حکم دیا تھا۔ موصوف جناب جذبی صاحب کو خط لکھتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں: جتنی جلد ممکن ہو عہد کی تجدید کرو اور دوسروں کو بھی تاکید کرو![3]
جس کو غیبی الہام ہوتا ہے وہ اس بات سے کیسے بے خبر رہا ہے کہ جذبی کا اس سے پہلے انتقال ہو جائے گا۔ جبوقت وہ جرمنی میں اسپتال میں داخل تھے اپنے بیٹے وجانشین کو خط لکھتے ہیں

---

[1]، نامہ صالح ص ۲، [2]، خورشید تابندہ ص ۸۵۴ [3]، خورشید تابندہ ص ۸۵۴۔

خدا نے مجھے اپنی ملاقات کے لئے بلایا ہے، تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں اور نعمت اللّٰہی تقریروں کی سرپرستی اور طالبین کی ہدایت میرے بعد تمہارے ذمہ ہے۔ اور فرمان و دستورات تمہاری والدہ کے ذریعہ جاری ہوں گے،،[1]

یہ خط ۲۵، محرم ۱۴۱۰ھ کو لکھا تھا، جبکہ ان کلمات کے لکھنے والے یعنی جناب سلطان حسین تابندہ نے گیارہ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ کو انتقال کیا تھا دونوں تاریخوں میں تقریباً تین سال کا فاصلہ ہے۔ جبکہ اسپتال کے بستر سے اسطرح لکھا تھا کہ جیسے موت انہیں چند قدم دور ہی نظر آرہی ہے۔

معصوم سے اجازہ! صوفی حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں امام زمانہؑ سے براہ راست اجازے ملتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد گنآبادی نے جرمنی کے کونسلر کو۔ کہ جس نے موصوف سے مکرر ملاقات کی تھی، جواب دیا میں اسی عیسیٰؑ کا پیرو ہوں جس کے تم قائل ہو، اور آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ حضرت قائم عجل اللّٰہ فرجہ الشریف کے ساتھ ہونگے اور جو شخص اس زمانہ میں عیسیٰؑ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اسے میری پیروی کرنی چاہئے۔

کونسلر نے کہا کیا تم مسلمان اور امت محمد نہیں ہو؟ جواب دیا: انبیاءؑ میں دوئیت نہیں ہے۔ اور پیغمبر محمدؐ اور ہم محمدی بھی جناب عیسیٰؑ کے جانشین ہیں...[2]

---

(۱) خورشید تابندہ ص ۸۶۱ و ۸۶۳ (۲) خورشید تابندہ ۸۹۔

عیسیٰؑ کے بعد محمدؐ اور آپؐ کے بعد بارہ امامؑ اور اجازہ کے ذریعہ یہ جانشینی آج ہمیں ملی ہے![1]

سید ہبت اللہ جذبی کہتے ہیں: رسولؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی، بشریت سے قطع تعلق ہو گیا، لیکن روحانیت و معنویت باقی رہی اور وہ مولیٰ الموحدین علیؑ کے وجود میں جلوہ گر ہوئی۔ اور یہ فیض حق قطع ہونے والا نہیں ہے اور ہر زمانہ میں ایک مظہر میں، جلوہ گر ہوتا رہے گا۔ آج امام زمانہؑ حضرت حجۃ بن الحسن عجل اللہ فرجہ الشریف کے وجود میں جلوہ گر ہے اور آپؑ کے انوار کی کرنیں اولیائے حق کے وجود سے ہویدا ہیں![2]

جناب خاج علی تابندہ صریح طور پر نہیں بلکہ مبہم انداز میں لکھتے ہیں: زمانۂ غیبت میں اولین قطب شیخ الطائفہ جنید بغدادی تھے۔ انکے بعد ماذون اقطاب کا سلسلہ ہے کہ جنہیں امر طریقت و درایت میں امامؑ کی طرف سے اجازہ ملتا ہے۔[3]

اس دعوے کی قیمت حضرت حجۃ بن الحسن روحی فداہ کے قبول کرنے پر موقوف ہے کہ اگر امامؑ سے ایسا رابطہ ہوتا تو ضرور امامؑ کی طرف سے توقیع صادر ہوتی جو نہیں ہوئی، ہاں شیخ مفیدؒ جیسے بزرگ عالم کے بارے میں توقیع صادر ہوئی ہے جنہیں جناب محمد خادمی کی تالیف: فرمایشات حضرت بقیۃ اللہ ارواحنا لہ الفداہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) باب ولایت ص ۲۱۹ (۲) رسالہ باب ولایت ۲۳۰ و ۲۲۷ (۳) خورشید تابندہ ص ۴۲۳ و ۴۲۴۔

پس اس دعوے کی کوئی حقیقت نہیں ہے افسوس کہ یہ امام زمانہ پر تہمت ہے۔ اور ایک گروہ کی گمراہی کا سبب ہو گیا ہے۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ صرف صوفیوں کے اجازہ کی کوئی تائید ہی نہیں دستیاب ہوئی ہے بلکہ جناب ابوالحسن علی بن محمد سمری کی نیابت کے زمانہ میں انکی وفات سے چند روز قبل امامؑ کی طرف سے اس مضمون کی توقیع صادر ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اے علی بن محمد سمری خدا تمہارے بارے میں تمہارے بھائی کو اجر عظیم عطا کرے۔ چھ روز تمہاری زندگی کے باقی بچے ہیں تم اپنے امور سمیٹ لو اور اب کسی کو وصی نہ بنانا، کہ وہ تمہارے بعد تمہارا جانشین قرار پائے۔ بیشک غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو چکا ہے اب خدا کے اذن ہی سے ظہور ہو گا!

کیا جنید امام زمانہؑ کے وکیل ہیں؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ صوفی اپنا سلسلہ جنید بغدادی تک پہونچاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ارشاد کیلئے امامؑ زمانہ کی طرف سے اجازہ ملا تھا!

شیخ ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید الخراز بغدادی کے آبا و اجداد نہاوند کے

---

(۱) ترجمہ الزام الناصب فی اثبات الحجۃ الغائب ج ۲ ص ۱۵۱ (۲) خورشید تابندہ ص ۴۲ و ۴۳۔ رسالہ باب ولایت ص ۳۳۶ و ۳۳۷۔

باشندے تھے لیکن انہوں نے بغداد میں ولادت پائی اور مشہور صوفی ہوئے تصوف کی دنیا میں وہ شہرت یافتہ ہیں۔ کبھی قطب اعظم، سید الطائفہ، سلطان الطائفہ، استاد الطریقت، قطب العلوم، تاج العارفین اور شیخ الطائفہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ چونکہ کفش دوزی پیشہ تھا لہذا اخرازی کہلاتے تھے اور چونکہ والد کا پیشہ شیشہ گری تھا اسلئے زجاج سے متصف ہوئے جنید فقہ میں سفیان ثوری یا ابو ثور ابراہیم بن خالد، امام شافعی کے فقیہی استاد کے شاگرد تھے یہ ۲۹۷ھ ق تک تذکروں اور تواریخ سے معلوم ہونے والی معلومات کا خلاصہ ہے۔ جس زمانہ میں مرحوم ڈاکٹر احسان اللہ استخری نے اصول تصوف تدوین کی تھی موصوف نے ان تمام لوگوں کے برخلاف، کہ جنہوں نے جنید بغدادی کے بارے میں تحقیق کی ہے، یہ دعویٰ کیا ہے وہ ہم سمجھتے ہیں جنید بغدادی کا شیعہ ہونا بدیہی ہے[۱] اور امام زمانہؑ روحی فداہ کی طرف سے ان کے اجازت یافتہ ہونے کو سب سے پہلے محمد معصوم شیرازی معروف بہ معصوم علیشاہ نے بغیر کسی مدارک کے مجمل طور پر لکھا ہے: سری کی خدمت کی تکمیل ہو گئی تو انکے امر بلکہ امام زمانہؑ کے فرمان کے مطابق وہ بندوں کی ہدایت میں مشغول ہوئے[۲]

مدتوں بعد سلطان حسین تابندہ نے پہلی بار دعویٰ کیا: شیخ جنید امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں آپؑ کی طرف سے تبلیغ و دعوت پر مامور و مجاز

۱، اصول تصوف ص ۴۱۲ ۲، طرائق الحقائق ج ۲ ص ۳۸۹۔

تھے اور امام مہدیؑ کے زمانہ میں بھی اس پر فائز رہے لیکن ان کی بیعت و تربیت شیخ سری کے توسط سے تھی![1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ان کا زمانہ غیبت کے زمانہ سے متصل تھا اور حضرت قائم کی طرف سے اجازہ رکھتے تھے[2] نیز رقمطراز ہیں: جنید بھی شیعہ تھے۔ انہوں نے حضرت ہادیؑ، حضرت عسکریؑ اور حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ کو درک کیا ہے اور ان بزرگوار کی طرف سے وہ مجاز تھے[3]

جناب حاج علی تابندہ نے اپنے والد کے بعد اسطرح اشارہ کیا ہے کہ جناب سری سقطی اور ان کے جانشین شیخ جنید بغدادی اپنے زمانہ کے امام، حضرت جواد، حضرت ہادی، حضرت امام عسکری اور مولانا حجت قائمؑ سے عقیدت رکھتے تھے اور ان بزرگواروں کی طرف سے اجازہ رکھتے تھے صرف سری معروف کرخی اور جنید کی سری نے تربیت کی تھی[4]

متاخرین صوفیوں نے جنید بغدادی کے بارے میں جو کچھ گڑھا ہے اس کے ہم دو جواب دیتے ہیں۔

اوّل: جنید بغدادی کا شیعہ ہونا اور امام زمانہؑ روحی فداہ کی طرف سے اجازہ یافتہ ہونا۔ سمعانی کی انساب[1] حلیۃ الاولیاء[2]، صفۃ الصفوۃ[3]، لواقح شعرانی[4]، وفیات الاعیان[5]،

---

(۱) نابغۂ علم و عرفان طبع ۱۳۳۳ھ ۱۳۴۳ ص ۴۰ (۲) یادداشت ہای سفر بہ ممالک عربی ص ۲۵ (۳) ایضاً ص ۲۶ (۴) خورشید تابندہ ص ۴۱ ص ۹۵

(۱) ص ۲۶۴ (۲) ج ۱۰ ص ۲۵۵ (۳) ج ۲ ص ۲۳۵ (۴) ۱۵،۲

تاریخ بغداد ۱، تاریخ یافعی ۲، طبقات الشافعۃ الکبریٰ ۳، نفحات الانس ۴، رسالہ قشیریہ ۵، تذکرۃ الاولیاء ۶، طبقات الصوفیہ ۷۔ روضات الجنان جنات الجنان ۸، روضات الجنان فی احوال العلماء والسادات ۹، بستان السیاحۃ ۱۰، خزینۃ الاصفیاء ۱۱، اور پیران طریقت میں مرقوم نہیں ہے بلکہ انہوں نے متاخرین صوفیوں کے برخلاف جنید بغدادی کو شیعہ بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔

جنید بغدادی کے فضائل گڑھنے کا جواب

دوسرے حصہ میں ہم جنید بغدادی کو شیعہ قرار دیتے ہیں اور انہیں امام زمانہؑ کی طرف سے اجازت یافتہ قرار دینے والوں کے جواب میں کچھ مطالب بیان کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر جناب احسان اللہ استخری نے، جنہوں نے جنید بغدادی کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے، جنید بغدادی کی سوانح زندگی مترتب کی ہے اور اس کے مصادر و ماخذ بیان کئے ہیں لیکن اپنے عقیدہ کے برخلاف لکھا جنید بغدادی کو فقہ میں ابو ثور ابراہیم بن خالد امام شافعی کے شاگرد تھے اور مذہب میں سفیان ثوری کا پیرو جانا جاتا ہے۔

---

(۱) ج ۱ ص ۱۴۶ (۲) ج ۷ ص ۲۱۴ (۳) ج ۲ ص ۲۲۱ (۴) ج ۲ ص ۲۹ (۵) ص ۸۰ (۶) ص ۵۱ (۷) ص ۵ سے آگے (۸) ص ۱۹۶ (۹) ج ۲ ص ۳۵۳ (۱۰) ترجمہ ج ۲ ص ۵۵۶۔

صفۃ الصفوہ ان مصادر میں سے ایک ہے جن سے موصوف نے استفادہ کیا ہے ابن جوزی نے اسی کتاب میں ج ۲ کے ص ۲۲۵ پر لکھا ہے : جنید نے بہت سے علماء سے ملاقات کی ہے اور ابو ثور سے درس فقہ لیا ہے۔

جناب استخری کا دوسرا مصدر وفیات الاعیان[1] ہے اسی کتاب کی ج ۲ کے ص ۲۲۳ پر مرقوم ہے تفقه علی ابی ثور صاحب الامام الشافعی رضی الله عنهما و قیل بل کان فقیها علی مذهب سفیان ثوری.

طبقات الصوفیہ بھی " اصول تصوف " کے مولف کے مصادر[2] میں سے ایک ہے. کتاب مذکور کے مولف عبد الرحمن سلمی نے ص ۱۹۶ پر لکھا ہے ثور شافعی کے شاگرد اور انکے مذہب کے فقیہ تھے۔

تاریخ یافعی سے بھی ڈاکٹر صاحب نے استفادہ کیا ہے[3] یافعی نے اسکی ج ۲ کے ص ۲۳۱ پر لکھا ہے مشہور ہے کہ انہوں نے امام شافعی کے شاگرد ابو ثور سے فقہ کی تعلیم حاصل کی یہ بھی کہا گیا کہ وہ سفیان ثوری کے مذہب پر تھے۔

رسالۂ قشیریہ کے ترجمہ کے ص ۵۱ پر آیا ہے کہ مذہب ابو ثور کے فقیہ تھے۔ اصول تصوف کا ایک مصدر کشف المحجوب ہے اسی کتاب کے ص ۱۶۱ پر لکھا ہے کہ : فنون میں عالم و کامل، اصول و فروع، معاملات میں متقی اور اصحاب ابو ثور کے امام تھے۔

---

(۱) اصول تصوف ۱۰۹ (۲) ایضاً (۳) اصول تصوف ص ۱۱۲ و ۱۱۳۔

نفحات الانس سے بھی ڈاکٹر صاحب نے مدد لی ہے[1] اور اس کتاب کے ص ۸۰ پر مرقوم ہے وہ ابو ثور کے مذہب پر تھے جو کہ شافعی کے شاگرد تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سفیان ثوری کے مذہب پر تھے۔

تعجب ہے ڈاکٹر احسان اللہ نے جنید بغدادی کی سوانح حیات لکھنے میں تمام تحقیقی ماخذ سے استفادہ کیا لیکن ان کے نظریات پر توجہ نہ کی ان سب نے لکھا ہے جنید بغدادی ابو ثور ابراہیم کے مذہب کے فقیہ تھے یا دشمن اہل بیت سفیان ثوری کے مذہب پر تھے؟ اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ موصوف نے مولفین کا یہ نظریہ کیوں نہیں لکھا ہے

معصوم علی شاہ نے پہلی بار لکھا ہے: وہ امامؑ کے حکم سے بندوں کی ہدایت میں مشغول ہوئے[2] لیکن موصوف اس بات کو نہیں چھپا سکے کہ جنید بغدادی ابو ثور کے شاگرد اور سفیان ثوری کے پیرو تھے۔ لہذا خود ہی لکھتے ہیں: سات سال کی عمر میں فقہ اور رائج علوم کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے اور چونکہ تقیہ بہت زیادہ تھا لہذا کبھی اپنے مذہب کو سفیان ثوری کی طرف منسوب کرتے تھے اور فقہ کی تعلیم امام شافعی کے شاگرد ابو علی ثور سے حاصل کرتے تھے۔[3]

جنید بغدادی کے مسئلہ تقیہ کے موجد معصوم علی شاہ ہیں کیونکہ جس نے بھی جنید بغدادی پر تحقیق قلم اٹھایا ہے اس نے جسطرح جنید بغدادی

۱، اصول تصوف ص ۱۱۴ ۲، طرائق الحقائق ج ۲ ص ۲۹۸ ۳، طرائق الحقائق ج ۲ ص ۲۸۹

کے شیعہ ہونے[1] اور نیابت کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے اسی طرح اس نے تقیہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے، سب جانتے تھے کہ وہ ابو ثور کے شاگرد اور دشمن اہلبیتؑ سفیان ثوری کے مذہب پر تھے۔

ہم ان چیزوں کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ جو دلیل کے طور پر ڈاکٹر احسان اللہ کے جواب میں نقل ہوئی ہیں۔ دوسرے کسی شخص نے ابھی تک ایسی ذہنی اپج کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے جو کہ دور حاضر میں سامنے آئی ہے بلکہ مرحوم میرزا محمد باقر سلطانی رسالۂ رہبران طریقت و عرفان میں لکھتے ہیں : جنید بغدادی سات سال کی عمر میں تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ امام شافعی کے شاگرد ابو علی ثور سے درس فقہ لیا اور بیس[2] سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے! اس کے بعد معصوم علی شاہ کا اتباع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: تقیہ کی وجہ سے اپنے مذہب کو سفیان ثوری کی طرف منسوب کرتے تھے۔ تربیت باطنی اور فیض روحی جناب سری سے پائی، طریقت میں درجۂ کمال تک پہونچے، جناب سری سے ہدایت وارشاد کا اجازہ لیا اور حضرت امام علی نقیؑ کی تائید سے سرفراز ہوئے!

اول تو صوفیوں اور غیر صوفیوں کی کتابوں میں ایسا دعویٰ نظر نہیں آتا ہے۔ دوسرے جنید بغدادی نے مکتب اہل بیت میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے جیسا کہ صوفی کہتے ہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف دشمنان اہل بیت رسولؐ کے

---

(۱) رہبران طریقت و عرفان ص ۱۳۸ (۲) ایضاً۔

مکتب میں پڑھا ہے۔

رسولؐ کے عظیم صحابی، ثبات و استقامت کا نمونہ بلال حبشی نے رسولؐ کی رحلت کے بعد کسی کے لئے آذان نہیں دی اور اس طرح سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاسی پارٹی اور اسلامی حکومت کے غاصبوں سے اپنی نفرت کا اظہار کیا

امام علی نقیؑ کے ہوتے ہوئے جنید بغدادی نے کس لئے سری سقطی کا اجازہ قبول کیا ہے؟ یہ من گھڑت باتیں ہیں جن سے کسی حقیقت کا اثبات نہیں ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی صوفی حضرات رہتی دنیا تک مذکورہ سوال کا جواب تلاش کر سکتے ہیں۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ جنید بغدادی کے زمانہ سے نزدیک والے جن لوگوں نے موصوف کے سلسلہ میں کچھ خامہ فرسائی کی ہے انہوں نے انکے شیعہ ہونے یا امام زمانہؑ سے اجازت یافتہ ہونے کے بارے میں اشارہ تک نہیں کیا ہے بلکہ انہیں مذہب شافعی کا فقیہ یا سفیان ثوری کے مذہب کا پیرو جانا ہے۔

اس سے تو ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ جنید بغدادی کا شیعہ ہونا اور امام زمانہؑ سے اجازہ یافتہ ہونا معصوم علی شاہ شیرازی کی ایجاد ہے۔ اسی لئے نعمت اللہی کے دوسرے مذاہب نے ان پر لعن وطعن بھی کی ہے اور جنید بغدادی کے شیعہ ہونے وامامؑ سے اجازت یافتہ ہونے کو نہ فرقۂ ذہبیہ میں محمد ہاشم درویش شیرازی، کہ جس نے ولایت نامہ میں اپنے کرسی نامہ کو نظم کی صورت میں اپنی تالیف قرار دیا ہے نیز فرقۂ نعمت اللہی میں نہ ریاض السیاحۃ اور نہ بستان السیاحۃ تحریر کیا ہے! (۱) لسان العرب ج۹ ص ۲۶۔

جواد نوربخش کی تالیف پیران طریقت میں، اور نہ ہی فرقۂ ذہبیہ کے کرسی نامہ مآثر الکاملین میں جنید بغدادی کے شیعہ ہونے اور امام زمانہ سے اجازت یافتہ ہونا بیان ہوا ہے۔

بیعت کے معنی کی وضاحت میں، اس کے لغوی معنی کی شناخت اہمیت کی حامل ہے۔

بیعت

ابن منظور لکھتے ہیں، داد وستد۔ لین دین کے انعقاد کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو بیعت کہتے ہیں، اطاعت کا پیمان باندھنے کو بھی بیعت کہتے ہیں۔ پیمان اطاعت باندھنا ہی بیعت ہے۔ اعراب میں اسلام سے پہلے بھی اس کا رواج تھا، چنانچہ وہ لین دین کے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے تھے اور اسے معاملہ کے انعقاد کی علامت سمجھتے تھے۔

اسلام نے عرب کی اس مشہور عادت کو، جسے وہ لین دین کے وقت عمل کرتے تھے، امام سے عہد اطاعت باندھنے میں استعمال کیا ہے۔ البتہ اسلام میں رضائے خدا کی خاطر اپنی جان و مال سے گزر جانے کا مفہوم بھی لیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إن الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة!

بیشک خدا نے مومنین کی جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

یہ کامل تجرد اور جان و مال سے گذر جانا بھی ایک قسم کا لین دین ہے جو کہ عرب میں رائج تھا اور قرآن نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے. بالکل ایسے ہی جیسے ایک آدمی کو کوئی چیز کچھ پیسوں کے عوض فروخت کر دیتا ہے اور پھر اس چیز میں اسے تصرف کا حق نہیں رہتا ہے یعنی مکمل طور پر اس سے دست کش ہو جائے جس معاملہ میں لینے والا خدا اور بیچنے والا مومن انسان ہوتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

رسولؐ کی حیات طیبہ سے آشنائی و آگہی محقق پر

زمانۂ رسولؐ میں

نفق چیزوں کو عیاں کرتی ہے، اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتی ہے، اسے کج فہمی، غلط بیانی اور غلط نویسی سے باز رکھتی ہے۔

سیرت رسولؐ میں بھی کچھ بیعتیں ملتی ہیں، بیعت عقبہ اول سے آغاز اور بیعت غدیر اختتام ہے۔

۱۔ **بیعت دعوت** : بیعت عقبۂ اول یعنی تبلیغ اور جاہلیت کے بتوں کے مقابلہ میں صبر کرنے کا عہد کرنا تھا۔

۲۔ **بیعت جہاد** : فوجی دستورات کی اطاعت جنگ کی سختیوں کو برداشت کرنے کیلئے ہے۔

۳۔ **بیعت زمام داری** : اس شخص کی حکومت و ولایت کو قبول کرنا جو کہ اس منصب کے لائق ہو۔

ارکان بیعت

بیعت کے تین رکن ہو سکتے ہیں اگر ان تینوں میں سے ایک بھی معدوم ہو تو بیعت نہیں ہو سکتی

(۱) بیعت کرنے والا ، (۲) بیعت لینے والا ، (۳) اطاعت وفرمانبرداری کا پیمان باندھنا۔ تیسری قسم کی بھی تین قسمیں کی گئی ہیں۔ اطاعت یا دعوت کے سلسلہ میں ہے یا امامت سے متعلق ہے یا جنگ کے بارے میں ہے۔

بیعت کے شرائط ہیں:

(۱) طاقت وتوانائی ، کیونکہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: ہم رسولؐ کی بیعت کرتے تھے تاکہ آپؐ کی باتیں سنیں اور اطاعت کریں رسولؐ ہم کو ہماری طاقت کے مطابق فرمان دیتے تھے!

(۲) بلوغ کیونکہ ہرماس ابن زیاد نے جب رسولؐ کی طرف بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا تو ان کے نابالغ ہونے کی وجہ سے رسولؐ نے بیعت نہیں لی تھی!

(۳) خدا کی معصیت کی اطاعت نہ ہو، رسولؐ کا ارشاد ہے: مسلمان

کو سننا چاہیے اور اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن گناہ کے حکم کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے! البتہ بیعت کے انہیں شرائط کے لحاظ سے اگر صوفیوں سے تربیتی امور کے سلسلہ میں بھی بیعت کی جائے تو یہ عہد و پیمان ہے اسے بیعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ صوفیوں کے ان دستورات کی اطاعت کرنا، کہ جن میں سے اکثر کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں، معصیت ہے مثلاً مرشد کی صورت کا تجسم، خمس کے بجائے عشریہ دینا وغیرہ وغیرہ۔

بیعت، صوفیوں کی نظر میں بیعت کے بارے میں اس مختصر تحریر کے بعد ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ صوفیوں کی نظر میں بیعت کا کیا مفہوم ہے۔ ملا علی گن آبادی یہ لکھنے کے بعد کہ گذشتہ شریعتوں سے اور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تک بیعت لینے کا رواج تھا، پھر لکھتے ہیں: پس یہ امر لغو نہیں ہے[۲] یعنی جس طرح گذشتہ شریعتوں میں بیعت کی رعایت کی جاتی تھی اسی طرح غیبت کے زمانہ میں بھی اس کی رعایت ہونی چاہیے جناب سلطان حسین تابندہ لکھتے ہیں: چونکہ خود امام زمانہؑ کی زیارت نہیں ہو سکتی اور نہ براہ راست آپ کا اتباع کیا جا سکتا ہے۔ لھذا دعائے عہد کا لازمہ یہ ہے کہ بالواسطہ بیعت لی جائے۔ اسی طرح فرعی احکام کی تبلیغ کے لئے نمائندوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ فقہاء کثر اللہ امثالھم سے

عبارت ہیں۔ شیعوں کے درمیان چونکہ یہ دو سلسلے امام زمانہؑ کی موجودگی میں بھی تھے اور دونوں ہی امامؑ کے نمایندہ کی حیثیت سے تبلیغ کرتے تھے۔ مقصد جنید بغدادی کا اجازہ ہے جس کو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ خود نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا غیبت کے زمانہ میں بھی اس کا اتباع اہل لوگوں کے لئے ضروری ہے۔[1]

جناب سید ہبت اللہ جذبی، صوفیوں کی اصطلاح میں جناب ثابت علی نے بھی سنہ ۱۳۵۹ھ ش کی تحویل میں فرمایا ہے: آج تک کا زمانہ بارہویں امام حضرت حجۃ بن الحسن ولی عصر کا زمانہ ہے۔ البتہ آپؑ کی بیعت ہونی چاہئے اور خدا کی مصلحت یہ ہے کہ آپؑ پردۂ غیبت میں رہیں البتہ یہ چیز عقل الٰہی کے خلاف ہو لیکن دین و حقیقت کی تکمیل کا باعث ہے: لہٰذا غیبت کے زمانہ میں ضروری تھا کہ امام زمانہؑ اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو۔ اس دعوے کا تاریخ میں نشان نہیں ملتا ہے۔ مامور کریں کہ وہ آپؑ کی طرف سے بیعت لئے بیعت لے یعنی جیسے؟ یعنی لوگوں سے امام زمانہؑ کے لئے بیعت لے۔ اور امامؑ کا یہ اجازہ دست بہ دست اور سینہ بہ سینہ اسی طرح آپؑ کے ظہور تک جاری رہے۔[2]

اس سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ صوفی حضرات امام زمانہؑ کے اجازہ پر دلیل قائم کئے بغیر بابیت کے تمام دعویدار جیسے میرزا محمد علی شیرازی کی

---

(۱) رسالہ رفع شبہات ص ۱۹ (۲)، رسالۂ جذبیہ ص ۷۱

وغیرہ کہتے ہیں ، وہی بیعت لیتے ہیں جو آدمؑ سے قائم آلِ محمدؐ کے زمانہ تک لی جاتی رہی ہے لکھتے ہیں : امامؑ غائب ہیں اور آپؑ تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہے۔ اور دوسری طرف تمام لوگوں پر واجب ہے کہ امامؑ کی بیعت کریں تاکہ اسلام میں داخل ہو سکیں ، بیعت کے بغیر کسی کو حقیقی اسلام حاصل نہیں ہو سکتا ہے ، جو شخص اسلام لایا ہے اور اس نے بیعت نہیں کی ہے وہ بظاہر مسلمان ہے لیکن آخرت میں مسلمان کی طرح نجات نہیں پائے گا لہذا آج ہم امامؑ کے لئے بیعت لیتے ہیں !

ممکن ہے لوگ کہیں کہ شیخ عباس علی کیوان قزوینی ، منصور علی شاہ کے مرض میں مبتلا ہو گئے ، غرض کے تحت لکھا ہے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ سید ہبۃ اللہ جذبی جو اپنی زندگی کی آخری سانس تک معتقد تھے وہ بھی لکھتے ہیں : امام زمانہؑ کی غیبت کے زمانہ میں آیۂ مبارکہ " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی " جو کہ اکمال دین کا موجب ہے ۔ کے بموجب یہ اہم امر نسخ نہیں ہوا ہے ۔ لہذا عقلی اور نقلی لحاظ سے زمانۂ غیبت میں اس امر کو انجام دینا چاہئے اور وہ درایت کا واسطوں کے ذریعہ امام زمانہؑ کا اجازہ رکھنے والے عرفاء ۔ عرفاء میں یہ طریقہ رائج نہیں ہے ۔ بیعت لینے کے مجاز ہیں ؟ ۱۳۵۸ھ کے سال نو کی تقریر میں اسی چیز کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے ۔

---

(۱) رسالہ احوال کیوان قزوینی ص ۹ و ۲۰، ؎ باب ولایت ص ۱۰۷

پس اگر منصور علی شاہ نے کہا ہے تو وہی بات کہی ہے جو منصور علی شاہ اور ثابت علی کے پیر نے انہیں تعلیم دی تھی اور عہد وفاداری اور صوفیانہ افکار کی نشر و اشاعت کی صلاحیت ان میں پہلے ہی دیکھ چکے تھے اس لئے انہیں دست گیری کا اجازہ دیا تھا۔

یہ کوئی عقیدہ نہیں ہے کہ فلاں شخص فلاں فرقہ کا عقیدہ رکھتا ہے بلکہ صوفیوں کی فکر کی بنیاد ہی یہ ہے جیسا کہ مولوی نے بھی کہا ہے۔

پس بہر دوری ولی قائم است تا قیامت آزمائش دائم است
پس امام حی قائم آن ولی است خواہ از نسل عمر خواہ از علی است
مہدی و ہادی وے است ای راہ جو ہم نہاں و ہم نشستہ پیش او

آل محمد صلوات اللہ علیہم نے ولایت کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسلام کے پانچ رکن، نماز، زکوٰۃ، جہاد، حج اور ولایت بتائے ہیں، اور یہ بھی معصوم ہی کا قول ہے کہ ولایت کے بغیر، نماز، زکوٰۃ، حج اور جہاد کوئی بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اس سے صوفیوں نے غلط فائدہ اٹھایا اور کہنے لگے ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت اور اس کے ظہور کا دار و مدار بیعت پر ہے [1]

ملا سلطان گنا آبادی کا بھی یہی عقیدہ ہے وہ ولایت عبارت ہے دلی امر کی بیعت سے جو کہ شیخ کی ملکوتی صورت کے واسطے سے قلب میں اتر

---

(۱) رسالۂ جذبیہ ص ۶۹ و ۷۲

جاتی ہے اور ایمان سے مراد مرشد کی بیعت ہے۔ پھر خدا بیعت کرنے والے پر عذاب نہیں کرتا ہے۔ اور نماز سے بھی یہی بیعت مراد ہے [۲] اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس شخص نے اسلام میں بدعت مرشد کی بیعت نہیں کی ہے وہ تارک الصلوٰۃ بھی ہے اور اس پر عذاب بھی ہوگا۔

اگر موضوع سخن زمانۂ غیبت میں بیعت ہے، نہ کہ ان صوفیوں کی بیعت گزاری۔ جو کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مسلسل اجازہ ہے۔ تو واضح رہے کہ شارع نے زمانۂ غیبت میں کسی کو خاص نائب مقرر نہیں کیا ہے ہاں فقہاء اور رواۃ حدیث کی طرف راہنمائی فرمائی ہے؛ اما من کان من الفقہاء صائنا لنفسہ حافظا لدینہ مخالفاً لھواہ، مطیعاً لامر مولاہ فللعوام ان یقلدوہ [۲]

فقہاء میں سے جو اپنے نفس کو بچانے والا، اپنے دین کا محافظ، خواہشات کا مخالف، اور اپنے مولا کے حکم کا مطیع ہو لوگوں پر لازم ہے کہ اسکی تقلید کریں۔

دوسری جگہ فرمایا: اما الحوادثُ الواقعۃ فارجعوا فیھا الی رواۃ حدیثنا فانھم حجتی وانا حجۃ اللہ علیکم لیکن رونما ہونے والے حوادث میں تم ہماری حدیث بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں تم پر حجت خدا ہوں

---

(۱)، صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۴ حقیقت ۵۴۰ (۲)، وسائل باب ۱۰ کتاب قضا ص۲۰ جواہر ج ۱۸ ص ۱۸

علامہ فقیہ میرجہانی فرماتے ہیں : علی بن محمد سمری کی وفات کے بعد امام کا کوئی خاص نائب نہیں تھا اور نہ خروج سفیانی تک ہو گا بلکہ علماء شیعہ کو اپنا عام نائب قرار دیا ہے [1]

ان اصولوں سے معلوم ہوا کہ غیبت کبریٰ کے زمانے میں منصب بابیت، مسدود ہو گیا اور امر دین میں علماء کی طرف رجوع کرنے کا دروازہ کھل گیا۔ اگر صوفی حضرات کے پاس مذکورہ دونوں احادیث کی مانند کوئی سند ہے تو اسے پیش کریں ورنہ ملا علی گنا آبادی کے بقول بڑے اجازہ کے بغیر کسی کے قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے [2]

اس بیان سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلام

اجتہاد یا تقلید

نے مسلمانوں کے لئے جو فرائض مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک اجتہاد کے ذریعہ احکام دین کی علمی تشخیص ہے۔ واضح ہے کہ اس فریضہ کو تمام مسلمان انجام نہیں دے سکتے معدود دے، چند افراد اس فریضہ کی انجام دہی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہی استدلال اور استنباط کے قواعد کے ذریعہ اسلام کے احکام و مقررات کا استخراج کر سکتے ہیں۔ ایک طرف تو تمام لوگ اجتہاد کے ذریعہ احکام کے استخراج سے معذور ہیں اور دوسری طرف احکام دین کی معرفت حاصل کرنا سب پر واجب ہے۔ اس بات کے پیش نظر اسلام میں ان لوگوں کے لئے جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں،

---

(1) نوائب الدھور فی علائم الظہور ج ا ص ۹ (2) رسالہ سعادتیہ ص ۸۴

دوسرا فریضہ مقرر کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ وہ ان دینی احکام کو، جن کا ان سے سابقہ ہے، اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے افراد سے حاصل کریں یہی تقلید کے معنی ہیں۔ جو کہ اجتہاد کے مقابلہ میں ہے اور ہمارے درمیان استعمال ورائج ہے اور جاہل کے لئے تقلید کے حکم کے اثبات پر بہترین دلیل مسلمانوں کی سیرت مستمرہ ہے جو کہ صدر اسلام سے آجتک مسلمانوں کے درمیان جاری ہے۔ جو لوگ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور احکام شرعی اور دینی معارف کو استدلالی علم سے حاصل کرنے سے عاجز تھے وہ ہمیشہ معتبر فقہاء اور دانشوروں کی طرف رجوع کرتے اور پیش آنیوالے مسائل انہیں سے حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث سے ایسے شواہد تلاش کئے جاسکتے ہیں کہ جو جاہل کے لئے تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں، جیسے وہ آیات جو غیر عالم کو عالم کی پیروی کی دعوت دیتی ہیں۔ وہ آیات جو بطور خاص تقلید کے بارے میں آئی ہیں یا جو اصحاب کو فتویٰ دینے کی ترغیب دلاتی ہیں۔ اس طرح اجتہاد و تقلید اور ان کا دینی ریشہ فی الجملہ واضح ہوجاتا ہے۔ لیکن دقیق نظر اور بحث سے یہ سراغ لگایا جاسکتا ہے کہ اجتہاد و تقلید کا اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم ہے۔ اور اجتہاد و تقلید کے راستہ کو طے کرنا انسانی زندگی کے بنیادی اجزاء میں سے ایک ہے اور سرانسان عین انسانی فطرت کے ذریعہ زندگی کے سفر کو۔ جہاں وہ اجتہاد کے ذریعہ طے نہیں کرسکتا ہے۔ تقلید کے ذریعہ طے کرتا ہے بنا بر ایں اسلام میں اجتہاد و تقلید کا حکم لوگوں کی اس روش کی طرف

ہدایت کرتا ہے جس کی طرف انسانی فطرت ہدایت کرتی ہے۔ اب ہم نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں:

اول تو مسئلۂ تقلید واجتہاد، حیات انسانی کا بنیادی اور عمومی مسئلہ ہے اور جو انسان بھی معاشرہ میں قدم رکھتا ہے اسکے لئے اجتہاد یا تقلید ناگزیر ہے۔ دوسرے اپنی زندگی کے نہایت ہی مختصر حصّہ میں خود اجتہاد کرتا ہے اور زندگی کے وسیع حصہ کو تقلید کے ذریعہ گذارتا ہے اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ زندگی بھر کسی چیز میں بھی کسی کی تقلید نہیں کریگا تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا یہ زعم باطل ہے اور خود فریبی کا شکار ہے۔

تیسرے فطرت تقلید کو اس جگہ جائز سمجھتی ہے جہاں انسان جاہل ہو اور فکری مسئلہ میں اپنا نظریہ قائم کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور اس مسئلہ کا جاننے والا باصلاحیت مرجع تقلید موجود ہو

زمانۂ غیبت میں وہابی پن تشیع میں بعض منحرفین کا وہابی پن، ممکن ہے ہماری بحث سے اس کا تعلق نہ ہو، لیکن مختصر طور پر اسلئے قلم بند کردینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ بحث کی تکمیل ہوجائے اور دوسری طرف تشیع کے لباس میں ملبوس وہابیوں کو بھی پہچان لیا جائے۔ اور " **فارجعوا فیها إلى رواة حدیثنا** "، کہ حضرت حجۃ بن الحسن روحی فداہ کے نائب کی پیروی نہ کرنے والے اور " **صائناً لنفسه حافظاً لدینه مخالفاً لهواه مطیعاً لامر مولاہ** "، کے مصداق، فقہاء کی پیروی نہ کرنے

والے پہچان لئے جائیں اور احکام کی شناخت میں من مانی اور فروع کے حصول میں خودسری خود کو مطمئن کرنے کے لئے زبان پر بے ربط باتیں لانے ہی کو وہابی پن کہا جاتا ہے جو تشیع میں نفوذ کر گئی ہے. تقریباً آج سے چار سو سال قبل اجتہاد کے متعلق زمانۂ غیبت کبریٰ میں استمرار ولایت کے بارے میں دنیائے تشیع میں یہ خطرناک مہم اخباری رجحان کے عنوان سے ابھری، اور سعودی عرب کے سرکاری مذہب سے مشابہ اس موضوع کو پیش کرنے والے ملا امین استرآبادی ہیں.

اخباری رجحان کو ایک مکتب نے ایسے معین اصولوں کے صورت میں پیش کیا جو حجیت عقل کے منکر ہیں اور قرآن کی حجیت و سندیت کو بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ اسے صرف اہل بیت پیغمبرؐ سمجھ سکتے ہیں ہمارا فریضہ صرف اہل بیتؑ کی احادیث کی طرف رجوع کرنا ہے اسی طرح اجماع کو بھی اہل تسنن کی بدعت قرار دیتے ہیں. مختصر یہ کہ ادلۂ اربعہ، قرآن، سنت واجماع اور عقل، میں سے صرف سنت کو حجت قرار دیتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ کتب اربعہ و کافی، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب اور استبصار میں جو احادیث آئی ہیں وہ سب صحیح و معتبر ہی نہیں بلکہ قطعی الصدور ہیں. مختصر یہ کہ ایسے اصول کا مکتب چار سو سال سے پہلے نہیں تھا.

بہرحال اخباری رجحان مکتب اجتہاد و تقلید کے خلاف ہے اور وہ اس اہلیت و صلاحیت کے منکر ہیں جس کے مجتہدین قائل ہیں، اخباری غیر معصوم کی تقلید کو حرام جانتے ہیں.

یہ مذہب صوفیوں کے ولایت بغیر امامت والے نظریہ کی تقویت کرتا ہے کیونکہ یہ کہتا کہ حجت و سند سنت میں محدود ہے، اسمیں رائے زنی کا بھی حق نہیں ہے، یہ حسبنا کتاب اللہ کی بدترین آواز کو اس طرح شیعیت میں رائج کرنا اور مسئلہ ولایت و امامت کو خاص زمانہ میں محدود کرنا ہے۔

اس سوچے سمجھے منصوبے کا، کہ جس کا مرکز خود سقیفہ بنی ساعدہ تھا بڑے علماء نے اس حد تک مقابلہ کیا کہ اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا، اخباری رجحان کے پیدا ہونے کے بعد ایک گروہ نے نئی تحریک کا آغاز کیا کہ جس نے اسلامی معاشرہ کے لئے امام زمانہؑ کی طرف توجہ ہی کو کافی قرار دیا۔ انہوں نے اپنے اس اقدام سے زمانہ غیبت کبریٰ میں استمرار ولایت امام زمانہؑ کے عام نائب، اور زمانہ کبریٰ میں وسیلہ نجات فقہاء کی مخالفت کی، افسوس کہ حجۃ بن الحسنؑ کے اسم مبارک کی وجہ سے ناواقف لوگ فریب کھاتے ہیں اور ناواقفیت میں ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

بیعت لینے والا ہم کہہ چکے ہیں کہ بیعت کا ایک رکن بیعت لینے والا ہے، صوفیوں کا عقیدہ ہے بیعت لینے والا نمائندہ الٰہی، نبی یا امام سے اجازت یافتہ نمائندہ۔ بیعت لے سکتا ہے کیونکہ بیعت خدا سے معاملہ کا نام ہے اور جب تک کسی کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ صحیح معنوں میں حق کا نمائندہ ہے اس وقت تک خالص حق کو انجام نہیں دے سکتا ہے (۱)۔ (۱) رسالہ رفع شبہات ص ۱۸

اس لحاظ سے صرف صوفیوں کے ہر فرقہ کا رئیس ہی بیعت لے سکتا ہے اور سیاسی قیادت اور اسلامی معاشرہ کی فقہی مرجعیت ایک دوسرے سے جدا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وفات رسولؐ کے بعد حسبنا کتاب اللہ، کہا گیا تھا، یہ زمانۂ غیبت میں حسبنا امام زمانہ ہے۔ البتہ ادھر ماضی قریب میں صوفیوں نے نیابت کا منصب اپنے پیروں کے لئے مقرر کر لیا ہے یعنی ہر صوبہ کا رئیس جو رئیسِ فرقہ کا نائب اور اسکے اجازہ کا حامل ہے وہ بیعت لیتا ہے، اور وہی عشریہ، فطرہ اور نذر و نیاز جمع کرتا ہے اور اگر صوبہ کے متعلقہ شہروں میں کوئی صرف نماز پڑھانے کا اجازہ رکھتا ہے یا مجلس وغیرہ برپا کرنے کا مجاز ہے تو براہ راست فرقہ کے رئیس۔ جو کہ خود کو نبی سمجھتا ہے ۔ کی زیر نظر وہاں کے امور انجام پائیں گے ملا سلطان گنا آبادی کہتے ہیں: صوفی اس شخص کو کہتے ہیں جو صدق و صفا کے ساتھ نبیٔ وقت یا اس کے خلیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیتا ہے (۱)

صوفیوں کا خیال ہے کہ ہر فرقہ کے رئیس کا انتخاب خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ خدا اپنے پسندیدہ شخص ہی کو منتخب کرتا ہے۔ یہ ایک حیلہ و فریب کاری ہے جو انکی تحریروں میں جا بہ جا نظر آتی ہے۔ ملا علی گنا آبادی کہتے ہیں: یہ انتخاب خدا کی طرف سے ہونا چاہئے تاکہ اندھا اندھے کا راہنما نہ قرار پائے!

---

(۱) بشارت المؤمنین ص ۲۱۹ و ۲۲۰، صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۸۔

اور اگر زیر آسمان ایسا صوفی نہ ہو قرآن کا بیان کرنیوالا نہ ہو بلکہ عترت بھی نہ ہو ؂

تو اس شخص کا وجود ایسا ہی ہو گا جیسے امام زمانہؑ کا۔ کیونکہ شیخ محمد حسن اصفہانی معروف بہ صفی علیشاہ لکھتے ہیں: اس منصب والے شخص کو، خدا کے تمام اوصاف، مثل علم و قدرت میں اہل زمانہ سے بلند ہونا چاہیئے اسطرح کہ امامؑ کی غیبت کے زمانہ میں امامؑ کے علاوہ اس کا وجود کافی ہو۔[2]

صفی علی شاہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: مظہر ذات ہے، زبدہ ممکنات ہیں، لشکر عرش ہیں اور داور فرش ہیں علی کی طرح[3] اور ولی کی صورت غائب ولایت کا نائب، اسکی ذات قائم ہے، اس کا لطف دائم ہے ہادی کی عنایت سے اور مہدی کی ہدایت سے بظاہر خلق ہے اور بباطن حق، اس سے بڑا اور کھلا کفر اور کیا ہو گا کہ انسان ایک بدعت گذار اور قرآن و سنت سے منحرف شخص کو خدا بھی رسولؐ بھی اور امام بھی جانتا ہے؟

یہی نعمت اللٰہی فرقہ کے صوفی پھر لکھتے ہیں: اگر دوسری اصطلاح میں ہم اسے پیر کامل، یا شیخ، یا عارف واصل، یا مرشد قابل کہیں یا عالم ربانی یا ولی سبحانی کہیں تو بجا ہے کیونکہ شریعت میں خلیفہ مصطفٰے اور طریقت میں نص ولایت سے مناسب نائب علی مرتضٰی ہیں۔[4]

فرقہ نعمت اللٰہی کے سرداروں میں سے نور جواد بخش مونس علی شاہ

---

(۱) صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۸ (۲) مقدمہ دیوان علیشاہ ص ۱۶ (۳) یعنی اسکی باطنی شان و کیفیت علی کی شان و کیفیت ہے (۴) عرفان الحق ص ۱۳۔

لکھتے ہیں: یکتائے والا ہے، محبوب حق تعالیٰ، اخلاق خدا سے آراستہ اور حقائق سے آگاہ ہے![1]

اشعار کے پیرائے میں کہتے ہیں: "کو خلیفہ حق بہ دور عالم است"[2] لکھتے ہیں: اس پیر کے حکم پر بے چون و چرا عمل ہونا چاہیے۔ اور کسی بھی موقع پر صوفیوں کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے[3] اور ایسا ہمیشہ ہوتا ہے۔ تاکہ سدا بشر کے لئے راہنما رہے![4]

صوفیوں نے اپنے لئے جن تعریف و تمجید کے پل باندھے ہیں اور فضائل تراشے ہیں اگر ان کی حقیقت ہے۔ کہ سامنے نہیں ہیں، معلوم نہیں وہ خود تراشنے والوں اور قریبی لوگوں کے لئے اچھی طرح روشن ہے کہ فوٹو کاپی اصل سے نہیں ملتی۔ ان حضرات میں سے کون اخلاق خدا سے آراستہ ہے؟!

ایسا بیعت لینے والا۔ کہ جس کا وجود کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ بعض تو خود اپنی اجازت کو اذن خدا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ملا علی گنا آبادی نے اپنے بیٹے کے اجازت نامہ میں لکھا ہے: اہل طریقت اس فقیر کے اذن کو، اذن خدا جانتے ہیں،"[5] اس صورت میں صوفیوں کا کردار وہ ہے کہ جس کو انہوں نے خدا، رسولؐ اور صاحب ولایت کے ہم پلہ قرار

---

(۱)، ایضاً ص ۹۲ و ۹۳ (۲)، در خرابات ص ۱۲۵ (۳)، تفسیر منظوم سورہ حجرات ص ۵۶

(۴)، تفسیر منظوم سورہ حجرات ص ۸۰، (۵)، نامہ ھای صالح ص ۱۱۔

دیدیا ہے جبکہ وہ ایک معمولی انسان ہے لیکن اس بات کی اجازت میسر ہے کہ صوفی خدا اور رسولؐ اور معصومؑ سے اس کا تقابل کریں ۔ ایسے شخص کے پاس نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں ہے بلکہ قرآن کی نظر میں وہ طاغوت و سرکش ہے جو لوگوں کو خدا پرستی سے ہٹا کر صنم پرستی کی دعوت دیتا ہے۔ صوفی انسانی پیکر میں ایسے شیطان کے انکار کو خدا، انبیاءؑ اور اولیاء کا انکار سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ ملا علی گناآبادی لکھتے ہیں : جو زیادہ قریب ہے اس سے توسل کرنا چاہیئے اور اپنے وقت کے بزرگ کی اقتدار اور اس سے توسل نہیں ہو سکتا اگر تم نے اس کا انکار کیا۔[1] یعنی اگر فرقہ کے سردار کا انکار کر دیا تو گویا خدا اور رسولؐ کا انکار کر دیا۔

اگر ایسا کوئی بیعت لینے والا۔ جو کہ خدا بھی ہے اور رسولؐ بھی ہے اور امام بھی ہے، تمہیں دھتکار دے اور مردود قرار دیدے تو پھر تمہیں کوئی پانی پاک نہیں کر سکتا ہے اور کوئی شخص تمہیں اسفل السافلین سے نجات نہیں دلا سکتا۔

چونکہ ملا علی گناآبادی لکھتے ہیں : جسے کوئی شیخ یا ولی دھتکار دے اسے مشائخ میں سے کوئی کمال تک نہیں پہونچا سکتا

بیعت لینے والے القاب نے

شاید جس زمانہ میں محی الدین عربی صوفیوں کے لئے

---

[1] صالحیہ طبع دوم ص ۳۲۲ حقیقت ۵۹۹ ۔

اولیائی کا بیج بویا تھا، اسی زمانہ سے عالم کے قدسیوں سے مخصوص اصطلاحات کو اپنی تحریروں میں ان ذوات مقدسہ کے غیروں کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔ اور جو ان کے بعد آئے انہوں نے بھی وہی روش اختیار کی اور پھر ان کے بعد والوں نے انہیں اصطلاح میں تھوڑی رد و بدل کر کے انہیں صوفیوں کے القاب قرار دیدیئے۔ ان کلمات کی حقیقت پر توجہ نہ کی کہ یہ ان خاک نشین عرشیوں سے مخصوص ہیں جن سے عصمت و طہارت مختص ہے، انہیں کو دوسرے معمولی انسانوں کے لئے بھی استعمال کر ڈالا، جو کہ تصوف کی ابتدائی چیزوں سے بھی واقف نہیں ہیں انہیں آسمانی ہستیوں کے برابر قرار دے دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ صوفیوں کے سرداروں نے ان کلمات کو اپنے لئے استعمال کر کے ان کی قدر و قیمت کو گھٹا دیا اور دوسروں کے لئے راستہ کھولدیا۔

مثلاً وزارت خزانہ کے ایک معمولی ملازم کو۔ صرف اس بنا پر کہ وہ چال چلن، اعتقاد، رازداری اور پہلوی حکومت میں انٹلی جنیس کا معاون تھا۔ سر المشکوٰۃ والمصباح، فلک معرفت و یقین، شمس حقیقت مشارق، مفتاح کنوز دقائق، کتاب بحق ناطق،

ایسے القاب دیئے ہیں۔

بہاء اللہ اور صوفی

غیبت کبریٰ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت حجۃ بن الحسن العسکری روحی فداہ کے باب ہیں۔ مشہور ترین دعویداروں میں سے ایک سید علی محمد شیرازی ہیں جو کہ ابتدا محرم میں ۱۲۳۶ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۲۳۵ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے اور ماہ شعبان ۱۲۶۶ھ میں مرتد ہو جانے کے جرم میں شہر تبریز میں دار پر چڑھا دیئے گئے۔

موصوف نے پہلے سال میں تو باب ہونے کا دعویٰ کیا اور دوسرے میں منصب بابیت ملا حسین علی کو تفویض کیا اور خود نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ اور صوفیوں، باطنیوں اور غالی شیوں کے عقائد، آیات و احکام کی غلط تاویل اور قوانین و سنن اسلام میں ردو بدل کر کے عقائد کا ملغوبہ بنایا

اعتقادی و اصطلاحی لحاظ سے صوفیوں اور بہائیوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ ان میں سے بعض کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ لیکن ولی مرشد کہ جس کو خدا نصب کرتا ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ میرزا بہاء اللہ کا عقیدہ ہے کہ: مرشد ولی از جانب خدا اور عالم علم لدنی ہوتا ہے۔ اور خدا کے صفات سے متصف ہوتا ہے۔

اور اسپر وحی والہام ہوتا ہے اور خدا کے صفات سے متصف ہونے کے بارے میں ملا سلطان گنا آبادی لکھتے ہیں : چونکہ بیعت لینے والے اور بیعت کرنے والے کے درمیان ابوت و بنوت صادق آتی ہے لہذا فرزندگی میں جس قدر باپ کے صفات ہونگے اسی تناسب سے بیٹے میں خدا کے صفات ظہور کرینگے۔[1]

ملا گنا آبادی نے شیخ محسن صابر علی ساکن شیراز کے نام ٹیلی گراف میں جو ولی مرشد خدا کی طرف سے ہوتا ہے لکھا کہ :

اس کے بعد امر دین فرزند مکرم حاج شیخ محمد حسن صالح علی شاہ کے ہاتھ میں ہے، اس سے تجدید بیعت۔ و دعوت کرو۔[2]

اور شیخ عبد اللہ حائری ساکن تہران کے نام ٹیلی گراف میں لکھتے ہیں زمانہ ختم ہوا اور خدا کی جانب سے امر دین جناب مستطاب حاج شیخ محمد حسن کو تفویض ہوا ہے۔[3]

مذکورہ دونوں ٹیلی گراف میں چار چیزوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو کہ کلام معصوم کی خصوصیات میں سے ہیں۔ اور معصومین سے مخصوص ہیں، مثلاً امر دین۔ اس سے نیابت خاصہ کا مدعی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ امر دین عالم مسلمان یا شیعوں کا امر دین خدا کی طرف سے کبھی بھی۔ شیخ محمد حسن صالح علی شاہ

---

(۱) کتاب فاضلیہ ج ۱ ص ۲۲۵ (۲)، ولایت نامہ ص ۷۶ (۳)، نامہ ہای صالح ص ۱۳ (۴)، نامہ ہای صالح ص ۱۴۱۔

کو تفویض نہیں ہو سکتا، ان باپ بیٹوں نے ٹھیک وہی بات کہی ہے جو بہار اللہ کہہ چکا ہے۔

اسلام میں صوفیوں کی بیعت کی حیثیت صوفی رجحان رکھنے والے سے جو بیعت لی جاتی ہے وہ صوفیوں کی نگاہ میں دین و دیانت کی اساس ہے۔

ملا سلطان گنا آبادی لکھتے ہیں: جس شخص نے امام یا شائخ امام سے بیعت خاصہ کی ہے اور امام کی ملکوتی صورت اس کے قلب میں پیدا ہوئی تو وہ صورت اس کے وجود کو قائم رکھنے والی ہے [1] یعنی امام زمانہ کی بیعت لینے والا صوفی ہو جاتا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کوئی خود کو امام زمانہ سمجھے۔ صوفیوں کے نزدیک یہ بیعت خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس بیعت کے بغیر فروع دین میں سے کوئی بھی فائدہ رساں نہیں ہے۔ اور اس کے بغیر انسان درجۂ ایمان پر فائز نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ملا علی گنا آبادی بیعت کو شریعت کے فرائض یعنی نماز، روزہ اور حج وغیرہ سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں لکھتے ہیں:

اگر بیعت اسلام کے اہم فرائض اور اس کے لازم ترین لوازم میں سے نہ ہوتی تو اس کو اتنی اہمیت کیوں دی جاتی ہے؟ [2]

---

(۱) بشارت المؤمنین ص ۲۱ (۲) صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۲ حقیقت ۵۳۵۔

دوسری جگہ اس اتصال کے بغیر فرائض کو بے کار جانتے ہیں لکھتے ہیں: اقتدار کے بغیر عمل اور اتصال کے بغیر دل برباد ہے! یہ امام محمد باقرؑ کے کلام میں تحریف ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اسلام پانچ پایوں یعنی نماز زکوٰۃ، حج، روزہ اور ولایت پر استوار ہے؟ اور ولایت کو ان سب سے افضل قرار دیا ملا علی گنا آبادی نے ولایت کو صوفیانہ بیعت سے تعبیر کر کے امامؑ کے قول میں خیانت کی ہے۔

اسی لحاظ سے اس شخص کو گھاٹے میں سمجھتے ہیں جو ان کی بیعت نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ والعصر کی تفسیر لکھا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے وہ انسان گھاٹے میں ہے جس نے صوفیوں کی بیعت نہیں کی ہے۔ ملا سلطان گنا آبادی نے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں: والعصر

إِنَّ الإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا !

یعنی تمام لوگ خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے امام یا شیخ مجاز کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے؟

صوفیوں کی یہ بیعت اپنے خصوصیات کے ساتھ، سیرت رسولؐ میں نظر آنے والی ان بیعتوں میں سے کسی کے بھی موافق نہیں ہے کہ جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ صوفیوں میں جو بیعت کی رسوم ہے وہ نہ بیعت

۱۔ صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۲ حقیقت ۵۳۵ ۔ ۲۔ اصول کافی ج ۲ کتاب الایمان والکفر ج ۵ ۔ ۳۔ بشارت المومنین ص ۲۲ مقدمہ۔

دعوت ہے نہ بیعت جہاد اور نہ بیعت ولایت وقیادت ۔

اس طرح صوفیوں کی رسوم بیعت کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن صوفی حضرات یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس بدعت کے ذریعہ اپنے پیروں کو بھی حضرت حجۃ بن الحسن العسکری کے خاص نواب کے برابر لے آئے ہیں

امام زمانہؑ کے معتقد پر تہمت

صوفیوں کا نظریہ ہے کہ جو شخص شیخ زمانہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا ، یا انہیں کی اصطلاح میں ، جو قطب زمانہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا ہے نہ صرف یہ کہ اس کے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ وہ حضرت امام زمانہؑ روحی فداہ کا بھی خالص شیعہ شمار نہیں ہوگا . جیسا کہ فرقۂ گنآبادیوں کے شیخ سید ہبت اللہ جذبی کہتے ہیں : جس نے یہ بیعت کی اس نے بارہ ائمہؑ کی امامت کو قبول کرلیا ہے اور اس کا مذہب حقیقت کا حامل ہوگیا . لیکن اگر کسی نے بیعت نہ کی ہو تو وہ پہلی صورت کے لحاظ سے مسلمان ہے اور اسلامی احکام اس پر جاری ہونگے !

جناب جذبی صاحب جیسوں سے کہ جنہوں نے دوسروں کی دنیا بنانے کے لئے بدعت گزاری کی ہے اور قرآن وسنت کے برخلاف بات کہی اور لکھی ہے ۔

---

(۱) رسالۂ جذبیہ ص ۷۲ ۔

سوال کیا جائے کہ خدا اور رسولؐ پہ ہمارا ایمان ہے یا نہیں ؟ اور آیہ "الذین یومنون بالغیب" کی دلالت سے غیب پر ایمان ہے یا نہیں کیا اسکو قبول کرنے کے لیئے رسولؐ کی رسالت کا اقرار کی خاطر جداگانہ طور پر بیعت کرنا ہو گی ؟ اگر کہتے ہیں کہ ولی کی بیعت ہی رسالت کے اقرار کے لیئے کافی ہے تو ہم کہیں گے کہ ہزاروں لوگوں نے بیعت نہیں کی ہے اور نہ کرنے والوں میں فقہاء، محدثین اور مفسرین بھی ہیں جو کہ خالص الولایہ شیعہ ہیں، کیا وہ امام زمانہؑ کی امامت کو قبول نہیں کرتے ہیں ؟

تعجب ہے کہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں اس مسئلہ کو صرف صوفیوں نے محسوس کیا ہے اور جلیل القدر عالم شیخ مفید قدس اللہ روحہ العزیز کہ جن کے بارے میں امامؑ نے دستاویز۔ توقیع۔ رقم کی ہے اور انہیں اس طرح یاد کیا ہے۔ "ایھا الاخ الولی والمخلص فی ودّنا الصّفی والنّاصر لنا الوفی"۔[1]

اے سچے بھائی ہمارے مخلص دوست، ہماری مدد میں کوتاہی نہ کرنے والے باوفا چونکہ انہوں نے صوفیوں کے پیروں میں سے کسی کی بیعت نہیں کی ہے کیا انہوں نے ۱۲ ائمہ کی امامت کو قبول نہیں کیا ہے ؟

یا مرحوم سید ابوالحسن اصفہانی کہ جنہیں امام زمانہ روحی فداہ نے حکم دیا تھا: ارخص نفسک واجعل مجلسک فی الدھلیز واقض

---

[1] ۱۔ بحار الانوار ج ۵۳ ص ۱۷۶ ۔

حوائج الناس نحن ننصرک!

لوگوں سے گھل مل جاؤ، اور دروازے کے پاس بیٹھک بناؤ لوگوں کی حاجت روائی کیا کرو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اسنے محترم شخص نے چونکہ صوفیوں کی بیعت نہیں کی ہے لہذا بارہویں امامؑ کی امامت کو قبول نہیں کیا ہے۔

بیعت توڑنا صوفی حضرات اس بیعت کی خاص حرمت کے قائل ہیں کہ جس میں نہ کوئی اسلامی پہلو ہے، اور نہ اسلام میں رائج بیعت کی تینوں شکلوں میں سے کوئی اس میں شامل ہے۔ اور اپنی اس بدعت کی بہت سی اقدار لکھی ہیں، اور اسے توڑنے کے لئے بھی بہت سی گڑھی ہوئی باتیں بیان کی ہیں۔ ملا علی گنا آبادی لکھتے ہیں! جو شخص بھی ولی وقت سے روگردانی کرے گا اگر وہ ستر سال ترکِ لذات و عبادت کریگا تو بھی کسی جگہ نہیں پہونچ سکیگا۔[۲]

ملا علی گنا آبادی ہی لکھتے ہیں: جان لو اگر انسان عمر بھر رات کو حالت نماز اور دن کو حالت روزہ میں بسر کرے اور اپنا سارا مال تصدق کرے، عمر بھر حج بجالاتا رہے۔ لیکن اپنے ولی امر کی ولایت تسلیم نہ کرے تو اس کے اعمال کا خدا کوئی اجر نہ دیگا۔

---

(۱)، مجموعہ فرمایشات حضرت بقیۃ القدس ص ۱۷ (۲)، صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۹ حقیقت ۲۷۳۔

اور اہل ایمان میں سے بھی نہ قرار پائیگا!

فرقۂ خاکسار میں بھی ایسے افراد پائے جاتے ہیں جیسا کہ مدارس عالم، معروف بہ معصوم علی شاہ لکھتے ہیں: تجدید بیعت یعنی ایک درویش نے اپنا دستِ ارادت ایک مرشد کے ہاتھ میں دیا اور ایک مدت کے بعد جدا ہو کر پھر از سرِ نو دوسرے مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے اس چیز کو تجدید بیعت کہتے ہیں۔ اور فرقۂ خاکسار میں ان لوگوں کو حرام زادہ کہتے ہیں جو کہ بیعت توڑتے ہیں اور عدول کرتے ہیں[۲]

لفظ ارتداد کے معنی

اپنے مخالف کو مرتد سمجھتے ہیں

ایک چیز سے رو گرداں ہو کر دوسری کی طرف رجوع کرنے کے ہیں، ان معنی کی تائید قرآن مجید کی آیت بھی کرتی ہے: ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خاسرین[۳]

ملا سلطان گنا آبادی صوفیوں کی بیعت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: اگر العیاذ باللہ وہ پیوند ٹوٹ جائے تو توڑنے والا مرتد فطری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے[۴]۔ جناب جذبی صاحب جو کہ گنا آبادی فرقوں کے رؤسا کے نمائندہ تھے، حضرت علی بن ابی

---

(۱)، صالحیہ طبع دوم ص ۲۱۹ حقیقت ۲۷۳ (۲)، بیوگرافی ہزار درویش ص ۸۳ (۳)، سورۂ مائدہ آیت ۲۱ - (۴)، ولایت نامہ ص ۸۲ -

طالبؑ کی بیعت سے بحث کرتے ہیں اور ان لوگوں کو مرتدین یعنی دین سے خارج قرار دیتے ہیں جنہوں نے وفات رسولؐ کے بعد علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی! جبکہ وہ مسلمان بھی تھے نماز بھی پڑھتے تھے روزہ بھی رکھتے تھے اور شرعی احکام پر بخوبی عمل بھی کرتے تھے لیکن مرتد ہو گئے ۵۔ اس ارتداد کو زمانۂ غیبت میں بھی جاری قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں: ان بزرگوار نے اپنے اصحاب میں سے ایک کو مامور کیا کہ ان کی طرف سے بیعت لے بیعت لے یعنی چہ؟

یعنی بارہویں امامؑ کی امامت کے لئے بیعت لے اور امامؑ کا مرحمت کردہ یہ اجازہ آپؑ کے ظہور تک اسی طرح سینہ بہ سینہ اور دست بہ دست منتقل ہوتا رہے گا۔؟

اسی طرح ان صوفیوں کی بیعت کو اسلامی بیعت جیسا سمجھتے ہیں کہ جس کے توڑنے سے انسان مرتد ہو جاتا ہے!! اس صورت میں صوفی حضرات غیر اسلامی بیعت کا انکار کرنے والوں، بلکہ ہر اس شخص کو مرتد سمجھتے ہیں جو کہ ان سے روگردانی کرتا ہے۔ جبکہ مرتد کے بارے میں امام صادقؑ کا ارشاد یہ ہے: کل مسلم بین المسلمین، ارتد عن الاسلام وجحد محمداً نبوته وكذبه فان دمه مباح لمن سمع ذلك منه وامرأته بائنة يوم ارتد وتقسيم امواله على ورثته وتعتد امرأته عدة المتوفى عنها زوجها وعلى الامام عن يقتله ولا يستاب ۱؎ حوالہ اگلے صفحہ پر۔

اسلامی معاشرہ میں جو مسلمان سے مرتد ہو جائے رسول ص
اور اس کی رسالت کا انکار کرے رسول ص کو جھٹلائے
تو جو بھی کسی کی زبان سے ایسے کفر آمیز کلمات سنے
تو وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ اس کے لئے اس کا خون
مباح ہے، اسکی زوجہ کو اسی دن اس سے الگ ہو
جانا چاہیئے۔ جس دن سے وہ مرتد ہوا ہے، اسکا اموال
وارثوں کے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔ اسکی زوجہ
ایسے عدت گذارے گی جیسے وہ عورت گذارتی ہے
جس کا شوہر مرجاتا ہے، اور امام کے لئے ضروری ہے
کہ ایسے مرتد شخص کو قتل کرے اور اس سے توبہ
مانگنے کے لئے نہ کہے۔

اس لحاظ سے اسلامی فقہ میں مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو
اسلام کا اقرار کرنے کے بعد اسکا اور اس کی حقانیت کا انکار کر دے
اور دوسرا دین اختیار کرلے نہ کہ تصوف کا انکار کرنے والا مرتد ہے۔
فقہائے اسلام نے کچھ اور امور بھی لکھے ہیں جو کہ ارتداد کا
باعث ہوتے ہیں: اسلام کی اصل دیانت اور دین کے مقدسات و
ضروریات کا انکار کرنا اور ان کا مذاق اڑانا، رسول ص کی رسالت کو جھٹلانا
یا دین کے مسلّم حقائق میں شبہ کرنا اور ان پر اعتراض کرنا!

(۱) جواہر الکلام ج ۴۱ ص ۶۰۰۔

اس صورت میں صوفیوں کی نظر میں خدا اور رسولؐ کے مخالف ، ضرورت دین کے منکر اور دین کے مسلّم حقائق میں شبہ کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی ہے یا بیعت کر کے توڑ دی ہے ۔

مشہور و معروف معاصرین میں سے صاحب کتاب "صراط مستقیم" لکھتے ہیں : سو میں سے ننانوے جو اثنا عشری شیعہ سلسلہ میں داخل نہیں ہیں ۔ یعنی صوفی نہیں ہیں ۔ ان کا ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ العیاذ باللہ ، اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ بھی ولایت سے متصل ہیں تو بیعت نہ کرنے ، اور سلسلہ میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے وہ ناقص ہیں صوفیوں کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ سید رضی و سید مرتضیٰ علم الھدیٰ قدس اللہ ارواحھما اور شیخ مفید ، شیخ طوسی ، علامہ حلی ، مقدس اردبیلی اور شیخ انصاری رضوان اللہ علیہم اور دوسرے بزرگان دین العیاذ باللہ ناقص ہیں اور ایک معمولی دوکاندار و مزدور بیعت کرنے اور ان کے سلسلہ میں داخل ہونیکی وجہ سے کامل ہے!؟

مسلّم ہے کہ ایسا نہیں ہے ۔ اور ایسے عقیدہ کا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے جس کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں قول حق یہ ہے کہ جو شخص خدا و رسولؐ اور ائمہؑ پر ایمان رکھتا ہے اور رسولؐ کی پیش کردہ چیزوں کو تسلیم کرتا ہے ۔ خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ راہ حق اور نجات پانے والوں کے راستہ پر ہے! حوالہ اگلے صفحہ پر ۔

بیعت میں رہئیے گناہ کیجئے

ولایت سے اتصال صوفیوں کے نزدیک تصوف کے سربراہوں کی بیعت کرنا ہے۔ جیسے وہ بغیر دلیل و سند کے مانتے ہیں اور امامؑ کے لئے بیعت لیتے ہیں![1] اور بیعت کے دن کو صوفی بننے والے کے لئے ایسا ہی دن سمجھتے ہیں۔ جیسے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی...[2]

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر مرتے دم تک یہ بیعت نہ توڑی جائے تو پھر اسے کوئی بھی گناہ ضرر نہیں پہونچا سکتا ہے۔ ملا سلطان گنا آبادی لکھتے ہیں: اگر ولایت کے پیوند کو مرتے دم تک برقرار رکھے، اور اس کے گناہ جن و انس کے گناہ کے برابر ہوں گے تو سب جھڑ جائیں گے۔ اور اس پیوند و اتصال کی اصل حب علیؑ ہے، کے سبب کوئی گناہ بھی اسے نقصان نہیں پہونچا سکتا ہے[3] اور اگر یہ رشتہ ٹوٹ گیا یعنی صوفیوں کی بیعت توڑ دی گئی تو ستر سال کی باشقت

---

(۱)، طریق مستقیم ص ۵۷، و ۶۱، (۲)، رسالہ احوال کیوان قزوینی ص ۹، (۳)، رسالہ ولایت تالیف سید بیعت اللہ جذبی گنا آبادی ص ۱۰۷، (۴)، ولایت نامہ ص ۲۳۲۔

عبادت سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا ! اپنی تمام عمر کو نماز، روزہ اور حج جانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔[1] جبکہ یہ طرز فکر اور یہ نظریہ قول معصوم کے سراسر خلاف ہے۔ ارشاد ہے ہمارے شیعوں کو یہ بات پہونچا دو کہ ہم طاعت ہی کے ذریعہ خدا تک پہونچا سکتے ہیں۔ اور ہمارے شیعوں تک یہ بات بھی پہونچا دو کہ خدا کی طرف سے کوئی بھی چیز عمل ہی کے ذریعہ مل سکتی ہے۔[2]

یعنی صوفیوں وغیرہ کی ایسی خیالی باتیں تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں اور ذمہ داری کی انجام دہی سے باز نہ رکھیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: اے جابر! خدا کی قسم طاعت کے بغیر خدائے متعال کا تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور صرف ہماری معیت سے آتش جہنم سے نجات نہیں مل سکتی ہے۔[3]

صوفیوں کی ایسی لاف و گزاف کا جواب فقیہ اہلبیت عصمت وطہارت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمہ کے اقوال سے دینا چاہیے۔ کہ وہ فرماتے ہیں: ان کی محبت کے ذریعہ دل میں ملکہ اور نورانیت حاصل کرو، گناہوں سے احتراز کرو اور اگر کبھی کبھار مرتکب ہوگئے تو، توبہ وانابت کے ذریعہ اس کا مداوی کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو کہ نفس کی مہار

---

(۱)، ملاحظہ فرمائیں صالحیہ ص ۲۱۹ (۲)، ولایت نامہ ص ۴۷ ۔ (۳)، ۳۰۔

(۴)، چہل حدیث ص ۴۸ ۔

ٹوٹ جائے نہ یہ کہ حب علیؑ گناہ و ترک واجب کا مقدمہ بن جائے۔

اس لحاظ سے صوفی اور ان جیسوں نے غلط راستہ اختیار کیا ہے اور ایسی بے بنیاد باتوں کے ذریعہ لوگوں کو گناہوں سے قریب کیا ہے۔ البتہ اکثر فرقوں کے سرداروں نے بلکہ ان میں سے سو میں سے ننانوے نے اپنے متبعین کو یہ سمجھا دیا ہے کہ اس کے بیعت کرنے سے کچھ تحفظ ہوا ہے۔ البتہ جو وہ مرید کے کان میں کہتے ہیں کہ تمہارا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں آگیا ہے کافی ہے۔

مہدویت نوعیہ جو کچھ صوفیوں کی بیعت کے لئے بیان کیا گیا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ صوفی ولایت جزیہ جیسے ولایت قمریہ سے بھی تعبیر کیا ہے سے باب امامؑ یا امامؑ کے خاص نائب والے مسئلہ کا استنباط کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ پیدائش آدمؑ سے ظہور مہدیؑ تک ہر زمانہ میں ائمہؑ کے باب کا ہونا ضروری ہے۔ بلکہ اس نظریہ سے ان کی مراد یہ ہے کہ جو خیالی چیز صوفیوں کے تمام فرقوں میں رائج ہے وہ مہدویت نوعیہ ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ صوفیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ان کے پیر و سردار مہدویت نوعیہ کے حامل ہیں اس لحاظ سے وہ خود امام زمانہ ہیں اور انہیں حضرت حجۃ بن الحسن العسکریؑ کے تمام اختیارات حاصل ہیں۔

العیاذ باللہ جیسا کہ محی الدین عربی اور تمام صوفیوں کے کلمات میں ایسے دعوے نظر آتے ہیں، مولوی بھی اس مہدویت نوعیہ کے معتقد تھے فرماتے ہیں:

پس بہر دوری ولیئ قائم است تا قیامت آزمائش دائم است

مہدی و ہادی وی است اے راہ جو ہم نہاں و ہم نشستہ پیش رو

پس امام حی قائم آن ولی است خواہ از نسل عمر خواہ از علیؑ است

یعنی صوفیوں کا پیران پیر جسمانی لحاظ سے رسالت کے شجرۂ طیبہ سے متصل ہے اور جو پیر ہے وہ سید نہیں ہے بلکہ وہ مولوی کے بقول عمر کی اولاد میں شمار ہوتا ہے، یہ دونوں زندہ و قائم امام ہیں اور زندہ و قائم کا منصب رکھتے ہیں۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اسے مہدویت نوعیہ کہتے ہیں اور حضرت حجۃ بن الحسن ایسے ہی انسان کے ذریعہ خلق کی ہدایت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ملا سلطان حسین گنآبادی کا دعویٰ ہے کہ ان سے عبدالغفار اصفہانی نے قائم عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے لکھا تھا کہ: حضرت قائم عجل اللہ فرجہ امام حسن عسکریؑ کے صلبی بیٹے ہیں جو زندہ، قائم اور مہدی آخرالزمانؑ ہیں، اور آپ ہر زمانہ میں مشائخ کے ذریعہ خلق کی ہدایت کرتے ہیں؛ ہاں نظروں سے غائب ہیں۔

اس سے مہدویت نوعیہ،، کا مسئلہ۔ جو کہ ایک لحاظ سے نیابت خاصہ اور باب ہونے سے بھی برتر ہے۔ بخوبی مستنبط ہوتا ہے۔

غیبت اور ظہور نوعیہ

میں اس فکر میں رہتا تھا کہ "مہدویت نوعیہ" کی مانند غیبت وظہور بھی یقیناً ہوگا، لہٰذا میں نے صوفیوں کے آثار کا مطالعہ کیا، مطالعہ کے دوران مجھے ملا سلطان گنا آبادی کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا: چونکہ عالم انسان عالم کبیر کا نمونہ ہے۔ اور عالم کبیر وصغیر دونوں کے لئے غیبت وظہور کی خبریں ہیں چنانچہ بعض حدیث میں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ صرف صغیر کا ذکر ہوا ہے اور بعض میں صرف عالم کبیر کا ذکر ہوا ہے۔ اور عالم کبیر میں ان بزرگوں کے ہیاکل کی غیبت وظہور مراد ہے اور عالم صغیر میں ان کی ملکوتی صورت کی غیبت وظہور مراد ہے"، یہ وہی بات ہے جسے ملا سلطان نے ولایت نامہ میں اور کچھ بشارت المومنین میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان دونوں تحریروں سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک یہ کہ صورتِ معنوی سے زندہ وقائم امام مراد ہے دوسری یہ کہ زندہ وقائم امام کی ملکوتی صورت ایسے شخص میں ظہور کرتی ہے جو کہ امام اور مخلوق کے درمیان واسطے کے منصب پر فائز ہے۔

ایسے خیالی منصب کے لئے ملا سلطان نے ایک زمانہ معین کیا ہے۔ لکھتے ہیں: چونکہ خَلق کی نگاہیں ابھی تک ان بزرگوار کو دیکھنے کی استعداد پیدا نہیں کر سکی ہیں۔ اور حضرت قائم کے ظہور میں بارہ سال ہیں، جناب امیرؑ کی حدیث میں آیا ہے غیبت کی مدت چھ روز یا چھ ماہ یا چھ سال ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدت مند صوفی کو بارہ[1] سال خدمت کرنی چاہیے تاکہ اس میں زندہ و قائم امام، ان کی اصطلاح میں اس صوفی پیر، کی ملکوتی صورت جلوہ گر ہو جائے جو کہ مہدویت نوعیہ کا حامل ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ حقیقت اولی کا خود اس میں ظہور ہو جائے۔ یہ وہی بات ہے جو کہ بقول علی تابندہ کے "انہوں نے اپنی روحی استعداد کی بنا پر سلوک الی اللہ کے مراتب و درجات کے عنوان سے پیش کی ہے، ان کے وجود میں طفل ایمان پیدا ہو چکا ہے اور رسولؐ کے اس فرمان: موتوا قبل ان تموتوا کے مطابق انہوں نے اختیاری موت کو درک کر لیا ہے"! تو جھگڑا منصب و ریاست کا ہے جو کہ تمام صوفیوں کے پیروں کے درمیان ہے اور جیسے ثمرات میں سے ایک اختیاری موت ہے۔

زمانۂ ظہور میں ملا سلطان نے یہ دعویٰ امیر المومنینؑ کی ایک

---

(۱) خورشید تابندہ ص ۳۹

روایت کی بنا پر کیا ہے۔ روایت میں چھ روز، ماہ، سال کا ذکر ہے افسوس کہ احادیث و روایت کی کتب میں یہ روایت نظروں سے نہیں گذری ہے۔ کیوان قزوینی منصور علی شاہ لکھتے ہیں: پہلے بعض لوگوں نے چھ سال قمری معین کئے تھے۔ اب اگر وہ بارہ سال قمری بھی معین کرتے ہیں، جیسا کہ میں نے رائج تصوف سے عقیدت کے زمانہ میں خدمت کے بارہ سال گذارے اور اپنے قطب کی دو پے در پے مجالس میں اس کا محاکمہ کیا، جس کی شرح کیوان نامہ کی جلد ۲، کے ص ۱۱۵ سے ۱۶۶ تک میں درج ہے![1]

صوفیوں کے زیادہ تر فرقوں میں یہ زمانہ سنت بن گیا ہے مثلاً جواد نور بخش پیر دلیل۔ شیخ کے معاون و مشاور کے انتخاب کے بارے میں لکھتے ہیں: سابقہ فقری کو بارہ سال سے زیادہ مدت پر محیط ہونا چاہیئے![2]

صوفیوں نے مہدویت نوعیہ کی بدعت

معرفت نوعیہ کے ساتھ ساتھ ایک اور مسئلہ ایجاد کر لیا اور وہ یہ کہ چونکہ خدا اور رسولؐ اور امام کی معرفت ضروری ہے۔ اور زمانۂ غیبت میں امام کی معرفت ناممکن ہے لہٰذا کسی ایسے کامل انسان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے جو کہ زمانۂ غیبت میں، باب،

---

(۱) استوار نامہ ص ۶۵ (۲) در خرابات ص ۸۵

نائب، بزرگ زمانہ مشہور اور قطب ہو اور ولایت جزیہ اور قمریہ کا حامل ہو جو حق کا نمایندہ ہو! وہی منصب مہدویت نوعیہ پر فائز ہے، اس سے بیعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب معرفت نوعیہ ظہور پیدا کر چکی ہو، جو شخص یہ بیعت نہیں کرے گا وہ معرفت نوعیہ تک نہیں پہونچ سکتا۔ اگر وہ تمام عمر عبادت و طاعت میں مشغول رہے گا تب بھی خدا اسے جہنم میں ڈال دے گا ۱؎ البتہ شیخیہ بھی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں بس فرق یہ ہے کہ تصوف میں رئیس کو یہ منصب ملتا ہے لیکن شیخیہ میں رکن رابع اس پر فائز ہوتا ہے ۲؎

اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ عبادات میں مرشد کی صورت کا مجسم ہونے کا سرچشمہ بھی یہی ہے کہ بقول علی شاہ کہ جب صورت خدا کا مجسم ہونا ناممکن ہے اور رسولؐ و امام کی صورت کے تجسم کا بھی امکان نہیں ہے تو عبادات کے وقت ہم اپنی نظروں کے سامنے مرشد کی صورت کو مجسم کر لیتے ہیں۔

قطب صامت و قطب ناطق جس طرح دیگر افراد آیات و روایات سے جہاں تک ممکن ہوتا ہے مذہبی فائدہ اٹھاتے ہیں

---

(۱) رسالۂ باب ولایت ص ۱۰۰ شمارہ ۱۷ (۲) رسالۂ باب ولایت تالیف جناب جذبی شیخ فرزند گنا آبادی ص ۱۰۶ (۳) فہرست تالیف ابوالقاسم خان کرمانی ص ۱۱۳۔

اسی طرح صوفیوں نے بھی آیت و روایت میں تحریف کر کے اپنی حیثیت بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے، انہوں نے امیر المومنین حضرت علیؑ کے کلام، وکان محمد الناطق وانا الصامت ولابد فی کل زمان من صامت وناطق! سے فائدہ اٹھایا ہے اور غیبت کبریٰ کے زمانہ میں قطب صامت و قطب ناطق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱ کہتے ہیں: چونکہ امام غیبت میں ہیں لہذا، نائب، باب، اور بزرگِ وقت،، ناطق ہے ان معنی میں کہ تمام خلق کی بہ نسبت وہ ناطق اور امامؑ کے لحاظ سے صامت ہے یہ خدا کے نازل کردہ حکم کے برخلاف عمل کرتا ہے! ! اگر ناطق ہوتا تو کیا کرتا!

۲ اسی نائب، باب، یا بزرگ وقت کہ قطب ناطق ہے ایک ولی عہد ہوتا ہے جو کہ اسکے بعد فرقہ کی مسند ریاست پر بیٹھتا ہے اور اس کے فرائض کو انجام دیتا ہے۔ یہ ولی عہد قطب ناطق کے زمانہ میں صامت ہے۔ البتہ صوفیوں اور شیخیوں کے درمیان ان بدعتوں، اختراعات اور اسرائیلیات کے سلسلہ میں قدر مشترک ہے جب ان موہومات، نیرنگیوں اور جو کتاب و حدیث کے نقطۂ نظر سے اسلام نے پیش کیا ہے دونوں کے درمیان موازنہ

---

(۱) مشارق انوار الیقین فی اسرار امیر المومنین چاپ بیروت ص ۱۲۱ -

کرتا ہے تو اسوقت اسے اس بات میں قطعی شک نہیں ہوتا کہ جو کچھ صوفیوں نے اسلام میں داخل کیا ہے وہ اسلئے کیا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے اصول دین اور اس کے بنیادی ارکان جو کہ فطرت انسان کے مطابق ہیں اور عقل سلیم جنہیں آسانی سے قبول کر لیتی ہے، ان کے بارے میں شک و تردید میں مبتلا کر دیں۔ خواہ ان امور میں شک کریں جو اصول و فروع دین سے مربوط ہیں جن پہ اعتقاد رکھنا واجب ہے یا انسان کی خلقت سے متعلق ہیں یا رسول اللہؐ سے مربوط ہیں

اہل تشیع کا نظریہ جو چیز شیعوں کے مسلم اعتقادات میں شمار ہوتی ہے اور یقینی و حتمی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے مسائل کو شیعہ بزرگوں نے کبھی قبول نہیں کیا ہے، کیونکہ یہ چیزیں حجۃ بن الحسن العسکریؑ روحی فداہ کی غیبت کبریٰ میں گڑھی گئی ہیں۔ بعض مفاد پرست، شیعہ مرجعیت کے مقابلہ میں ایک منصب ایجاد کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ غدیر کے مقابلہ میں سقیفہ بنائی گئی تھی اور عرفان کی ضد میں تصوف بنالیا ہے۔

جیسا کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف سے جو توقیع صادر ہوئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ غیبت کبریٰ میں نیابت خاصہ اور ایسے ہی اسرائیلیات ان لوگوں کی اختراعات ہیں کہ جن کی تاریخ معلوم ہے شیعہ انہیں کبھی قبول نہیں کر سکتے۔

توقیع اول : امامؑ نے اسحاق بن یعقوب کے سوالات کے جوابات میں ہے یہ سوالات وہ محمدؒ بن عمری، کے توسط سے امامؑ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ زمانۂ غیبت کبریٰ میں شیعوں کے فرائض کے بارے میں کئے تھے۔ امامؑ نے لکھا تھا: پیش آنے والے حوادث میں تم حدیث بیان کرنے والوں سے رجوع کرنا کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں۔

دوسری توقیع : ابوالحسن بن علی سمری، کے نام فرمان ہے جو کہ ان کی وفات سے چھ روز قبل صادر ہوئی تھی اور سمری کو یہ حکم دیا تھا کہ اپنے بعد کسی کو نیابت کے لئے معین نہ کریں۔

شیخ محمدؒ بن محمدؒ نعمان اور حسین بن عبداللہ غضائری نے روایت کی ہے کہ ابوالحسن سمری کے انتقال کے وقت کچھ شیعہ ان کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے بعد امامؑ کا وکیل کون ہے۔

جواب دیا: ہمیں یہ حکم نہیں ملا ہے کہ کسی کو وکیل کے عنوان سے پہچنوائیں!۱ اسی وقت سے بابیت اور نیابت خاصہ کا سلسلہ بند ہو گیا اور علماء سے رجوع کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا بلکہ اس کا امامؑ ہی نے حکم دیا ہے۔

۱، غیبت شیخ طوسی ص ۱۲۸ ۔

اس لحاظ سے صوفی شیخیہ اور بابیہ کی طرف سے پیش کی جانے والی بات کے برخلاف آج کوئی بھی امام، اور خلق کے درمیان کوئی بھی مخصوص باب و نائب نہیں ہے اور جو بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور افترار پرداز ہے۔ زمانۂ غیبت میں علماء ہی مرجع ہیں۔ احادیث میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے کہ علماء میں سے کسی نے یہ روایت کی ہو کہ زمانۂ غیبت میں کوئی باب یا نائب خاص ہوگا۔ پھر امام زمانہ کی غیبت کبریٰ کے زمانہ میں نیابت خاصہ کا دعویٰ جس صورت میں بھی ہو شیعہ مسلک کے خلاف ہے کیونکہ صوفیوں، شیخیوں اور بابیوں کی یہ من گڑھت آثار اہلبیتؑ میں نظر نہیں آتی ہے۔

ممکن ہے ابوالقاسم کرمانی شیخی ایسے افراد یہ کہیں کہ زمانۂ غیبت میں ایک مقرب ہے کہ جس کے سپرد خدا نے اپنا امور وارادہ کیا ہے۔ اور اسی کے توسط سے تمام چیزیں انجام پاتی ہیں۔ اگر اس مقرب سے فرقہ شیخیہ کی مراد شیخ مفید، سید ابوالحسن اصفہانی رح ایسے اشخاص ہیں۔ جن پر امامؑ کی لطف و عنایات رہی ہیں اور اسی وجہ سے وہ شیعوں کے مرجع بنے ہیں۔ تو اس پر ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر اس مقرب کی بازگشت صوفیوں، شیخیوں اور بابیوں کے غلط بے بنیاد انکار پر ہے تو ایسے منصب کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں ہے جبتک اس سلسلہ میں ایسی ہی کوئی توقیع نہیں پیش کریں گے۔ جیسی کہ مذکورہ دو توقیع ہیں۔

صوفیوں کی حکام سے سازباز

تصوف کے وجود میں آنے کے سلسلہ میں کچھ لکھنا، کہنا ــــ تصوف کے وجود میں آنے سے اور اسکی پیدائش میں ہندوں اور قبل از اسلام ایرانیوں، افلاطون ۔ نوافلاطونیوں اور مسیحیوں کا دخل ہے۔ تصوف کے اجتماعی لحاظ سے دور ہونا ہے۔ صرف معاشرہ میں تصوف کے کردار کو جان لینا کافی ہے کہ یہ حکومت سے وابستہ رہا ہے ظالموں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی ہی بنا رہا۔ یہی اتنا حصہ تحقیق قیمت کا حامل ہے۔

اگر ابتدائی زمانہ میں ہی اور اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنی تبلیغات کی اساس دنیا سے پرہیز پر کھتا اور اصحاب صفہ کی زندگی کو اختیار کرتا، اور پھر جب اسلامی معاشرہ میں اپنی جڑیں مضبوط دیکھتا تو ائمہ اہل بیتؑ کے دشمنوں کی تقویت کرتا اور آل محمدؐ کی فقہ کے مقابلہ میں ان کی بے بنیاد فقہی نظریات کو صحیح قرار دیتا اور تقرب الی اللہ کا راستہ دکھاتا جو کہ اہل سقیفہ کی آواز جیسا۔۔۔ کعب الاحبار یہودی کے مشوروں سے بلند ہوئی تھی۔

تاریخ تصوف کے اس موڑ سے صوفی حضرات اپنی ابتدائی زاہدانہ زندگی کو، جس کا اسلامی زہد سے کوئی ربط نہیں تھا، فراموش کر کے معاشرہ میں داخل ہوئے اور احادیث سے غلط فائدہ اٹھا کر حکومت کے کارندوں کی لذت اندوزی کی توجیہہ شروع کی یہاں تک کہ روایت گھڑیں اور حکومت کے خلاف سرکشی کو۔ جو کہ ہر صورت میں تھا جائز تھا۔ ناجائز کہتے تھے۔

اس زمانہ میں صوفی حضرات تصوف کے اصول اولیہ سے منحرف ہو گئے، ابتدائی عدم تقیہ کی بنا پر حکومتوں سے سازباز کر لی، اگر اپنی ترقی کے ابتدائی زمانہ میں شہر کے عام لوگوں میں جگہ بنائی جاتی ہے تو پھر فیوڈل اور حکام حامی بن جاتے ہیں۔ جن خانقاہ نشینوں کو صرف نان جویں میسر تھی وہ ثروت مند بن گئے۔ اور ظلم و تعدی سے جو اوقات فراہم ہو جاتے ہیں ان سے پیٹ پالتے تھے۔ حکام چوٹی کے صوفیوں کو خریدنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کے ذریعہ ستمدیدہ لوگوں کے اعتراض کی آواز کو دبا سکیں، یہی وجہ ہے کہ بڑے صوفیوں میں سے معدودے جیسے نجم الدین کبری اور رکن الدین کے علاوہ سبھی حکومت کے وظیفہ خوار اور بڑے مالدار بن گئے۔

شیخ خلیفہ مازندانی کا قصہ ہے کہ جب انہوں نے، صوفیوں کے شیخ ؛ بالوی زاہد،، کو لوگوں کے درد سے بے خبر پایا تو انہیں چھوڑ

کر، غیاث الدین حموی کے پاس آ گئے۔ لیکن ان کے پاس بھی نہ علاج دل ملا اور نہ دین درد، مختصر یہ کہ تلاش بسیار کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ چوٹ کے سارے صوفی اہل زمانہ ہیں جنھیں صرف اپنے مقام و مسند اپنی خانقاہوں اور حکومت سے اچھے تعلقات رکھنے کی فکر ہے، البتہ شریعت کی مصلحتوں کی رعایت کے ساتھ مگر جب تک کہ حکومت کو نقصان نہ پہونچے!

مشہور صوفی امین الدین کازرونی اس ارتباط کی توجیہ کے سلسلہ میں کہتے ہیں: ہم خلق کے امور کے حل کرنے اور ستمدیدہ لوگوں کو ظلم سے نجات دلانے کے لئے حکام اور امراء کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں۔ یہ صوفی حضرات حکومت کے کارندوں کے مظالم سے چشم پوشی کرتے تو وہ خانقاہوں، ان کے اوقاف سے لگان و ٹیکس نہیں لیتے تھے؟

اس طرح خانقاہ نشینوں نے ظالم حکام کے پاس نشست و برخاست کے ذریعہ کافی دولت جمع کر لی تھی۔ صفی الدین اردبیلی کے پاس صرف دو بیل تھے[۳] اور پھر فیوڈل ازم کی طرف سے انہیں کئی صوبوں میں بیسیوں گاؤں دیئے گئے تھے[۴]

---

(۱)، دیوان حافظ تصحیح انجوی ص ۶۲۔ مقدمہ (۲)، حوالہ سابق ص ۸۱۔ (۳)، کشاورزی در عہد مغول ج ۱ ص ۱۱۷ (۴)، اسلام در ایران پطروشفسکی ص ۳۸۳۔

اس طرح خواجہ رشید الدین فضل اللہ کے لئے قیمتی ہدیئے بھیجے گئے تھے۔ اتفاق سے ان کا ایک نمونہ مکاتبات رشیدیہ میں ثبت ہو گیا ہے:

دس ہزار نقد دینار کے علاوہ کچھ عنبر، مشک، عود، پچاس گدھوں کے وزن کے برابر گیہوں، تین سو گدھوں کے بار کے برابر چاول اور ۵۰ رکنسٹر دیسی گھی، اتنی ہی مقدار میں شہد، دسیوں کنسٹر شیرۂ انگور تیس بوتل عرق گلاب، تیس گوسفند، ایک سو نوے مرغابی اور چھ سو مرغیاں [1]

پاشاہ نعمت اللہ ولی کے ہندوستان کے سلاطین سے روابط تھے۔ احمد شاہ نے ان کے لئے ہدیئے بھیجے تھے کہ جن میں سے ہر ہدیئے کا ٹیکس۔ زمانۂ قدیم۔ کے ستر ہزار تومان تھے جو کہ گوہر شاد آغا کی وساطت سے شاہ رخ نے معاف کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے ہندوستان کے بادشاہ کے بھیجے ہوئے ایک ہدیہ کے تین حصے کئے۔ اس کا ایک حصہ اپنے بیٹے شاہ خلیل اللہ کو اور ایک شاہ رخ کو دیا تاکہ وہ سے فوج اور فوجی پر خرچ کرے۔ اور ایک حصہ سے تنخواہیں ادا کرے [2]

یہ وہی شاہ نعمت اللہ ہیں جو کہتے ہیں: جو دنیا سے دل

---

[1]، کشاورزی در عہد مغول ج ۲ ص ۱۱۷ [2]، طرائق الحقائق ج ۳ ص ۱۲۔

لگاتا ہے وہ نامرد ہے ،، یہی شاہ نعمت اللہ ہے اپنے پوتے کو بادشاہ ہندوستان کے دربار میں بھیجتا ہے ۔ اور احمد شاہ کا داماد بن جاتا ہے ۔ اس طرح ان کا دوسرا پوتا شاہزادہ علاءالدین ۔ بقول معصوم علی شاہ نائب الصدر ۔ کا داماد تھا ۔ اسی طرح شاہ خلیل اللہ کی اولاد اعلیٰ دنیوی مراتب پر فائز ہوئی اور حیثیت کی مالک بن گئی ! یا دکن کے بادشاہ نے جو نعمت اللہ کے بیٹے کے لئے ہدیئے بھیجے تھے ان میں سے ایک لعل و یاقوت کے سوداتوں کی تسبیح اور ایک کرسی تھی کہ جسکے پائے زمرد سے مرصع تھے !

فرقۂ نقشبندی کے بانی شیخ بہاءالدین محمد نقشبند (۷۱۸ - ۷۹۲) کے پاس ابتدائی زمانہ میں ایک پرانی چٹائی اور ٹوٹا ہوا کوزہ صراحی سے چھوٹا ایک پانی کا ظرف تھا ۔ اور آذوقہ اپنے حرفہ سے حاصل کرتے تھے لیکن ان کے جانشین خواجہ عبیداللہ کی جائیداد ۱۳۰۰ بگھا تھی ۔

عبداللہ جامی کے گھر کا معمولی خرچ تقریباً ایک لاکھ دینار تھا اور سلطان حسین بایقرا سے اپنے اموال کے سالانہ ٹیکس کے معاف کئے جانے کا تقاضہ کرتے تھے !

قطب بن محی ، ساکن جہرم ، عوام کو برباد کرنے میں حکام

۱، طرائق الحقائق ج ۳ ص ۹۳ ۲، اسلام در ایران ص ۳۶۹ ۳، زبدۃ الحقائق ص ۲۸ مقدمہ

کی مدد کرتے تھے ![1]

ملا سلطان گن آبادی قطبیت سے پہلے بھیڑ بکریاں چراتے اور زرگری کرتے تھے ![2] ان کے انتقال کے بعد ان کے پوتے شیخ محمد حسن صالح علی شاہ پر ان کی میراث پرستر ملین ٹیکس آتا ہے جس کو محمد رضا شاہ کی حکومت نے پارلیمنٹ میں یہ قانون دے کر بے نوا لوگوں پر ٹیکس معاف ہے۔ پاس کرا کے ٹیکس معاف کر دیا۔

مختصر یہ کہ چھٹی ساتویں صدی سے بعد میں ایسے قطب بہت کم نظر آتے ہیں جو کہ اپنے زمانہ کے بڑے لوگوں کے ہمنوا نہ ہوں یا خود بڑے نہ ہوں۔ بہر حال مرور زمانہ کے ساتھ صوفیوں کا زہد بتدریج دنیا داری کے رجحان میں بدل جاتا ہے۔ تصوف کے ابتدائی زمانہ میں صوفی کے کوئی القاب نہیں ہوتے تھے۔ ہاں بوالعباس، قصاب، بشر،، حافی قسم کے ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں حکومتوں سے روابط کی وجہ سے بہاءالدین، جلال الدین، صلاح الدین ایسے القاب پائے۔ اور اس کے بعد شاہ ہو گئے مثلاً رونق علی شاہ، "صفی علیشاہ،، "سلطان علیشاہ،، "محبوب علی شاہ" نور علی شاہ،، "مجذوب علی شاہ،،

---

(۱) نابغۂ علم وعرفان ص ۱۴ (۲) خورشید تابندہ از علی تابندہ ص ۳۹۔

افسوس تو یہ ہے کہ ان القاب کو انبیاءؑ کے القاب کی مانند سمجھکر لکھتے ہیں: یہ القاب انبیاءؑ کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے جیسے موسیٰؑ کا کلیم اللہ اور عیسیٰؑ کا روح اللہ لقب تھا۔ اور رسول اسلامؐ کا لقب کا حبیب اللہ ہے۔ اس سے صوفیوں کے پیر ان القاب کی وجہ سے جو کہ رئیس تصوف کی حسن خدمت سے حاصل کئے ہیں بڑھکر القاب میں ائمۂ طاہرینؑ کے ہم دوش ہو گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہؑ بھی معنوی القاب جیسے باقرؑ، صادقؑ، کاظمؑ و رضاؑ کے مالک تھے![1]

آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رہ، فرماتے ہیں: ان اصطلاحات کے ذریعہ: خدا کے بندوں کے دلوں کو حق سے منحرف کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ اور صاف ستھرے لوگوں کو علماء اور عوام سے بدظن کر دیا۔ صرف اپنی دوکان چمکانے کے لئے جان بوجھکر یا نادانی میں ان چمکیلی اصطلاحات سے عوام نے یہ گمان کیا کہ "مجذوب علی شاہ"، "یا محبوب علی شاہ"، جذبہ و وجد کی کیفیت عطا کرتا ہے؟[2]

شروع میں صوفیوں کی یہ کیفیت نہیں تھی لیکن بعد میں انہیں القاب اور شکل و شمائل سے حکومتوں میں رسوخ پیدا کر لیا۔

---

[1]، خورشید تابندہ ص ۳۹ [2]، چہل حدیث ص ۷۹۔

اوران کی یہ حالت ہوگئی کہ خواجہ رشید الدین فضل اللہ وزیر نے عید کے موقعہ پر ایک صوفی کے پاس بارہ کنٹل قند تین بوری نبات، تیس شیشی گلاب کی سیکڑوں من شہد کئی ڈرم شیرۂ انگور، ۲۰۰۰۰ دینار نقد، پچاس مثقال عنبر، پچاس مثقال مشک اور ۱۰۰ مثقال عود بھیجا تھا۔ اور تیمور نے اردبیل اور اس کے مضافات کو صفی الدین کے نام وقف کر دیا۔

مختصر یہ کہ رحمت علی شاہ شیرازی فراہانی کے قائم مقام کے قاتل محمد شاہ کے حکم سے فارس کے نائب صدر بنتے ہیں کہ ان درآمدات کے عوض ظالم حکومت کیلئے مزید دعائے خیر کا اہتمام کرتے ہیں!

فتح علی شاہ قاچار کے مرنے پر محمد رضا میرزا مست علیشاہ شیروانی مست علی شاہ، نعمت اللہی صوفیوں کے سردار کے پاس جاتے ہیں۔ جبکہ وہ محلات میں تھے۔ اور کہتے ہیں تم تبریز جاؤ اور نصرت مآب ظل اللہ محمد شاہ کی ہمنشینی اختیار کرو، اور جناب اس کے حسب الحکم تبریز روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور جناب حاج زین العابدین شیروانی و رحمت علی شاہ، سرعت کے ساتھ تبریز پہنچتے ہیں اور بادشاہ کو تعزیت پیش کرتے ہیں! اسی وقت روس اور برطانیہ کے سفرا بھی تبریز پہنچے۔

---

۱ طرائق الحقائق ج ۲ ص ۳۹۱ ۲۔ ایضاً ج ۳ ص ۲۸۶۔

برطانیہ کے چند افسر بھی جن کا سربراہ "ورولنیس" تھا ان کے ساتھ لشکر و توپخانہ بھی تھا۔ اس کا سپہ سالار برطانوی فوجی تھا اور برطانیہ و روس کے وزیر بھی ساتھ تھے اور سفر کے تمام اخراجات برطانیہ کے وزیر مختار سر جان مکنیل نے چکائے تھے، شاہ کو دارالسلطنت لایا گیا محمد شاہ کے تخت مرمر پر بیٹھ جانے کے بعد ایک شب بادشاہ کے سامنے سلسلہ نعمت اللہی کے بعض اکابر، منجملہ ان کے جناب میرزا مسلم آذربائیجانی، جناب میرزا نصر اللہ خاں اردبیلی، نے حضور و عبادت کی مجلس بپا کی کہ عجز و اطاعت سے ہے!

ہوسکتا ہے کہ قاچار کے دربار سے فرقہ صوفیہ کے وابستہ ہو جانے سے وہ روس اور برطانیہ کو سبک شمار کرتے لیکن اسکے نتیجہ میں ان کا اجنبی نوکر محمد شاہ قاچار بن گیا اور فراہانی کے قائم مقام کا قتل ہوا۔[۲] صوفیوں کے دو پیرول رحمت علی و مست علی نعمت اللہی، کے وارث شیخ محمد حسن اصفہانی، صفی علی شاہ ہیں کہ دربار ناصری کے حاشیہ نشین اسکے جانشین ہوئے، بادشاہ کی لڑکیاں صفی کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہوئیں جوکہ درویش کے لباس میں تصویر کھنچواتی تھیں[۳]

۱، طرائق الحقائق ج ۳ ص ۲۸۶ ۲، کتاب امیر کبیر قہرمان مبارزہ با استعمار از حجۃ الاسلام والمسلمین ہاشمی رفسنجانی ص ۲۷۴ ۳، خاطرات سیاسی استاد ظہیر الدولہ ص ۶۷ و ۶۸۔

بادشاہ کے داماد ظہیر الدولہ صفی کے جانشین منصوب ہوتے ہیں اور شرفاء و پرہیزگاروں کا لقب "مصباح الولایۃ" پاتے ہیں۔

صفی کی ان تمام کامیابیوں کا راز یہ ہے کہ موصوف ناصر الدین شاہ کے ہر حکم کی اطاعت کرتے تھے اور بقول اسماعیل رائین کے سری و خفیہ انجمنوں خصوصاً فراماسون سے ارتباط تھا!

اسی زمانہ میں ایک مشہور صوفی شیخ محمد کاظم اصفہانی، سعادت علی شاہ، معروف بہ تمباکو فروش و طاؤس العقراء بھی تھے، جو کہ فرقۂ نعمت اللہیہ کے ارشاد و ہدایت کے مدعی تھے وہ بھی ظل السلطان کے ندیم بن گئے تھے تاکہ درباری فقراء کی کچھ خدمت کر سکے۔

صوفیوں کے رہنما میں سے ملا سلطان گنا آبادی معروف بہ سلطان علی شاہ۔ جن کی کتابیں خدائی و اولوالامر، نیابت خاصہ، مہدویت نوعیہ کے دعوؤں سے بھری پڑی ہیں ان۔ کے دربار سے متصل ہو جانے ہی کا نتیجہ تھا کہ جب ان سے مشروطیت یا استبداد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم ایک دیہاتی فقیر ہیں ہم نہیں جانتے ہیں کہ مشروطیت یا استبداد کے کیا معنی ہیں، اس سے ہمارا کوئی ربط نہیں ہے۔ ہم تو حکومت کے حکم کے پابند ہیں۔

۱۰۳

(۱) خاطرات سیاسی استاد ظہیر الدولہ ص ۱۰۱، ۲، نابغہ علم و عرفان طبع تابان ص ۱۳۳۳ و

خواہ مشروطہ ہو یا مستبد!۱

اسی سیاسی رسہ کشی کے زمانہ میں حاج شیخ عبداللہ حائری کہ جنہوں نے مدتوں بعد فرقۂ گناآبادی میں استثنائی طور پر شاہی لقب پایا۔ انہیں بغداد میں برطانیہ کے سفارتخانہ سے پانچسو روپیہ ماہانہ ملتے تھے ۲ وہ عازم ایران ہوتے ہیں اور بڑے ہی محترمانہ طور سے مشہد میں داخل ہوتے ہیں ۳ پھر گناآباد چلے گئے، عراق واپس لوٹنے پر مظفر ملا، علی گناآبادی کی جستجو کا کام شروع کرتے ہیں، مظفر کے بارے میں گناآبادی کہتے تھے کہ وہ تحقیق کے لئے گئے ہیں، جبکہ وہ فرار ہوئے تھے۔ اور بعض لوگوں کے بقول، انہیں والد کے طریقہ کی حقانیت و اصالت میں شک ہو گیا تھا اور کھلم کھلا ان کی مخالفت کرنے لگے تھے اور تصوف کو برا بھلا کہنے پر مصر تھے، ان کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی تھی ۴!

اس سلسلہ میں فراموش خانہ میں کیا راز موجود ہے کہ شیخ عبداللہ بار تندرانی معروف بہ حائری، برطانیہ کے وظیفہ خوار اور ملا سلطان گناآبادی کے معتقد اور صوفیہ طریقہ کے مخالف ملا علی کی جستجو میں مشغول

---

(۱) نابغۂ علم و عرفان طبع تابان ص ۱۳۳۔ ص ۱۰۳-۱۰۴ (۲) حقوق بگیران انگلیس طبع نہم ص ۱۰۶ (۳) نابغۂ علم و عرفان ص ۲۹۴ سطر ۸ البتہ اسی صفحہ پر ہے کہ ایک مرتبہ موصوف کو حرم سے بھی نکالا گیا۔

ہوئے یہ بجائے خود ایک دلچسپ داستان ہے دیکھئے)

انہیں حوادث کے ساتھ شیخیہ فتنۂ رکن رابع کو فروغ دینے میں مشغول تھے۔ دوسری طرف سیّد علی محمد شیرازی بھی بابیت سے ترقی کر کے مہدویت تک پہونچ گئے تھے اور اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اور قرآن کے مقابلہ میں "بیان" نامی کتاب مرتب کر ڈالی تھی۔ مولفِ کتاب ھذا کا۔ عقیدہ ہے کہ اس کھلواڑ کا ایک ہی سرچشمہ تھا اور اسی زمانہ میں حاج محمد منور شیراز اور صفی علیشاہ کے درمیان بھی خانقاہ کی نذر و نیاز کے سلسلہ میں جنگ جاری تھی۔

مختصر یہ کہ والد اور ان کے تصوف کے مخالف تھے ملا علی گنا آبادی کے ہاتھ میں باگ ڈور آئی تو کیوان قزوینی منصور علیشاہ اور شیخ عبداللہ رحمت علیشاہ ان کی متابعت نہیں کرتے۔ البتہ منصور علیشاہ اپنی مخالفت میں ثابت قدم رہے۔ لیکن شیخ عبداللہ حائری بقول سلطان حسین تابندہ کے چونکہ تہران کے فقراء نور علی شاہ کے معتقد نہیں تھے اور تجدید نہیں کی تھی "یہ قصے ان تک بھی پہونچ گئے لیکن بحمداللہ جلد ہی رفع ہو گئے"[1]

گنا آبادی کے اس رئیس پر روسیوں نے یہ تہمت لگائی کہ انہوں نے جرمنی کی مدد کی ہے لہٰذا انہیں تربت حیدریہ لے گئے

---

(1) نابغۂ علم و عرفان ص ۲۹۶۔

جہاں روس کے کونسلر نے انہیں آزاد کر دیا[1]!

اس کے بعد ۲۹ سالہ جوان شیخ محمد حسن صالح علیشاہ اپنے والد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے[2] علاوہ اس کے ان کے جرمنی کے کونسلر اور اس کے نائب سے اچھے تعلقات تھے۔ حکومت کے بڑے بڑے ذمہ دار بھی ان کی دست بوسی کے لئے جاتے تھے یہاں تک کہ انکے ایک قالیچہ کے جواب میں رضا علیشاہ۔ ایران کے مغرور شاہ نے اس نعمۃ اللہی فرقہ کے رئیس کے پاس تین سو تومان بھیجے[3]

سلطان علی شاہ سے صالح علی شاہ تک اس کے عقیدتمند رہے ہیں۔ ان میں رضا خان کا وزیر عبد الحسین تیمور تاش بھی تھا جو بے پناہ مظالم ڈھانے کی پاداش میں اس کے قہر کا نشانہ بنا اور روسیوں کے لئے جاسوسی کرنے کے جرم میں قید میں ڈالدیا گیا اور وہیں اسکی موت واقع ہوئی۔ تصوف نعمۃ اللہی سے جو اسے عقیدت تھی اس کے بارے میں سلطان علی شاہی لکھتے ہیں: بلیشک وہ سلسلہ نعمت اللہی سے کھلا خلوص رکھتا تھا[4]!

اسکی صوفیانہ روح، اور درویشانہ چال چلن کے بارے میں یہی کافی ہے کہ اسے سفاک کا لقب دیا تھا اتنا سنگدل تھا کہ بلیوں کو جلتے تنور

---

(۱) سیری در تصوف ص ۱۹۳ طبع دوم (۲) تاریخ عرفان وعارفان ایران ص ۲۵۰، (۳) تابندہ علم وعرفان طبع تابان ص ۱۳۳۳ (۴) صد سال شعر در خراسان ص ۱۸۷۔

میں ڈال کر لطف اٹھاتا تھا۔

اس زمانہ کے بعد جواد نور بخش کی ریاست کا دور ہے، اس کے بارے میں اس سے متعلق بحث میں روشنی ڈالیں گے۔ موصوف نے اس اجازہ کے بغیر جو کہ صوفیوں میں مرسوم ہے اور اس پر کافی زور دیتے ہیں میرزا عبد الحسین ذو الریاستین کے بعد اپنی ریاست کا دعویٰ کر دیا۔

ہمارے زمانہ میں وہ مستقل ایران کے اسلامی انقلاب کے مخالفین سازمان امنیت کے درجۂ اول کے افراد میں سے تھا اور اپنی قطبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔[1] یہانتک کہ متعدد بار سرکاری جرائد میں سازمان امنیت سے ان کے تعاون کی سرخی قائم کی گئی اور تقاضہ کیا گیا کہ اپنا تعارف کرائیں۔ اسی زمانہ میں وزارت خزانہ کے ملازم صادق عنقا جس نے اسی سازمان کی طاقت و پیسہ سے اس سلسلہ کی ریاست کا دعویٰ کیا تھا

آئندہ ہم بیان کریں گے کہ موصوف کے پاس کوئی تاریخی سند نہیں تھی بلکہ تاریخی اسناد میں تحریف کر کے جس چیز کو تیار کی تھی اس کی صورت ایک شجرہ کی تھی جس کا سلسلہ اویس قرنی تک پہونچایا گیا تھا۔

---

[1] عرفان اسلامی ج ۲ ص ۱۹۶

اور اسی میں گذشتہ بزرگوں کے زیادہ تر آثار کو اپنے آباء و اجداد کے نام سے طبع کرا کے نشر کیا ہے، اہم بات یہ ہے کہ، ایک فرانسوی مولف کی کتاب "از چنین تا چنان" میں تھوڑی رد و بدل کر کے اسکا ترجمہ کیا اور اسے اپنے والد کے نام سے نشر کیا ہے

نعمت اللٰہی فرقہ کے رؤسا میں سے ناصر ملک نیا، فرش فروش فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے قطب ہونے کے مدعی ڈاکٹر گنجویان بھی ہیں۔ انقلاب کے بعد یہ فرار کر کے پیرس و برطانیہ چلے گئے تھے جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ محمد رضا شاہ کے دربار سے انکی ہم آہنگی تھی۔

سلطان حسین تابندہ گنا آبادی کہ جن کا عقیدہ تھا کہ "دنیوی امور میں، کہ جن کا تعلق امور دیانت سے نہیں ہے، سلاطین کی اطاعت کرنا چاہیے اور مملکت کے قوانین کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔"[1]

دوسری جگہ علماء کے فرائض کو اس طرح معین فرماتے ہیں:

"جس زمانہ میں بھی کوئی عالم حکومت کا مخالف ہوتا ہے وہ بظاہر عالم ہے۔ پھر لکھتے ہیں: انہوں نے اپنی بساط سے باہر پیر نکال لئے اور دنیوی امور، یہاں تک کہ سیاست میں جو کہ انکا فرض نہیں تھا۔ مداخلت کی اور انہوں نے ناحق احکام صادر کئے"[2]

---

(۱) تجلی حقیقت تالیف جناب سلطان حسین تابندہ ص ۳۶۶۔ (۲) ایضاً ص ۳۶۸۔

دوسری جگہ راہ حل کو صرف حکومت کی طرف ہاتھ بڑھانے میں منحصر جانتے ہیں اور لکھتے ہیں: اس کام کا حل یہ ہے کہ معاشرہ کی روحی تربیت کے سلسلہ میں علمار حکومت سے بھی مدد مساعدت کا تقاضہ کریں!

یہ اس وقت فرمایا تھا جب رضا شاہ اور محمد رضا شاہ نے روحی تربیت کی ساری آبرو برباد کردی تھی مزید لکھتے ہیں: جو قوم بھی دینی وسیاسی بزرگوں اور راہبروں کی اطاعت نہیں کرتی ہے وہ سرنگوں اور رنج والم میں مبتلا ہوتی ہے!

یہ حکومت کی مدد تھی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ: ہم نے ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد بعض ثبوت ہاتھ آجانے سے صوفیوں کو پہچان لیا ہے، انہوں نے قاچاریوں اور پہلوی ایسی ظالم حکومتوں یا بیرونی سفارتخانوں، استعمار کے جاسوسی اڈوں کا تعاون کیا ہے، کبھی بدترین فعل کے مرتکب ہوئے ہیں جس سے ملت شیعہ کو شدید ترین نقصان پہونچا ہے۔ حد یہ ہے کہ خبیث ترین آدمی سپہبد نعمت اللہ نصیری جو کہ محمد رضا شاہ پہلوی کی حکومت میں ایران کے مسلمانوں اور ان کے ناموس واموال پر پندرہ سال تک مسلط رہا ہے اور جو ظلم اس نے ڈھائے ہیں وہ خدا ہی جانتا ہے۔

---

(۱) تجلی حقیقت طبع سوم ص ۳۷۰ تا ۳۷۱ (۲) ایضاً ص ۳۷۰۔

جس نے پہلوی خاندان کی سلطنت رانی اور امریکہ والوں کی عیش کی کوششوں کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے وہ بھی ایک صوفی خاندان سے تھا خود بھی تصوف و درویشی کا دعویٰ کرتا تھا، گنا آبادی صوفیوں کے مسلک کا سالک تھا!

تصوف استعمار کی کٹھپتلی

اس بات کی وضاحت کے لئے کہ، گذشتہ زمانہ میں استعمار نے تصوف سے کس طرح فائدہ اٹھایا ہے چونکہ ان کی زندگی کے جزئیات کو آج کے صوفی قبول نہیں کرتے ہیں اور جو گذشتہ لوگوں سے ارتباط کے سلسلہ میں واقع ہوا ہے اس کا انہیں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ لہٰذا اس کے چند نمونے پیش کرنا ضروری ہے کہ زر و زور والوں نے تصوف سے کس طرح فائدہ اٹھایا ہے لیکن صوفیوں نے انہیں چیزوں کو قبول نہیں کیا ہے جو کہ گذشتہ لوگوں نے تدوین کی ہیں۔ لہٰذا جو آخری صدی میں واقع ہوا ہے ہم اسی کے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صوفی اسلام

برطانیہ (انگلینڈ) اپنے استعماری منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیشہ تاک میں رہتا ہے۔ افغانستان سے اس نے ایک شخص۔ صوفی اسلام کو امام زمانہ کے نام سے پیش کیا، زہد کے لباس اور سجا سنوار کر ڈھول ڈھج میں بٹھایا۔

تین سو ساٹھ فدائی افراد نے اسے حلقہ میں لیا، پچاس شمشیر اور مرید اس کے ساتھ ساتھ تھے اس صورت میں خراسان کی طرف روانہ ہوا خون بہاتا ہوا، شہروں کو برباد کرتا ہوا، ایران تک پہونچا آخر کار ایران کی فوج کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کا فتنہ خاموش ہو گیا![1]

شیخ احسائی کا تصوف میں ورود

انیسویں صدی کے اوائل سے استعمار اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ ایران میں بظاہر مذہبی فرقے ایجاد کر کے ہمیشہ ان کے درمیان اختلاف پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس سے نئے نوکر جو بے چون وچرا ان کے کام انجام دے سکیں۔ ۔ فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ شیخ احمد بن شیخ زین العابدین ابن شیخ ابراہیم احسائی بحرانی[2] نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا۔ اور نہ کسی کو یہ معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا۔ ایک مرتبہ حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں نمودار ہوا، تھوڑا بہت پڑھ لینے کے بعد اپنی فعالیت میں مشغول ہوا[3] اور اوسط عمر میں بلاد عجم میں آیا بادشاہوں اور اکابر افراد کے نزدیک ہو گیا۔ پہلے یزد پھر اصفہان میں اقامت گزیں ہوا![4]

اصفہان میں اپنے پاس دگر دلوگوں کو جمع کرنے، اور اصفہان کے

---

(۱) امیر کبیر یا مرزا تقی خان فراہانی تہرمان مبارزہ با استعمار ص ۲۶۸ (۲) ریحانۃ الادب ج ۱ ص ۸۷ (۳) امیر کبیر مرزا تقی خان فراہانی ص ۲۶۹ (۴) ریحانۃ الادب ج ۱ ص ۸۰

بعض علماء اور حکمائے الٰہی کی مخالفت اور ان سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے چند کتابیں لکھیں شیعہ علماء سے بحث و مباحثہ شروع کیا اور ایران کے بزرگ فلاسفہ و حکماء جیسے ملا صدرا کے عقائد میں میں میخ نکالنا شروع کی، ملا صدرا کی عرشیہ و مشاعر پر بے جا نکتہ چینی کی۔ اس طرح فیض کاشانی کے رسالہ پر غیر تحقیقی تنقید کی، یہاں تک کہ علم توحید کے ان بزرگوں کی تکفیر کے لئے زمین ہموار کرنے کی کوشش کی آخر کار اصفہان کے فیلسوف پرور علاقہ کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا وہاں سے اپنے وطن کرمانشاہ واپس لوٹنے کے قصد سے چلا[1]

شیخ احمد کے ایران کے سفر کے نتیجہ میں فرقۂ شیخیہ وجود میں آگیا مجدالاشراف عظیم صوفی ذہبی کے بقول فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ بھی اسی کی شاخ ہے۔

نجف واپس لوٹنے کے بعد شیخ احمد نے اپنے پاس کچھ شاگرد جمع کئے اور روحانی مقامات پر فائز ہونے کے دعوؤں سے جس میں وہ ائمہؑ سے بھی آگے بڑھ گیا تھا، حوزۂ علمیہ نجف میں اختلاف کا بیج بو دیا![2]

احسائی کے شاگرد

حوزۂ علمیہ نجف اشرف کے شاگردوں میں سے ایک سید کاظم رشتی بھی

---

(۱) امیر کبیر تقی خان فراہانی قہرمان مبارزہ با استعمار ص ۲۷ (۲) ایضاً۔

تھے ، موصوف علمائے نجف کے اس جلسہ میں شریک تھے جو انہوں نے احسائی کے امتحان کے لئے منعقد کیا تھا، یہاں تک کہ اس کے کافر ہونے پر بھی دستخط کئے تھے سید کاظم رشتی جو کہ اپنے استاد سے بھی زیادہ پراسرار اور خطرناک ثابت ہوئے۔ رشت میں ان کے حسب و نسب کا پتہ نہیں تھا ۔ موصوف کے خاندان کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ روس سے نجف گئے تھے ۔ ان کے پاس بے شمار پیسہ تھا، خرچ کرتے تھے ، بے حساب بہاتے تھے، تشیعت میں غلو کرتے تھے اور خلفاء سے شدید مخالفت کا اظہار کرتے تھے، لیکن عثمانی حکومت سے بھی ارتباط رکھتے تھے وہ بھی انکی بہت تعظیم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کربلا میں جو قتل عام ہوا تھا۔ جس کا اصلی سبب شیخ احسائی ہی تھے ۔ لیکن ان کا گھر بند تھا !

سید کاظم رشتی کے بارے میں ان کے استاد ، شیخ احمد احسائی نے یہ تاکید کی تھی کہ سید کاظم ہی سمجھتے ہیں دوسرے نہیں ! اور جب اس کے شاگردوں نے یہ سوال کیا کہ اگر ہم یہ علم آپ سے حاصل نہ کر سکیں تو کس سے حاصل کریں ؟ انہوں نے جواب دیا سید کاظم سے کیونکہ انہوں نے مجھ سے بالمشافہ علم حاصل کیا ہے اور میں نے آئمہ سے بالمشافہ حاصل کیا ہے اور ان بزرگوں نے خدا سے براہ راست حاصل کیا ہے !

۱، امیر کبیر مرزا تقی خان فراہانی قہرمان مبارزہ با استعمار ص ۲۷۱ ، ۲، ہدایت الطالبین ص ۱۰

جناب حوزہ علمیہ میں درسی سلسلہ جاری رکھتے ہیں، شیخ احمد احسائی کے شاگردوں اور ایک دوسرے گروہ میں سے ہر ایک نے ایک دعویٰ کیا ہے، اور ایک دین ایجاد کیا ہے، آشوب برپا کیا اور استعمار کی اچھی طرح خدمت کی ہے اور آج بھی کرتے ہیں!

شیخ احمد احسائی کے اسلامی شیعی مخالف افکار و خیالات سید کاظم رشتی کی طرف، اور ان سے ان کے شاگرد کی طرف منتقل ہوئے جس سے قاچاری شہزادہ مرزا کریم خان ابراہیم کرمانی کے اندر ایک نہایت ہی نامعقول فکر کو وجود دیا۔ باوجودیکہ موصوف سید باب کے مخالف تھے۔ اسکی رد میں ایک کتاب بھی تحریر کی تھی لیکن سید کاظم کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ بابیت کے بجائے انہوں نے رکنیت کی فکر کو رواج دیا۔ کہا: خدا اور رسولؐ و امامؑ تین رکن ہیں اور چوتھا رکن میں ہوں اور چوتھا رکن امام اور عوام کے درمیان واسطہ ہے۔ لہذا اسکا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے اور اسکا اقرار لازمی ہے۔

یہ بالکل وہی کلام ہے جو کہ شیخ احمد احسائی نے فرقہ ذہبیہ اثنا عشریہ کے صوفیوں سے سیکھا تھا، اور پھر کاظم رشتی کو پڑھا دیا تھا اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو سکھا دیا تھا جبکہ اسلام سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

(۱) امیر کبیر مرزا تقی خان فراہانی قہرمان مبارزہ با استعمار ص ۷۱-۷۲

ملا سلطان گناآبادی لکھتے ہیں: "حضرت قائم عجل اللہ فرجہ، امام حسن عسکریؑ کے صلبی بیٹے، زندہ، قائم، مہدیٔ آخر الزمان ہیں۔ آپ ہر زمانہ میں مشائخ کے ذریعہ خلق کی ہدایت کرتے ہیں، نظروں سے غائب ہیں، چونکہ ابھی خلق کی آنکھوں میں آپ کے دیکھنے کی استعداد پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اور آپ کے ظہور کے لئے بارہ سال کی خدمت درکار ہے"!

ملاحظہ فرمایا آپ نے! علاوہ اس کے ملا سلطان مشائخ کو نائب خاص جانتے ہیں بڑے صوفی کی بارہ سال خدمت کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں اس لحاظ سے صوفی بزرگ ہی حضرت قائم ہیں۔

اسی واسطہ کے بارے میں، جو کہ شیخیہ میں رکن رابع ہے اور صوفیوں میں مجازین سے عبارت ہے۔ لکھتے ہیں: اس اجازہ کو جو وسائط سے امام سے متصل ہے، مستعدین سے اخذ کرتے ہیں![1] شیخیوں کے پیشوا ملا کریم خان لکھتے ہیں: ہر زمانہ میں ایسے بالغ و کامل کا وجود ضروری ہے جو کہ حقیقی معرفت کیساتھ حقیقت میں عبادت کرے تا کہ خلقت لغو نہ ہو اور اسکے فضل سے تمام خلقت زندہ رہے[2]

اسی عقیدتی رشتہ کیوجہ سے علامہ عبد الباقی گولپیناری معتقد ہیں کہ: شیخیہ، قادیانیہ اور بہائیت باطنیہ اور اصول تصوف سے وجود میں آئے ہیں[3]

---

(۱) نابغۂ علم و عرفان ص ۱۹۵ (۲) رسالۂ باب ولایت مولفہ جناب جذبی صاحب ص ۱۰۷

صوفیوں کی اولاد

شیخ احمد احسائی قطب الدین نے محمد تذہیبی سے ملاقات کی اور ان سے صوفیوں کی اصطلاحات سیکھیں اور اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ اپنے مقصد سے نزدیک ہو گئے ہیں، چنانچہ اپنا سیکھا ہوا اپنے فکری بیٹے سید کاظم کو بھی سکھا دیا سید کاظم سے شیخیہ کے علاوہ بابیت بھی وجود میں آئی ہے۔

استعمار کے جاسوسی مذہب کے بانی، سید علی محمد شیرازی نے شروع میں خود کو امام زمانہ کا باب، اور پھر مہدی موعود کے نام سے پہچنوایا، اس کے بعد خود کو نقطہ کے لقب سے مشہور کیا اور اپنے پیروکار ملا حسین بشرویہ کو باب قرار دیا! یہ شخص ایک زمانہ تک مشہد میں اور پھر ایک مدت تک بین النہرین میں برطانیہ کے جاسوسی اڈہ کا رکن رہا ہے ہندوستان سے آئے ہوئے سید کرامت حسین ہندی کیساتھ فعالیت کرتا رہا اور بابیوں کا مقتدا بن گیا

اگلے صفحہ کا حوالہ (۲) رجوم الشیاطین ص ۷۷ (۱) حکیم سبزواری ص ۸ ۔

بہائیت اور ازلی

سید علی محمد نے منصب بابیت ملا حسین بشرویہ کو تفویض کر دیا تھا اور اور خود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ نے اس میں ظہور کیا ہے۔ اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ نبوت کا بھی دعویٰ کیا، اور بیان نام کی کتاب لکھ کر اسے اپنے اوپر نازل کیا اور اسے حق تعالیٰ کی جانب سے قرار دیا۔ اور اس کے اثبات پر قرآن مجید کی اس آیت "الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان وعلمہ البیان" سے استدلال کیا مذکورہ آیت کی تفسیر میں "علی محمد" نے خود کو انسان اور اپنے اوپر نازل شدہ کتاب کو "بیان" کا نام دیا۔ مزید برآں کہا: میں ذکر ہوں اور قرآن کی آیت "فاسئلوا اھل الذکر" اور "نحن نزلنا الذکر" میں ذکر سے مراد میں ہوں اور بس!

مختصر یہ کہ علمائے تبریز کے فتوے سے یہ فتنہ، جو کہ رسولؐ کے بعد رونما ہونیوالے عظیم فتنوں میں شمار ہوتا تھا، کیفر کردار تک پہونچا اور

---

(۱) حکیم سبزوار ص ۸۔

قتل کے بعد اسکی لاش کو خندق میں پھینک دیا گیا۔

سید باب نے اپنے ملفوظات میں یا اپنے رسائل میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ صبح قیامت تک کے لئے اس کا جانشین میرزا یحییٰ ہے جو کہ اُن کے شاگردوں میں سے تھا۔ چونکہ حکومت وقت نے سید محمد کو قتل کر کے بابیوں پر زندگی تنگ کر دی تھی۔ لہذا میرزا یحییٰ اپنے بھائی حسین علی ملقب بہ بہا عثمانی ممالک میں چلے گئے اور وہاں خفیہ طور پر تبلیغ کرنے لگے۔ شروع میں حسین علی نے اپنے بھائی کو لوگوں سے مخفی رکھا۔ اور ان سے کہا: ابھی تمہارے اندر انہیں دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انہوں نے خود پر تسلط پانے کے لئے زمین ہموار کی وہ صبح ازل سے ہی اس نیرنگ و فریب سے مطلع ہو گئے تھے۔ لہذا ان دونوں بھائیوں میں اختلاف ہو گیا اور سید علی محمد کا اتباع کرنیوالوں نے بھی دونوں بھائیوں کو ان کا جانشین تسلیم کر لیا۔ چنانچہ حسین علی الملقب بہ بہا کے پیروکاروں کو بہائی اور مرزا یحییٰ کے ماننے والوں کو ازلی کہا جانے لگا۔

نتیجہ میں عثمانی حکومت نے میرزا یحییٰ کو جزیرۂ قبرص میں اور حسین علی کو عکا میں جلا وطن کر دیا۔ وہیں دونوں کی موت واقع ہوئی۔

روس اور برطانیہ نے اپنے مستقل رویہ کے برخلاف، کہ ایران میں دونوں ایک دوسرے کے منصوبہ کو ناکام بناتے تھے، اس سلسلہ میں ایک دوسرے کی مدد کی۔

اس ناشروع مولود نے بھی رشد و تکامل کے بعد اپنی روسی اصل و نسب فراموش کر دیا۔ اور دنیا برطانیہ سے ملحق ہو گیا... روس سے خیانت کر کے برطانیہ سے مل گیا اور بہت پہلے برطانیہ کے حکام سے بھی بے وفائی کی تھی اور امریکہ جیسے مالدار سے مل گیا تھا!

طاہریہ سید کاظم رشتی کا دوسرا پرورش کردہ میرزا طاہر حکاک اصفہانی تھا۔ جس نے استانبول میں مہدویت کا دعویٰ اور بلوا کرا دیا۔ اگرچہ خود تقریباً ۱۳۰۰ میں مر گیا تھا یا قتل کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ماننے والے طاہریہ کے نام سے اسلامی معاشرہ میں اختلاف کا باعث رہے۔ اور استعمار کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنے رہے ممکن ہے دنیا کے گوشہ و کنار میں اس فرقہ کے افراد اب بھی ہوں۔

مختصر یہ کہ مہدویت، بابیت، بہائیت اور رکنیت کے جھگڑے ایران، سوڈان، مراکش اور ہندوستان اور سعودی عرب میں بھی دیکھے گئے ہیں، شیخ احمد احسائی بحرینی کے محمد قطب الدین سے متصل ہو جانے سے فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کا ایک رئیس پیدا ہوا کہ جس کا موجودہ سردار ڈاکٹر گنجویان ہے۔ جو کہ سید کاظم رشتی سے پیدا ہوا ہے۔

سید قطب الدین محمد ذہبی

شیخ احمد احسائی

سید کاظم رشتی

میرزا طاہر حکاک
بانیٔ طاہریہ

سید علی محمد باب

حاج محمد کریم خان کرمانی
بانیٔ شیخیہ

میرزا یحیی صبح ازل
بانیٔ ازلیان

میرزا حسین علی
بانیٔ بہائیت

میرزا حسین بشرویہ
بانیٔ بابیت

اس مختصر سی تحقیق سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ شیخ احمد احسائی صوفی اور سید کاظم رشتی نے کس زیرکی سے اپنے پاس اپنے ہی جیسے لوگوں کو جمع کیا تھا۔

ہر ایک استعمار کے مذہب کا رہبر بن گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آج بہائی کو صوفی سے، صوفی کو شیخی سے اور شیخی کو بابی سے دشمنی ہے۔ لیکن ان کی کتابیں ایسے اعتقادات و اصطلاحات سے بھری پڑی ہیں کہ ان کے درمیان سر مو فرق محسوس نہیں ہوتا ہے اور اگر بظاہر دونوں میں کوئی شباہت نہ بھی ہو تو بہ باطن سب کو ایک ہی جگہ سے غذا ملتی ہے۔

مہدویت کا دعویٰ

صوفی حضرات جس چیز کو ولایت قسریہ جزئیہ یا مہدویت نوعیہ کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اس سے ان کی مراد مہدویت کا دعویٰ ہوتا ہے۔

شیخیہ زمانۂ غیبت کبریٰ میں معرفت انسان۔ بقول انکے۔ کامل کو معرفت خدا و رسولؐ اور امام کی معرفت کے برابر سمجھتے ہیں

بہائی، بابی اور ازلی باب کے قالب میں انہیں اصطلاحوں کے مطابق امام رکھتے ہیں۔

ملا سلطان گنا آبادی لکھتے ہیں: "حضرت قائم عجل اللہ فرجہ امام حسن عسکریؑ کے صلبی بیٹے زندہ، قائم اور آخر الزمان ہیں اور آپ ہر زمانہ میں مشائخ کے ذریعہ خلق کی ہدایت کرتے ہیں لیکن ابھی خلق کی آنکھوں میں آپ کے دیدار کی صلاحیت و تاب نہیں ہے۔ اور حضرت قائم کے ظہور کے لئے بارہ سال کی مدت درکار ہے!

---

(۱) بیانہ علم و عرفان ص ۱۹۵۔

جو بھی امام زمانہ کے دیدار کا اشتیاق رکھتا ہے وہ صوفیوں کے فرقہ کے رئیس کی بارہ سال کی خدمت کرے۔ تب حضرت قائم کا ظہور ہو گا نہ کی حضرت حجۃ بن الحسن روحی فداہ کا بلکہ صوفیوں کا شیخ اس لحاظ سے اس مدت کو کافی سمجھتا ہے کہ جو شخص منصور علی شاہ قزوینی ایسے صوفی کی خدمت میں بارہ سال گذارے گا اسے مرشد کی حقیقت معاذ اللہ۔ امام قائم کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ بشرطیکہ ان بارہ سال میں اپنا شعور نہ کھو بیٹھے تو مرحوم کیوان قزوینی جیسے افراد ان بارہ سالوں میں یقیناً تمہیں اپنا دیدار کرا دیں گے۔

مجد الاشراف ذہبی کہتے ہیں: ولایت الٰہیہ کے دو شعبے ہیں۔ ایک کلی کہ جس کو ولایت کلیہ مطلقۃ اللٰہیہ کہتے ہیں دوسرا جزی طور پر ہوتا ہے اسے جزئیہ کہتے ہیں۔[2]

ملا علی گنا آبادی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جو درویش نیابت خاصہ کے معتقد ہیں وہ اپنے فرقہ کے رئیس کو امام زمانہ کا خاص نائب سمجھتے ہیں۔ شیخ محمد حسن گنا آبادی کا عقیدہ ہے کہ جس طرح غیر اہل طریقت کسی وقت بھی زمین کو حجۃ خدا سے خالی نہیں سمجھتے ہیں امام زمانہ کے حقیقی نمائندہ کے بارے میں یہی عقیدہ اہل طریقت کا ہے۔ وہ خلیقۃ اللہ ہیں۔[3]

محمد حسن صفی علی شاہ صوفیوں کے سرداروں کے بارے میں لکھتے

۱، تحفۃ الوجود ص ۶ و ۷ ۲، صالحیہ طبع دوم ص ۲۲۶ ۔ ۳، یادنامہ صالح ص ۲۳۰۔

ہیں: مظہر ذات وزبدۂ ممکنات، لنگر عرش ہیں اور داد فرش یعنی علی ہیں اور بصورت ولی ہیں، ولایت کے نائب ہیں، ان کی ذات قائم ہے، ان کا لطف دائم ہے، ہادی کی عنایت اور مہدیٔ ہدایت بظاہر خلق ہیں اور بہ باطن حق ہیں![1]

فرقہ صوفیہ کے پیر جواد نوربخش لکھتے ہیں: خلیفۂ حق محور عالم ہے ان کے احکام کو بے چون وچرا نافذ ہونا چاہیے۔ اور کسی امر کے سلسلہ میں صوفیوں کو ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔[2] علی تابندہ کہتے ہیں کہ صوفیوں کے سرداروں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے چاند، کہ وہ سورج سے کسب ضیا کرتا ہے اور وہ امام زمانہ سے نور حاصل کرتے ہیں![3]

گذشتہ صفحات میں ہم نے ولی اللہ الاعظم کی طرف سے صادر ہونے والی توقیعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک قیامت کے لئے نیابت خاصہ کی نفی کرتی ہے اور نیابت خاصہ کے مدعی کو کاذب قرار دیتی ہے۔ دوسری توقیع غیبت کبریٰ کے زمانہ میں شیعوں کے فریضہ کو معین کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ دونوں ہی توقیعات ان خرافات پر خط بطلان کھینچتی ہیں۔

---

(۱) عرفان الحق ص ۱۳۔ (۲) تفسیر منظوم عجبرات: ۸۰۷ (۳) در خرابات ص ۸۱ (۴) صوفیت کے نظریہ سے آگاہی کے لئے ملاحظہ فرمائیں خورشید تابندہ ص ۱۴۔

سید علی محمد باب بھی ایسی چیزوں کے مدعی تھے۔ لیکن موصوف کو چونکہ بڑی توقع تھی لہذا کہا: میں امام زمانہ ہوں (صوفی حضرات اپنے مرشدوں کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم اس کتاب میں روشنی ڈالیں گے)، اس کے بعد کہا: پیغمبر ہوں، مختصر یہ کہ خدا بن گئے۔

فرقۂ شیخیہ کے بانی کہتے ہیں: فرقۂ شیخیہ کے مرشدوں کی معرفت ہی معرفت خدا ہے معرفت رسولؐ اور معرفت امام ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ان سب کو ایک ہی چیز کا دعویٰ ہے، اس دعوے سے تشیع کی آسمانی ثقافت اور معارف الٰہی سے مبارزہ کر رہے ہیں۔

معصوم علی شاہ فرقۂ نعمت اللٰہی کے مشاہیر میں سے ہیں وہ اس سلسلہ میں، کہ شیخ احمد احسائی سید قطب الدین محمد کی طرف سے ارشاد و ہدایت پر مامور تھے، لکھتے ہیں: جناب شائخ الفضائل والاوصاف شیخ الشیوخ احمد احسائی قدس سرہٗ العزیز، کو اطراف ایران میں فعالیت کو نے پر مامور کیا اور جناب مستطاب کردیا ... !

غور کیجیے کہ میرزا جلال الدین شیرازی ملقب بہ؟ مجد الاشراف فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے قطب نے شیخ احمد احسائی کو ذہبیہ اغتشاشیہ

---

(۱) طرائق الحقائق ج ۳ ص ۳۳۹ (۲) در دیباچہ ای کہ بر کتاب شرائط الطریقہ وقوام الانوار مرحوم والا نوشتہ است۔

کی طرف سے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے مامور کیا ہے۔ یعنی عالم اسلام پر جو مصائب، رکنیت، شیخیہ، بہائیت اور بابیت کی طرف سے پڑے ہیں وہ ذہبیہ اغتشاشیہ ہی کی برکت سے پڑے ہیں۔

جیسا کہ علامہ محقق مرحوم خوانساری لکھتے ہیں: بابیت، بہائیت، ازلیت، شیخیت اور کریم خانی کے مظالم اور ان کے ذریعہ جو خونریزی ہوئی ہے یہ سب شیخ احمد احسائی کی وجہ سے ہوئی [1] میرزا جلال الدین شیرازی، مجد الاشراف کے بقول وہ بھی قطب الدین محمد کی طرف سے مامور تھے!

جس زمانہ میں صوفی حضرات شیخ احمد احسائی کی بہت تعظیم و تکریم کرتے اور ان کو تشویق کرتے، اور انہیں ایران میں تبلیغ کی ذمہ داری ملنے والی تھی، اسی زمانہ میں برطانیہ کے ایک یہودی جاسوس نے بختیاری میں اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اس نے اپنا نام بھی درویش علی رکھ لیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک بختیاری عورت سے شادی بھی کر لی جب اسکی ذمہ داری کی مدت ختم ہو گئی اور ایران سے کوچ کا وقت آیا تو اس نے بختیاری عورت کو ایک گدھے سے بدل لیا، اس طرح چند شیلنگ کا فائدہ بھی ہوا [2]

---

[1] ترجمہ روضات الجنات فی احوال العلما والسادات ج ۱ ص ۱۳۹ [2] تحفۃ الوجود ص ۸۱۔ [3] دست پنہان سیاست انگلیس در ایران مولفہ خان ملک ساسانی ص ۲۳۔

شیخ احمد احسائی کے زمانہ میں صوفی مرشدوں اور قاچار کے درباری علمار کے برخلاف شیعوں کے نمایاں علمار میں سے اکثر نے شیخ احمد احسائی کے خرافات و اسرائیلیات اور وظیفہ خوار جاسوسوں کے خلاف قیام کیا شہید ثالث، شیخ کاشف الغطا اور حاج میرزا حسن، صاحب جواہر اور حوزہ علمیہ نجف کی نمایاں شخصیتوں نے، شیخ احمد احسائی کے اس غلو کی بنا ر پر جو کہ انہوں نے زیارت جامعہ کی شرح میں کیا تھا، اور بعض ضروریات دین، منجملہ ان کے بدن ہورقلیائی کے حشر و نشر کے نظریہ کی وجہ سے انہیں کافر قرار دیا۔

شیعہ علمار کی یہ بیداری اس بات کا باعث ہوئی کہ روس و برطانیہ کے وظیفہ خوار اجنبی جو کہ دنیائے اسلام میں اسرائیلیات کو فروغ دے رہے تھے اور اپنے جیسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے وہ رسوا ہو گئے۔

اب اسماعیل رائین لکھتے ہیں: برطانیہ کے وزیر مختار نے بغداد میں "اور وقت میں بھی درویشوں کا حصہ رکھا تھا۔ اور ہندوستان کے درویشوں میں سے بارہ آدمی بلوچستان اور خراسان کے راستے سے ایران و بین النہرین پہونچے انمیں سے سات افراد نے ایران میں سکونت اختیار کی اور ملکی کے نام سے ہر ایک سرگرم ہو گیا، بقیہ ایران سے چلے گئے"!

۱، حقوق بگیران انگلیس ص ۱۰۸ و ۱۰۷۔

صوفی ائمۂ طاہرینؑ کے مقابلہ میں

ایک نہایت ہی اہم نکتہ جو صوفیوں کی سنہری اصطلاحوں میں مخفی رہا یا جس کو پوشیدہ رکھا گیا، تاکہ تمام لوگوں کی اس تک دسترس نہ ہو اور جب رئیس فرقہ یا صوفیوں کے مبلغین مصلحت سمجھیں اس وقت تصوف کے استحکام کے لئے اس سے کام لیں بہت حساس دو موضوع ہیں شاید تصوف و صوفیوں کے شیدائیوں نے اس پر توجہ نہیں کی ہے۔

(۱) صوفیوں نے اپنے مسلک کی ترقی کے لئے خاص مہارت کے ساتھ اپنے عقیدتمندوں کو یہ بات باور کرائی کہ اگرچہ جسم کے اعتبار سے شکل و صورت میں اور ضرورت میں ایک جیسے ہیں لیکن خلقت میں یکساں نہیں ہیں آیۂ ''انما بشر مثلکم یوحیٰ الی''(۱) کے لحاظ سے جو کہ حضرت ختمی مرتبت اور بعد کے مرتبہ والے ائمۂ طاہرینؑ کی شان میں ہے۔ یہ بزرگوار بھی آب و خاک سے ہیں، اسی لئے جو کچھ آئمۂ طاہرینؑ نے کچھ اپنی حقیقی شان یعنی اپنی نورانی خلقت اور آسمانی قدر و منزلت بیان

---

(۱) حقوق بگیران انگلیس ص ۱۰۸ و ۱۰۷ (۲)، کہف۔

کی تھی اسے انہوں نے خود سے منسوب کر لیا ہے۔ اختصار کے ساتھ ہم یہاں اسکے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

(الف) مولی الموحدین نے جہاں اپنی نورانی خلقت کے بارہ میں اشارہ کیا ہے: آپؑ نے فرمایا ہے کہ "انا اصغر من ربی بسنتین" میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں! واضح رہے کہ یہاں سال، ماہ اور دن جیسی چیز مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کو بیان کیا ہے کہ حقیقت علویہ حقیقت محمدیہ کا جز اور منبسط وجود ہے۔ یہ سب سے پہلی مخلوق ہیں اور ذات حق سے دو مقام اور دو رتبوں، احدیت واحدیت، کے فاصلہ پر ہیں۔

شیخ ابوالحسن خرقانی، جو کہ اس طائفہ کے مشاہیر میں سے ایک ہیں، کہتے ہیں: "انا اقل من ربی بسنتین"، یعنی میں اپنے پروردگار سے دو سال چھوٹا ہوں؟

(ب) امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: جو کچھ تمام آسمانی کتابوں میں ہے وہ قرآن میں ہے اور جو کچھ پورے قرآن میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے اس پر نقطہ، با دال ہے اور میں وہ

---

(۱) الفردوس الاعلیٰ تالیف آیۃ اللہ العظمیٰ حاج محمد حسین کاشف الغطاء (۲)

لمعات فخر الدین عراقی تصحیح جناب محمد خواجوی ص ۱۰۲ طبع مولی۔

نقطہ ہوں !

مشہور ترین صوفی، جو محتاج تعارف نہیں ہیں، شبلی کہتے ہیں :

"انا النقطۃ التی تحت الباء"۔ [1] یعنی میں وہ نقطہ ہوں جو بار کے نیچے ہے، جبکہ سید حیدر آملی اس چیز کو حضرت علیؑ سے مختص جانتے ہیں [2]، امیر المومنین حضرت علیؑ نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے "وانا صاحب الطوفان الاوّل، انا صاحب الطوفان الثانی وانا صاحب عاد والجنات وانا صاحب ثمود والآیات"۔ [3]

مشہور صوفی کہ جس نے خود کو شیعہ کے عنوان سے پہچوانے کی کوشش کی ہے، اسنے اپنے دوستوں کے نام ایک خط میں لکھا ہے: میں قوم نوح کو غرق کرنے والا ہوں، میں قوم عاد و ثمود کو نابود کرنے والا ہوں [4]

یہ تھا صوفیوں کا ائمہ طاہرینؑ سے مقابلہ کا نمونہ، ائمہ طاہرینؑ کے فرمودات کو انہوں نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے، وہ بھی ان کلمات کو، جو کسی غیر معصوم کے لئے ہو ہی نہیں سکتے۔ انہیں خود سے مخصوص

---

(۱) تفسیر روان جاوید ج ۱ ص ۴ (۲) فتوحات مکیہ طبع قاہرہ تحقیق عثمان یحییٰ ج ۲ ص ۱۳۴ - (۳) جامع الاسرار و منبع الانوار ص ۳ - ۵۶ - ۹۵ - ۴۰ ، مشارق الانوار الیقین ص ۱۶۸ طبع بیروت (۵) تصوف و تشیع تالیف علامہ ہاشم المعروف الحسنی ص ۵۱۸

کرلیا ہے۔ محمد حسن اصفہانی صفی علی شاہ نیز «صراط الذین انعمت» کے بارے میں لکھتے ہیں: صراط الذین انعمت علیھم، صراط نعمت اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس نعمت سے مغضوب وضال بے بہرہ ہیں! جبکہ صراط الذین انعمت علیھم، سے آئمہ طاہرینؑ کی راہ مراد ہے

۲ صوفیوں کے بارے میں جو کرامات اور خوارق العادات امور نقل ہوئے ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے آب و تاب کے ساتھ غلو فرسائی کی ہے۔ یعنی ایسی باتیں انبیاءؑ کا اتباع کرنیوالوں نے انبیاءؑ کیلئے بلکہ غالیوں نے ائمہؑ کے بارے میں بھی نہیں کہی ہیں؟

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی پیغمبرؐ کی رسالت صرف نظام و احکام ہی پر مشتمل ہو کہ یہ اعجاز سے بڑی چیز ہے کیونکہ حیات بشری کی مشکلات کو برطرف کرتے ہیں، لیکن پھر اسے معجزنما ہونا چاہیے کہ معجزہ ان کی نبوت کو ثابت کرتا ہے۔

صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ان کی عزت و احترام کی خاطر خوارق عادات امور انجام دلاتا ہے۔ قشیری نے اپنے رسالہ میں دعویٰ کیا ہے کہ، انبیاءؑ ضرورت کے وقت معجزہ دکھاتے تھے، لیکن صوفی حضرات کے لئے معجزہ دکھانا واجب نہیں ہے۔

---

(۱) مقدمۂ دیوان نامہ متولی بقعۂ شاہ نعمت اللہ (۲) ملاحظہ فرمائیں، شبلنجی کی نور الابصار و تذکرۃ الاولیاء۔

پھر بھی ان سے خارق العادت امور صادر ہوئے ہیں۔ جیسے سطح آب پر چلنا! ہوا کے دوش پر اڑنا! سطح آب پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنا! سانپ کا نرگس کے پھول سے ہوا دینا اور مکھی مچھر کو اڑانا!

نیز لکھتے ہیں: وہ صوفی حضرات اپنی کرامات کو، اس دلیل سے کہ ان کا طریقہ اصل نبوت پر استوار ہے، الہامی اور پیغمبروں کے معجزہ سے ماخوذ جانتے ہیں۔ جبکہ یہ خیالی افسانہ سازی شعبدہ بازوں کے افعال و حرکات سے مشابہ ہیں، ان حرکتوں سے وہ چہرۂ اسلام کو داغدار کرنا چاہتے ہیں اسلام ان خرافات سے بالکل الگ ہے۔ اس طرح وہ صوفیوں کی گڑھی ہوئی ولایت کو شیعوں کی ولایت و امامت کے برابر لانا چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر کامل مصطفیٰ نے ائمۂ معصومینؑ کی طرف منسوب کرامات اور ان کرامات کا موازنہ کیا ہے جن کا صوفی لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جہاں بھی صوفیوں کی کوئی کرامت نقل کی ہے وہیں اسکے مثل امام کی کرامت بھی لکھی ہے۔

ہم اپنے اس مقصد کے لئے کہ صوفی حضرات کرامات گڑھ کر کس جرات کے ساتھ آئمہ کے مقابلہ میں آئے ہیں، چند چیزیں ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء تصحیح نیکلسن طبع دنیائے کتاب ص ۵۴۲ (۲) ایضاً ص ۱۴۸ (۳) ایضاً ص ۶۵

(۴) ایضاً ص ۱۷۹ (۵) رسالہ قشیریہ ص ۶۶۴۔

(الف) حضرت امام محمد تقیؑ کے بارے میں منقول ہے کہ آپؑ نے ایک قیدی کو قید سے نکالا اور رات بھر کی مدت میں شام سے کوفہ اور مدینہ و مکہ کی سیر کرائی اور پھر واپس پہونچا دیا![1]

معروف کرخی کے بارے میں صوفی حضرات لکھتے ہیں کہ بغداد میں قیام کے زمانہ میں وہ ایک رات میں مکہ گئے، طواف کیا، نماز پڑھی اور آب زمزم بھی پیا![2]

(ب) حضرت امام رضاؑ کے متعلق منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے دست عصا سے زمین پر سختی کے ساتھ نشان کھینچ دیا اور اس سے ایک سونے کی اشرفی نکال کر اپنے شیعوں کو دی اور فرمایا: اسے لو، اپنے اوپر خرچ کرو اور جو کچھ دیکھا ہے اسے پوشیدہ رکھو۔[3]

ایسے ہی واقعہ کو صوفیوں نے ذوالنون کی طرف منسوب کیا ہے کہتے ہیں سونے کا ایک طشت ان کے سامنے تھا مشک و عنبر کی خاکستر سے احمد سلمی کو ایک درہم دیا۔[4] یا لکھتے ہیں ایک ویرانے میں سونے وجواہر کی کوئی چیز دیکھی تو اپنے ماننے والوں کو دیدی۔[5]

(ج) اسماعیل بن عباس ہاشم کہتے ہیں: عید کے دن میں امام جوادؑ کو سلام کرنے کیلئے گیا اور آپؑ سے روزی تنگ ہونے کی شکایت

---

(۱) ارشاد مفید ص ۳۰۴ (۲) تذکرۃ الاولیاء طبع دنیائے کتاب ص ۲۶۹ (۳) اصول کافی مترجم ج ۱ ص ۴۰۶ و ۴۰۷ (۴) تذکرۃ الاولیاء ص ۱۲۱ (۵) ایضاً ص ۱۱۶۔

کی۔ آپ نے اپنی جانماز کا ایک کونا اٹھایا، اور زمین پر ہاتھ مار کر سونے کا ایک ٹکڑا مجھے عطا کیا! (مولف کہتے ہیں) میں نے خود عبد اللہ خاوری سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے: ہم اپنی والدہ سے ملاقات کے لئے جاتے تھے اور جناب مجد الاشراف اپنی توشک کے نیچے سے کچھ خاک اٹھا کر میری والدہ کے ہاتھ پر رکھ دیتے تھے اور وہ سونا ہو جاتی تھی۔

(د) حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے استقرار نطفہ کے متعلق منقول ہے کہ خدا کی طرف سے رسول خداؐ کو حکم ملا کہ حضرت خدیجہ سے دور رہ کر چالیس روز تک عبادت میں مشغول رہیں، چالیسواں دن ختم ہونے والا تھا کہ جبرئیل نازل ہوئے، بہشت کی غذا پیش کی اور عرض کیا اے محمدؐ! خداوند عالم درود وسلام کے بعد فرماتا ہے کہ اس جنتی غذا کو تناول فرمائیں آنحضرت نے روزہ افطار کیا، نماز شروع کرنا چاہتے تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کی آج کی رات مستحبی نماز نہ پڑھئے اور حضرت خدیجہ کے پاس جائیے خدا چاہتا ہے کہ آپ کی صلب سے پاکیزہ بچہ پیدا کرے!

ملا علی گنا آبادی معروف بہ نور علی شاہ اپنے والد ملا سلطان گنا آبادی کی پیدائش کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ان کے دادا اور دادی دونوں ہی ان پڑھ تھے، کاشتکار تھے، دونوں اپنے کچے گھر میں بیٹھے تھے۔ اور کوئی وہاں نہیں تھا کہ اچانک گھر کی چھت شگافتہ

---

(۱) تحفۃ المجالس ص ۳۲۳ (۲) بحار الانوار ج ۱۶ ص ۷۸۔

ہوئی اور اس سے کچھ پانی ٹپکا جو کہ بمنزلۂ مائدۂ آسمانی تھا، میاں بیوی نے اسے پیا اور اسی شب میں ملا سلطان علی شاہ کا نطفہ ٹھہرا [1]۔

حضرت فاطمہ زہراؑ جب امام حسینؑ کے حمل سے تھیں تو آپؑ اپنے خلوت خانۂ عبادت میں اپنے شکم سے امام حسینؑ کی تسبیح و تہلیل کی آواز سنتی تھیں [2]۔

ملا علی گنابادی اپنے والد ملا سلطان علی شاہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ایک بچہ یعنی ملا سلطان تین ماہ کی عمر میں، اپنی ماں کے شکم میں زندگی بسر کر رہا تھا [3] جب اس کی والدہ بے خبر سوتی رہتی تھی تو بچہ شکم میں لات مار کر بیدار کر دیتا تھا اور وہ فریضہ ادا کرتی تھی اور جب کبھی ماں تنہائی کے عالم میں افسردہ خاطر ہوتی یا ڈرتی تو بچہ ان سے گفتگو کرتا، قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دیتا تھا [4]۔

جعفر طیار کے بارے میں لکھا ہے کہ شہادت کے بعد انہیں دو پر عطا ہوئے ہیں جن سے وہ رضوان جنت کے ساتھ پرواز کرتے ہیں [5]۔ صوفیوں نے عین القضاۃ ہمدانی [6] اور فریدالدین عطار نیشاپوری [7] کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ان کا سر تن سے جدا ہوا تو وہ اپنا سر ہاتھ پر رکھ کر دو

۱۔ سلسلہ ھای صوفیان ایران ص ۲۹۵ ۲۔ ناسخ التواریخ امام حسینؑ ج ۱ ص ۱۲-۳۰، ۳۔ یاد رہے کہ ۳ ماہ تک نطفہ میں ہڈی نہیں بنتی ۴۔ سلسلہ ہای صوفیان ایران ص ۲۹۵- ۵۔ مجالس المومنین ج ۱ ص ۱۸۱ ۶۔ شرح احوال و آثار عین القضاۃ باب اول ص ۱۸ ۷۔ گردش افغانستان تالیف ملا سلطان حسین تابندہ ص

تقریباً نصف فرسخ تک دور ہے خاتمہ پر اس بات کا اضافہ کر دوں کہ صوفیوں کے بعض فرقوں کے سجادہ نشین نے بہت دور تک کی سوچی تھی لہذا انہوں نے اپنے فرقوں کے سرداروں کے اسمار کو معصومینؑ کے مطابق کر دیا

حضرت محمد رسول خداؐ	ملا محمد سلطان	سلطان علی شاہ
حضرت علیؑ	ملا علی	نور علی شاہ
حضرت امام حسنؑ	حسن	صالح علی شاہ
حضرت امام حسینؑ	سلطان حسین	رضا علی شاہ
حضرت علی بن الحسینؑ	علی	محبوب علی شاہ

ایک اور شخص نے اپنی مہر بھی "علی بن حسین" بنوائی ہے۔

صوفیوں میں اجازہ کی حیثیت

صوفیوں کے درمیان اجازہ کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ اجازہ رد و قبول اور حق و باطل کا معیار رہا ہے ملا علی گنا آبادی لکھتے ہیں: بزرگوں میں بغیر اجازہ کے حدیث نقل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ چہ جائیکہ ذکر و فکر کی تلقین کرے ۱۔

جس صوفی کے پاس اجازہ نہیں ہوتا تھا اسے گدھے سے تشبیہ دیتے تھے۔ چنانچہ فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے ایک مرشد نجیب الدین رضا کہتے ہیں:

۱، صالحیہ ص ۳۴۵ حقیقت ۱۵۶

بے سند صوفی مثال خر بود   مسخرۂ شیطان د کور و کر بود

نے ز علم ظاہرش بہرہ بود   نے ز باطن اہل دردی می شود[۱]

دوسری جگہ فرقہ نعمت اللّٰہی کے سید دس دار نے بے اجازہ صوفی کو پیشاب کے مانند جانا ہے[۲] صوفیوں کے رؤسا کا عقیدہ ہے کہ صوفیوں کے رئیس وقت کو چاہئے کہ وہ اپنے اجازہ کا اثبات کرے۔ جیسا کہ صفی علی شاہ لکھتے ہیں: "مرشد طریقت کو چاہئے کہ وہ سلسلہ کا اثبات کرے یہ امام سے دست بدست پہونچا ہے"[۳]

اگر یہ اتصال ثابت ہو جاتا ہے تو اس اجازہ کو اذن خدا سمجھتے ہیں[۴] صاحب اجازہ بغیر علمی و شرعی دلیل کے خود کو "صراط مستقیم" کہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس توہم کو قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو برداشت نہ کرنے کی یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کا کامل تمام انبیاءؑ و اولیاء سے اولیٰ ہوتا ہے[۵]

البتہ ایسی خیال بافیوں کی نہ صرف یہ کہ، روح تشیع، یعنی اسلام ناب میں گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ ایسی جدت پسندی ہے کہ جس کا اسلام میں سابقہ نہیں ہے۔ ایسی صوفیانہ خیال بافیوں کو بدعت کہنا چاہئے کیونکہ ان چیزوں کا اسلام میں کہیں نشان نہیں ملتا ہے۔

۱۔ الشافی ص ۳۵۲ ۲۔ رسالہ سعادتیہ ص ۸۴ ۳۔ مقدمہ دیوان ص ۱۶ ۴۔ نامہ عالی صالح ص ۱۱ ۵۔ صالحیہ طبع دوم ص ۱۷۳

ائمہ سے اتصال کا دعویٰ

اسلام میں تصوف کے وجود میں آنے کے بارے میں مختلف نظریات پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کی تبلیغ کے مقابلہ میں صوفیوں کو بھی لامحالہ اپنے مذہب و مسلک کے پائے مضبوط کرنا تھے اور چونکہ یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں تھی کہ ہر مشروع امر کا سرچشمہ قرآن مجید یا سنت رسولؐ کو ہونا چاہیے۔ اسلئے اس فکر میں پڑے کہ سنت رسولؐ یا قرآن مجید سے کچھ دلیلیں فراہم کریں کہ جس سے صوفیوں کے مدمقابل کو مغلوب اور قوم کو اپنی طرف جذب کیا جا سکے۔

زمانۂ قدیم سے ہی انہوں نے کوئی علمی اور عالم اسلام کی ملی شخصیتوں کے قابل قبول ثبوت پیش کئے بغیر فرقۂ صوفیہ کو چار فرقوں میں منحصر کیا ہے۔

اول : امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ سے کمیل بن زیاد نخعی کے وسیلہ سے۔

دوم : علی بن الحسین زین العابدینؑ سے ابراہیم ادہم کے وسیلہ سے

سوم : جعفر بن محمد صادقؑ سے یزید بسطامی کے وسیلہ سے

چہارم : علی بن موسی الرضاؑ سے معروف کرخی کے وسیلہ سے!

صوفی کا نقلی اور محقق کا عقلی رجحان

جاہلانہ دوستی اس بات کا موجب ہوئی کہ صوفیوں کے معتقدین صوفیوں کی غیر معتبر اور بے سند باتوں کے معتقد ہو جائیں اور صرف ان نقل۔ جو کہ قصۂ ہزار و یک شب کی طرح بے بنیاد ہے۔ کے معتقد رہیں اور عقلی رجحان سے گریزاں رہیں۔

جب کہ خالص حقیقت کو۔ خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی۔ تحریف و جعل سے جدا کرنے میں لوگ عقل ہی سے کام لیتے ہیں۔

تاکہ روایات میں سے صحیح و غلط کو پہچاننے میں کامیاب ہو جائیں یعنی اگر عقل کے خلاف کوئی بات نقل ہوئی تو اسے دیوار پر دے ماریں اور اسے غیر معتبر قرار دیں ہر چند صدیوں سے چلی آرہی ہو مگر یہ کہ اسکی کوئی توجیہ اور اسے تعارض سے نکالنے کے لئے عقل کے حکم سے کوئی راستہ ڈھونڈھ نکالیں۔

اس صورت میں اگر کسی صوفی یا اسکے چاہنے والے کو صوفیانہ نقلوں میں مشکوک افراد نظر آئیں۔ کہ جن سے سند ضعیف ہو جاتی ہے، اور نقل غیر معتبر ہو جاتی ہے۔ وہ اسے تسلیم نہ کرے۔

اور صوفیانہ نقل کو محققانہ تحقیق پر ترجیح نہ دے۔ اس صورت میں ناقل کے کسی محقق کی حقیقی تنقید سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ناقل صوفی کی کہی ہوئی باتوں پر اعتبار نہ کرے بلکہ ہر نقل کو عقل کی کسوٹی پر کسے اور حکیم عقل کے مطابق صوفیانہ نقل کو قرآن و روایات کے معیار سے دیکھے اگر ان کے مطابق ہو تو قبول کرے ورنہ جعلی جھوٹی قرار دیکر اس پر خط بطلان کھینچ دے تاکہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے اور حق و باطل ایک ہی زمرہ میں نہ رہیں، کیونکہ جس دن سے، دین کو نہ سمجھنے والے، اسلام دشمن، بنی امیہ جیسے لوگوں نے بنی ہاشم اور رسولؐ سے حسد و کینہ کی وجہ سے اور معاویہ کے حکم سے، حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے اہلِ بیتؑ کی فضیلت و عظمت کو گھٹانے کے لئے خلفاءؓ کے لئے فضیلت و منقبت تراشی کرنے لگے، اور حدیث جعل کر کے، اس میں تحریف کر کے خلفاء اور ان کے طرفداروں کی شخصیت بناتے تھے [۲] یہاں تک کہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

جب لوگ ابن ابی العوجاء — حسن بصری کے شاگرد — کو قتل کرنا چاہتے تھے تو اس وقت اس نے بتایا تھا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گڑھ کر تمہاری احادیث میں مخلوط کر دی ہیں [۳] ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کہتے ہیں کہ اسلام میں اسرائیلیات داخل کرنے کے سلسلہ میں کعب الاخبار، وہب بن منبہ وغیرہ اتنی

---

[۱] نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۴۲ [۲] ایضاً ج ۱۱ ص ۴۴۔ [۳] تمدیماً کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۲۰۷ حوادث ۱۵۵ھ

شہرت رکھتے ہیں کہ محتاج بیان نہیں ہے [1]

ان حالات کو مد نظر رکھنے سے مسلمانوں سے صوفیوں کے فکری و مذہبی اختلافات ، اور فقہی و کلامی مسائل میں ان کے نظریات کا تفاوت واضح ہو جاتا ہے ۔ دیگر طبقات کی مانند اپنے معتقدات کے بارے میں انہوں نے بھی حدیث سازی سے کام لیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسولؐ نے ان کے مذہب کے نام و نشان کی تائید کی ہے [2] جبکہ آنحضرتؐ نے ابوذر غفاری سے فرمایا ہے: یا اباذر! یکون فی آخر الزمان قوم یلبسون الصوف فی صیفھم وشتائھم یرون الفضل لھم بذالک علی غیرھم اولئک یلعنھم ملائکۃ السماء والارض [3]

اے ابوذر آخری زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سردی و گرمی میں اونی لباس پہنیں گے اور اس اونی لباس پہننے کی وجہ سے یہ گمان کریں گے کہ وہ دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں اس گروہ پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں ۔

---

[1] التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۱۸۲ [2] ہم اس سے قبل صوفیوں کی غیر معتبر احادیث کو نقل کر چکے ہیں [3] مجموعۂ ورام ج ۲ ص ۶۶ مکارم الاخلاق ص ۴۱۱ بحار الانوار ج ۷۷ ص ۹۱ ، امالی طوسی ج ۲ ص ۱۵۲ ، عین الحیاۃ ص ۵۷۶ ۔

صوفیوں کا ائمہؑ سے تعلق

صوفیوں کے نقلی رجحان اور محقق کے عقلی رجحان کی بحث کے بعد اب ہم اس چیز کا تجزیہ و تحقیق پیش کرتے ہیں جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، چونکہ ہم نے اپنی تحقیق کی بنیاد آج کے صوفی معاشرہ کو قرار دیا ہے۔ اسلئے ہم ان چار اشخاص سے چشم پوشی کرتے ہیں جنہوں نے چار معصوم سے فرقہ سازی کی اجازت لی تھی پھر ہمارے زمانہ میں ابراہیم ادہم اور بایزید بسطامی کے فرقہ کا نام ونشان نہیں ہے لہذا ہم موجودہ فرقوں کو ہی موضوعِ بحث قرار دیتے ہیں لیکن اس دلچسپ اساسی نسبت و تعلق اور بے عقل صوفی کا نقلی رجحان۔ کہ جسکی کوئی علمی و حقیقی حیثیت نہیں ہے۔ دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔

ابراہیم ادہم کی زین العابدینؑ سے فیضیابی کے بارے میں عرض ہے۔ صوفیوں کے سربراہوں کو توجہ رکھنا چاہیے کہ ابراہیم ادھم نے سنہ ۱۶۱ھ یا ۱۶۲ھ میں انتقال کیا ہے جبکہ امام زین العابدینؑ نے سنہ ۹۵ھ یا ۹۴ھ میں رحلت فرمائی ہے۔ اور بایزید بسطامی کی امام صادقؑ سے فیضیابی کے بارے میں عرض ہے کہ امام صادقؑ نے سنہ ۱۴۸ھ میں رحلت فرمائی ہے۔

اور یزید بسطامی کا انتقال سنہ ۲۶۱ھ میں ہوا ہے اس لحاظ سے دونوں کے درمیان ۱۱۳ سال کا فاصلہ ہے۔

اس مدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ بایزید نے امام صادقؑ سے کسب فیض کیا تھا

کمیلیہ

صوفیوں کے تمام فرقے اس فرقہ کا نام تعظیم کے ساتھ لیتے ہیں، اسے وہ کمیل بن زیاد نخعی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بیشک کمیل فرزند اسلام اور اسلام کی آغوش کے پروردہ ہیں، چونکہ رسولؐ کی عمر مبارک کے ۱۸ سال درک کئے تھے اسلئے انہیں تابعین میں شمار کیا گیا ہے[۲]۔

دوست و دشمن کا عقیدہ ہے کہ وہ مشہور زاہد[۳]، جذباتی[۴]، ثقہ[۵] صاحب سر[۶]، اعاظم اور حضرت علیؑ کے صحابی اور سربرآوردہ شیعہ تھے۔ صوفی وغیر صوفی انہیں عظیم روح اور قوی عرفان کا مالک تصور کرتے ہیں حضرت علیؑ نے ان کے اندر حقائق اور معارف اسلامی کو سمجھنے کی صلاحیت دیکھی تھی۔ چنانچہ جب بھی علوم و اسرار کا دریا آپؑ کے سینے میں موجزن ہوتا تو آپ کمیل کو بلاتے اور اپنے سامنے بٹھا کر ان پر اسرار و عرفان کے

اگلے صفحہ کا حوالہ: (۱) تحفۃ الوجود از محمد الاشراف ص ۱۱۔ جواہر الکلام از پرویز سلامی ص ۶۵ (۲) روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات مترجم ج ۶ ص ۲۰۳ (۳) ہمبستگی میان تصوف و تشیع ص ۹۱ (۴) میزان الاعتدال ۵، رجال مامقانی ج ۲ ص ۴۲ (۶) روضات الجنات ج ۶ ص ۴۴ ایضاً ج ۶ ص ۲۰۳۔

جواہر کی بارش کر دیتے تھے ۱

کمیل ابن زیاد نخعی کی شجاعت کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سقیفہ کے دن سے اپنے امولا امیر المومنین حضرت علیؑ کی شہادت تک ہتھیلی پر جان رکھکر، یعنی عرفان سے دفاع کرتے اور سقیفہ کے اسرار، یعنی تصوف کو برملا کرتے تھے، مختصر یہ کہ عثمان کے زمانہ میں ہی امیر المومنین حضرت علی کی خلافت کے مقدمات فراہم کر دیئے تھے ۲ اگر عاشور کے روز ان کا نام سید الشہدا امام حسینؑ کے ساتھ نظر نہیں آتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ گیارہ محرم تک معاویہ کی قید میں تھے۔ کیونکہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینے کے لئے خاندان رسولؐ کے وفادار اور غدیر کے متوالوں کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا تھا تاکہ بیعت کے منصوبہ میں وہ شورش بپا نہ کرسکیں۔

مختصر یہ کہ کمیل بن زیاد نخعی اپنے زمانہ کے عالم عقلمند اور پارسا تھے ۳ آخر کار غدیر کی حمایت میں تاریخ کے جلاد حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھ سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

کمیل بن زیاد نخعی کے بارے میں یہ مطالب اس لئے قلم بند کئے ہیں کہ صوفیوں کے علاوہ کسی نے بھی اپنے آثار میں یہ بات

---

(۱) روضات الجنات ج ۶ ص ۳۰۲ (۲) عائشہ بعد از پیامبر تالیف علامہ عسکری ج ۱ ص ۱۵۳ (۳) تالیف علامہ عسکری ج ۱ ص ۱۷۳۔

تحریر نہیں کی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس عظیم شخص کو ایک فرقہ بنانے کی اجازت دی تھی کہ جس کا نام بعد میں کمیلیہ ہوگا، صرف صوفی بغیر معیار کے یہ بات کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ کمیل کے زمانہ میں تصوف کا وجود ہی نہیں تھا یہ تو صوفیوں کے ان اختراعات میں سے ہے جو چوتھی صدی ہجری میں ہوئی تھیں تصوف میں جو اولین چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ نجم الدین کبریٰ کا وہ اجازہ ہے جو کہ انہوں نے اپنے نمایاں شاگرد رضی الدین علی لالا کے لئے لکھا تھا، اسمیں اپنے فرقہ کو شیخ اسماعیل قصری کے ذریعہ کمیل بن زیاد نخعی سے منسوب کیا ہے![1]

اویسیہ صوفیوں کا یہ گروہ تقریباً سو سال قبل وجود میں آیا تھا اویسیہ صوفیوں کی روش و سیرت کے برخلاف۔ جن کا کوئی فرقہ نہ تھا۔ خود کو حضرت اویس قرنی سے منسوب کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اویس نمایاں تابعین اور منجملہ ان چار زاہدوں اور پرہیزگاروں میں سے ایک تھے کہ جنہوں نے حضرت علیؑ کی پیروی کی ہے انکا یہی شرف کافی ہے کہ رسولؐ نے انہیں دیکھا تک نہیں، اور انہیں سلام کہلوایا اور اپنی امت کے لئے دعا کرنے کیلئے فرمایا![2]

---

(۱)، روضات الجنات وجنات الجنان ج ۲ ص ۳۰۵ (۲)، کشف المحجوب ص ۱۰

بعض روایات میں "سید یمن" کے لقب اور حضرت علیؑ کے صحابی کے عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے۔ رسولؐ کی محبت ان کے دل میں بغیر کسی کی راہنمائی، الہام ربانی کے ذریعہ جاگزیں ہوئی۔ وہ رسولؐ کے دیدار کے لئے مدینہ آئے لیکن آنحضرت کی ملاقات سے مشرف نہ ہو سکے۔ اور واپس یمن چلے گئے۔

رسولؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: "انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن"، میں یمن کی جانب سے نسیم رحمت کی بو سونگھ رہا ہوں! اویس ان لوگوں میں سے ہیں جو لوگ جنگ صفین میں حاضر ہوئے اور اپنے مولا علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت کی ۲ اور اسی جنگ میں اسلام و ولایت سے دفاع کرتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ صرف طائفہ عنقا نے، جو کہ فرقہ اویسیہ کی ریاست کا دعویدار ہے صوفیوں کی روش کے برخلاف فرقہ اویسیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ کیونکہ جو دلیلیں صوفیوں کے نزدیک حجت ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اویس قرنی نے لیے کسی فرقہ کی بنیاد نہیں رکھی تھی۔

اول: استاد جلال ہمائی کے بقول سب سے اہم بات یہ ہے کہ: تمام صوفی محققین کا اعتقاد ہے کہ پہلے قطب کے ہوتے ہوئے بعد والے قطب کی طرف منصب قطبیت اور مقام خلافت منتقل نہیں ہو سکتا۔

۱، بحار الانوار ج ۹ ص ۶۳۷ ۲، ناسخ التواریخ حضرت امیر المومنین ص ۱۷۸۔

بعبارت دیگر قطب ناطق بالفعل نائب ومنوب عنہ ایک زمانہ میں جمع نہیں ہو سکتے ۔[1]

اس صورت میں حضرت علیؑ کی حین حیات لیے اجازہ کا صادر ہونا ممکن تھا جو کہ صوفیوں کے نزدیک حجت ہے ۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ جنگ صفین میں جناب اویس کے سینہ پر تیر لگا ۔ اور آپ شہید ہو گئے ۔[2] جبکہ تصوف میں امر قطبیت وصیت کے مانند ہے اگر کسی کا شرعی وقانونی وصی خود اس کی موت سے پہلے مر جائے تو اب شرعی امور میں اس وصیت نامہ کی کوئی حقیقت نہیں رہے گی ۔ وصیت کرنے والے کو چاہیے کہ وصیت نامہ دوسرے وصی کو تفویض کرے ۔ اس صورت میں بافرض محال اگر ایسا کوئی اجازہ جاری بھی ہوا ہوگا تو وہ ارشاد سے متعلق نہیں ہوگا ۔ کیونکہ اویس قرنی نے حضرت علیؑ سے پہلے شہادت پائی ہے ۔

دوسرے یہ کہ تاریخ تصوف کے مشہور صوفی اویسیوں کے لئے کسی پیر ومرشد کے قائل نہیں تھے ۔ بلکہ تصوف کی یہ بدعت در بدعت تقریبًا پچاس سال قبل وجود میں آئی ہے ۔

فریدالدین عطار نیشاپوری لکھتے ہیں : ایک گروہ ہے جس کو اویسیان کہتے ہیں ، ان کے لئے پیر کی ضرورت نہیں تھی ۔ وہ تو بغیر

---

(۱) مصباح الھدایۃ ومفتاح الکفایۃ ص ۳۰ (۲) ناسخ التواریخ امیرالمومنین ص ۱۷۸

واسطے کے نبوت کو خود اپنی آغوش میں پالنے والے ہیں ، جیسا کہ ادیس کو پرورش کیا ہے!

عبد الرحمٰن جامی لکھتے ہیں: آنحضرت کے بعض تابعین ہیں کہ جنہوں نے بعض شیدائیوں اور طالبوں کی روحانیت کے ذریعہ تربیت کی ہے ۔ ظاہر میں وہ ان کے پیر نہیں ہیں یہ جماعت بھی اویسیوں میں داخل ہے۲

معصوم علی شاہ نائب الصدر لکھتے ہیں: اویسیوں سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو انکی طرف منسوب ہیں بلکہ وہ افراد مراد ہیں کہ جو عالم باطن میں منجذب ہوئے ہیں۳

حافظ حسین کربلائی نے اویسیوں کے بارے میں عطار نیشا پوری کی بات کی تائید کی ہے۴ تیسرے صوفیوں کے مشاہیر میں سے ایک گروہ ، جیسے محمود بن عثمان نے کتاب فردوس المرشدیہ فی اسرار الصمدیہ کے ص ۲۴ و ص ۴۸۹ پر اور مست علی شاہ نے ریاض السیاحۃ کے ص ۲۳۶ پر اور محمد معصوم شیرازی نے طرائق الحقائق کی ج ۲ کے ص ۳۰۹ پر حضرت اویس قرنی کی طرف ایک شجرہ کی نسبت دی ہے ۔

۱، تذکرۃ الاولیا ، ص ۳۳ و ۲۴ ۲، نفحات الانس ص ۲۰ ۳، طرائق الحقائق ج ۲ ص ۵۱ و ۵۲ ۴، روضات الجنان وجنات الجنان ج ۱ ص ۵۱۰ و ۵۱۱

جیسا کہ صوفیوں کا بھی عقیدہ ہے، یہ شجرہ محبت ہے شجرۂ ارشاد نہیں: کیونکہ اویس قرنی حضرت علیؑ سے پہلے شہید ہوئے ہیں اور غیر صوفیوں کی نظر سے بھی ایسا کوئی مدرک نہیں ہے کہ جس سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت علیؑ نے کوئی فرقہ بنایا تھا نہ کہ اویس قرنی نے ۔ جیسا کہ معصوم علی شاہ لکھتے ہیں: " جو شجرہ بھی مولانا اویس قرنی تک پہونچتا ہے وہ محبت سے متعلق ہے نہ ارشاد سے "(۱) صوفیوں کو کم از کم ان چیزوں کو قبول کرنا چاہیئے جو کہ تصوف کے قوانین شمار ہوتے ہیں۔ اور شیدائیوں کو مسلکی تاریخ کے ان حقائق سے آشنا ہونا چاہیئے کہ وہ جس کا گرویدہ ہونا چاہتے ہیں۔ ان کو سمجھنے کے بعد ان پر عیاں ہو جائے گا کہ اولیاء ریاست و منصب کے بھوکے تھے، جنہیں کہیں بھی منصب نہیں ملا تھا انہوں نے جھوٹ، فریب اور جعل سازی و تحریف سے خود اپنا مسلک بنایا اور وزارت خزانہ کی ملازمت سے ریاست و منصب پر پہونچے ہیں ۔

اگر محمد قادر باقری نیینی کہ جس نے کچھ عرصہ پہلے اقطاب اویسی کا شجرہ مرتب کیا ہے، صاحب طرائق الحقائق پر حملہ کیا ہے: معصوم علی شاہ اویسیوں کے فرقہ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں تو اپنے فرقہ کا سلسلہ عبد الوہاب نائینی تک کیسے پہونچاتے ہیں۔

---

(۱) طرائق الحقائق ج ۲ ص ۵۲۔

جواب یہ ہے کہ معصوم علی شاہ عبدالوہاب نائینی کو فقرا ویسی کا پیر نہیں مانتے بلکہ انہیں فرقۂ کبرویہ نور بخشیہ کا پیر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ چیزیں اصل میں حقیقت کے متلاشی کو غفلت میں ڈالنے کے لئے ہیں مفاد پرست اس کا خیال رکھتے ہیں اور اپنے بعد دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں۔

چوتھے: اگر اویسیہ کا دم بھرنے والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسولؐ نے اپنا خرقہ اویس قرنی کے لئے بھیجا تھا! تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اولاً خرقہ نہیں تھا، بلکہ آپ نے اپنا لباس مرحمت فرمایا تھا اور یہ بھی گڑھی ہوئی بات ہے جسے صوفیوں نے گڑھ لیا ہے اور اسی لئے انہوں نے اپنی تالیفات میں خرقہ کو رسولؐ کے مرحمت کردہ لباس سے تعبیر کیا ہے۔

پانچویں: اویسیوں نے جہاں بھی رسولؐ کے مرحمت کردہ خرقہ کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ خرقہ کی حفاظت کی ذمہ داری رسولؐ نے عمر بن خطاب کو دے رکھی تھی اور کہہ رکھا تھا جب بھی اویس قرنی سے ملاقات ہو یہ خرقہ انہیں دیدینا! یہ بات کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے کہ رسولؐ نے اپنے جانشین داماد اور خلیفہ علیؑ کے ہوتے ہوئے عمر بن خطاب کے سپرد کیا تھا؟!!

---

(۱) تذکرۂ اقطاب اویسیہ ج ۱ ص ۹۹ (۲) ایضاً ج ۱ ص ۹۹۔

اس صورت میں خرقۂ اویسیہ، جو کہ صوفیوں کے نزدیک سنت اور معتبر ہے اور صوفیوں کے نقطہ نظر سے خرقہ بخشی حضرت اویس قرنی بھی صحیح نہیں ہے کہ اویس کو عمر خطاب سے اور انہیں رسول سے ملا تھا اب تصوف میں خرقہ کی حقیقت ہے نہ حیثیت.

کیونکہ صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ تمام خرقہ کا سلسلہ حضرت علی تک پہونچنا چاہیئے!

چھٹے: ان تمام اعتراضات سے اہم خرقۂ اویس کا مسئلہ ہے، اس مسئلہ کو سب سے پہلے صاحب تذکرۃ الاولیاء نے چھیڑا تھا! اور انہوں نے یہ چیز اپنے جیسے صوفیوں سے حاصل کی تھی اسلام کی تاریخی مسانید میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی ہے۔

ساتویں: دوسرا اہم مسئلہ جو کہ قابل توجہ ہے اور کلی طور پر اویسیوں کو موجودہ صوفیوں کی فہرست سے جدا کرتا ہے یہ ہے کہ اویسیہ اپنے خرقہ کا سلسلہ شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہونچاتے ہیں اور نجم الدین سے اویس قرنی کے درمیان ایک نا قابل انکار تحریف کی ہے اور صوفیوں کے تقریباً ۵۰ بڑے علماء کا خیال ہے کہ خرقہ نجم الدین کبریٰ کا تعلق شیخ الوری اسمٰعیل قصری سے ہے جس کا سلسلہ فرقۂ کمیلیہ تک پہونچتا ہے نجم الدین کبریٰ نے بھی اپنے اجازات میں اس موضوع

۱، روضات الجنات و جنات الجنان ج ۲ ص ۳۰۵۔

کی طرف اشارہ کیا ہے !

فرقۂ اویسیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہر فرقہ کا ایک رئیس ہوتا ہے اور ہم ان کی سرحد میں داخل نہیں ہو سکتے تو اویسیہ تے۔ جو کہ ابھی تک بے سرپرست۔ اپنے دو ہمعصر و مشہور صوفیوں، روزبہان وزان مصر نجم الدین کبریٰ کے استاد و خسر ۲ اور روزبہان بقلی شیراز۔ جو کہ نجم الدین کبریٰ اور روزبہان وزان کے ہمعصر تھے ۔ سے غلط فائدہ اٹھایا باوجودیکہ اپنے تذکرۂ اقطاب اویسی کی ج ۳ ص ۲۹ پر نجم الدین کے اس اجازہ کو، جو کہ موصوف نے اپنے شاگرد رضی الدین لالا کو دیا تھا۔ نقل کیا ہے اور یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ فرقۂ نجم الدین کبریٰ کا سلسلہ اسماعیل قصری کے واسطے سے کمیل ابن زیاد تک پہونچتا ہے نہ کہ اویس قرنی تک لیکن شاید اپنے قارئین کو فہم و شعور سے بالکل خالی سمجھتے ہیں ۔ نجم الدین کبریٰ کے تصوف کا سلسلہ اویس قرنی تک پہونچایا ہے۔ اس سے بڑی اور کیا بے حیائی ہو گی ۔

جبکہ روزبہان وزان مصری، کازرونی الاصل ؎ تھے، لیکن مصر میں رہنے لگے تھے ۲؎، اور روزبہان بقلی شیرازی، معروف بہ شیخ شطاح شیراز میں رہتے تھے ۔ وہیں مرے ۔ روزبہان معروف بہ مصری ہے ۔

۱، تذکرۂ اقطاب اویسیہ ج ۳ ص ۲۹۷ ۲، طبع در جشن نامہ ہانری کاربن ص ۲۸ ۳، شذرات الذہب ج ۴ ص ۲۵۵ ۴، روضات الجنان و جنات الجنان ج ۲ ص ۳۲۲۔

روزبہان بقلی شیرازی ۔ فسا میں پیدا ہوئے اسلئے انہیں شیخ فسوی[۱] یا فسائی[۲] یا فسادی کہا گیا ۔ اور روزبہان مصری ۔ شیخ کبیر کے نام سے مشہور ہیں ہے[۳] جبکہ روزبہان بقلی شیرازی شیخ شطاح اور شیخ صغیر سے معروف ہیں[۶] ... روزبہان وزان مصری کا انتقال ۵۸۴ھ[۷] میں ہوا اور تاریخ وفات اس طرح نکالی گئی : ہادی دین متین[۸] ۔

روزبہان بقلی شیرازی کا انتقال محرم ۶۰۶ھ ق میں شیراز میں پیدا ہوا ، تاریخ وفات ہے پیر ہادی عارف پاک = ۶۰۶[۹] روزبہان مصری نے ابو نجیب سہروردی سے خرقہ حاصل کیا تھا[۱۰] ۔ اور روزبہان بقلی نے اویسیہ کے بقول سراج الدین ابوالفتح محمود بن محمود صابونی سے پایا تھا[۱۱]

حافظ حسین کربلائی لکھتے ہیں : شیخ ابو محمد روزبہان بن ابی نصر بقلی شیرازی ، جنہیں شیخ شطاح کہتے ہیں وہ شیخ کبیر فارسی کے علاوہ ہیں جو مصر میں رہتے تھے اور نجم الدین کبریٰ کے مشائخ میں سے ہیں[۱۲]

دوسری جگہ لکھتے ہیں : روزبہان بقلی متوفی ۶۰۶ کے علاوہ

---

(۱) شد الازار ص ۲۴ (۲) فارس نامہ ناصری ج ۲ ص ۱۴۷ (۳) مجمع الفصحاء ج ۱ ص ۲۲۵ (۴) تحفۃ العرفان ورق ۱۱ (۵) ریحانۃ الادب ج ۲ ص ۳۲۳ (۶) ایضاً (۷) ایضاً ج ۲ ص ۳۲۴ (۸) ایضاً (۹) ایضاً (۱۰) ایضاً (۱۱) ایضاً ج ۲ ص ۳۲۳ (۱۲) ایضاً ص ۳۲۴ ۔

ہیں[1] عبدالرحمٰن جامی روزبہان بقلی شیرازی[2] اور روزبہان وزان مصری، دونوں کے بارے میں علیحدہ طور پر تحقیق کرتے ہیں اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے متعلق لکھتے ہیں: کہ وہ روزبہان بقلی وزان مصری کی خدمت میں پہونچے ہیں[3]

علامہ میر سید محمد باقر خوانساری نے دونوں روزبہان کے بارے میں علیحدہ علیحدہ تحقیق کی ہے[4] میرزا محمد علی مدرس نے روزبہان وزان مصری کا تعارف کرانے کے بعد لکھا ہے کہ یہ اس روزبہان صغیر کے علاوہ ہیں جنہیں شیخ شطاح کہتے ہیں[5]

ڈاکٹر عبد الحسین زرین کوب رقمطراز ہیں: روزبہان بقلی کے بارے میں توجہ رکھنی چاہئے کہ ان کے ہمعصر ایک صوفی و عارف انہیں کے ہمنام، روزبہان کازرانی مصری معروف بہ وزان تھے۔ یہ مصری روزبہان سلسلۂ سہروردی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شیخ نجم الدین کبریٰ انہیں سے منسوب ہیں[6] اور جس روزبہان کا گاہ بگاہ ابن عربی ذکر کرتے ہیں وہ یہی روزبہان مصری ہیں نہ کہ بقلی[7]

اس صورت میں اہل تصوف کی نقل کی جانے والی منطق

---

(۱) روضات الجنان وجنات الجنان ج ۱ ص ۵۰۴ (۲) ایضاً ص ۳۸۰ (۳) نفحات الانس ص ۲۵۹
(۴) روضات الجنات فی احوال السادات مترجم ج ۲ ص ۶ (۵) ریحانۃ الادب ج ۳ ص ۲۲۳ (۶) جستجو در تصوف ایران ص ۲۱۹ (۷) ایضاً۔

اور مخالفین کی معمولی سی دلیل بھی ایسی نہیں آئی ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ فرقۂ اویسیہ کے پاس ایسی صوفیانہ سند ہے جو صوفیوں کے نزدیک معتبر ہے بلکہ نجم الدین کبریٰ سے حضرت اویس قرنی تک جعلی سلسلہ قائم کیا ہے تاکہ اویسیہ نام کا ایک فرقہ بنا سکیں ڈاکٹر اسد اللہ خاوری لکھتے ہیں: اویس قرنی پارسا تابعین میں سے ایک تھے۔ ان کے افکار اصول تصوف اور عرفان سے توام نہ تھے اور پھر ان کے زمانہ میں آج کے تصوف کا تو کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا اور اگر اویس قرنی صوفی تھے تو ان کی طرف کسی خاص طریقہ کی نسبت نہیں دی گئی![1]

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر ابو الفضل عنقا کے پاس عبدالقادر جہرمی کا اجازہ ہے کہ جس سے امیر سید محمد نور بخش سے ان کا اتصال ثابت ہو جائے تو اسے بھی اسی طرح درج کرتے جس طرح سید حسین دزفولی کے اجازہ کو کتاب انوار قلوب السالکین کے ص ۲۹ پر درج کیا ہے اور کمیلیہ فرقہ کے معمولی درویش عبد القادر جہرمی کا اجازہ پیش کیا ہے۔

یاد رہے کہ سید حسین دزفولی کے اجازہ کا نصف آخر اور ان کے دستخط جعلی ہیں۔

---

(۱) ذہبیہ تصوف علمی آثار ادبی ص ۱۹۳۔

خاکساریہ

یہ بھی صوفیوں کی ایک قسم ہے جو کہ فقیروں کی صورت میں سڑکوں اور کوچہ و بازار میں، ہاتھ میں کشکول لیکر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ہاتھ میں تبر اور سر پر کلاہ نمدی رکھتے ہیں جیسے تاج کہتے ہیں۔ اور فرقہ کے پیر کے حکم سے سر پر رکھتے ہیں۔ اور ان کے کشکول میں لوگ جو بھیک ڈالتے ہیں وہ اسے اگر مبتدی ہیں اور خاکساریہ صوفیوں کے اصول کے معتقد ہیں تو وہ خانقاہ کے رئیس و پیر کو دے دیتے ہیں ورنہ اپنے خرچ میں لاتے ہیں۔

فرقۂ خاکساریہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، جس سے ایک کتاب وجود میں آسکتی ہے، لیکن ہم صرف اس کا خلاصہ پیش کریں گے۔

سب سے پہلے فرقۂ خاکساریہ کے رؤسا کے رشتہ کے وسیلہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے وہ اپنے مخصوص انداز میں خود کو اجازہ رکھنے والوں سے مخصوص رسالوں میں لکھتے ہیں اور سلسلہ کو برق علی طالب میر ملنگ تک یعنی حضرت زین العابدین سید الساجدین علی بن الحسین ؑ

تک اور پھر جناب سلمان فارسی تک پہونچاتے ہیں ۔ اور اجازات کو ان سے جوڑتے ہیں ۔

جناب سلمان فارسی روحی فداہ کی قدر و منزلت میں ذرہ برابر شک نہیں ہے ۔ لیکن علاوہ اس کے کہ بغیر حد شہ کے چھوٹا سا ثبوت بھی ان اجازوں کے لئے موجود نہیں ہے ۔ لہذا ان قواعد کی رو سے ، جو کہ صوفیوں کی نظروں میں مسلّم ہیں ، ان میں سے کسی اجازہ کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ ہر صوفی کے جانشین و خلیفہ کو صوفی کے بعد اسے زندہ رہنا چاہئے ، جیسے وصی موصی کے بعد رہتا ہے اور اگر وصی نے موصی سے پہلے قضا کی تو ایسا اجازہ یا وکالت ، خانقاہی اصطلاح میں اجازۂ خلافت باطل ہو جائے گا اور یہ تاریخ اسلام کا مسلّمہ ہے کہ جناب سلمان فارسی کی نماز جنازہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے پڑھائی تھی چنانچہ صوفیوں کے قواعد کے مطابق ایسے سلسلہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔

ثانیاً : چونکہ رسولؐ نے سلمان فارسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہیں سلمان محمدی کہا کرو لہذا آپکے فرمان کے برخلاف کرنا بے ادبی ہے ۔ یعنی سلمان محمدی کو محمود یا تیلی کہتے ہیں اسطرح صوفیوں کا یہ عمل رسولؐ کے مقابل قرار پاتا ہے ۔

ثالثاً : اس فرقہ کے کچھ آدب و سنن ہیں ، جیسے قاپی کشیدن ! تراش فراش ! پیالہ ، نشان ہو ۔ مراد لگے ہی پیر ۔

گل و کسوت دینا اور ارشاد و عشق اللہ عطا کرنا، یاد رہے ان میں کوئی چیز بھی اسلامی بنیاد پر استوار نہیں ہے، فرقۂ خاکسار میں داخل و شامل ہونے کے لیے غسل شریعت، غسل طریقت، غسل حقیقت اور غسل معرفت ایجاد کر لئے ہیں جو کہ شریعت محمدیؐ کے سراسر خلاف ہیں۔ یا زبان کھینچتے ہیں، پیالہ دیتے ہیں، کسوت دیتے ہیں یعنی صوفی کے بازو پر ایک سکہ رکھ کر اس کے چاروں طرف سے شمع جلا جلاتے ہیں پھر اسے اتنا ملتے ہیں کہ زخم ہو جاتا ہے اور پھر چالیس دن پیر خانقاہ، سکہ سے جلی ہوئی جگہ ملتا اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے ملتا ہے یہاں تک کہ وہ سرخ ہو جاتا ہے اس کے بعد اس زخم پر گوسفند کا مغز حرام رکھتے ہیں اور یہ حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کسی کو نہ دکھانا کہ اس کی حیثیت مہر نبوت کی سی ہے ... یہاں تک کہ زخم سے جلد الگ ہو جاتی ہے۔ اور اس کھال کو دھو کر پیر کی تحویل میں دے دیتے ہیں، پیر ارشاد کہتا ہے، اسے خزانہ امیر میں امانت کے طور پر رکھ دو!

خاکسار اور اہل حق کی ہمبستگی

اہل حق کے سردار کے سامنے اخروٹ توڑنا گویا تن خاکسار کے

---

(۱) خاکسار و اہل حق ص ۳۲ (۲) ایضاً ص ۱۰۹ (۳) ایضاً ص ۱۲ (۴) ایضاً ص ۱۱۴ (۱) ملاحظہ فرمائیں خاکسار و اہل حق ص ۲۱

سپرد کرنا اور اہل حق کو سر سپرد کرنا ہے ۔ اس رسم کے وقت خاکسار کا رئیس پیر دلیل، پیر شہو اور پیر دھا شاہ ایاس کے خاندان کے رئیس کے پاس جاتے ہیں ۔ اور حمی شکر کا بڑا سا ڈھیلا ، گوسفند کا سر اور کچھ پیسہ لے جاتے ہیں [1] اور رسم کے تحت اخروٹ توڑتے ہیں ۔ اس کے بعد شرع کے قوانین کی رسمی اور حتمی طور پر رعایت نہیں کی جاتی ہے ، نماز نہیں پڑھتے ، روزہ نہیں رکھتے ، فروع دین پر عمل نہیں کرتے ۔ بس فرقہ اہل حق میں داخل ہو جاتے ہیں ۔

آج کے خاکسار

فرقۂ خاکسار حاج علی یزدی معروف بہ بہار علی شاہ کے زمانہ تک جیسے بھی تھا، تھا اسکے جاننے سے نہ صرف یہ کہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اسکی تحقیق کی بھی ہمیں ضرورت نہیں ہے ۔

سلسلۂ خاکسار کے رئیس بہار علی شاہ کوفہ کی خانقاہ میں سکونت پذیر تھے [2] ۹۵ سال کی عمر میں ۴۲ افراد کو شیخ مجاز کا جانشین معین کر کے ۱۳ رجب ۱۳۵۵ھ میں چل بسے ۔

جانشینی کے سلسلہ میں ان ۴۲ افراد کے درمیان شدید اختلاف رونما ہوا ، جن لوگوں میں اپنے بے مدرک دعوے پر شورش وقیام کی طاقت تھی انہوں نے قدعلم کیا اور مسند ریاست پر متمکن ہو گئے ۔

۱، خاکسار و اہل حق ص ۱۰۶ ۲، بیوگرافی ہزار درویش ص ۱۴۵ ۔

اور فرقہ خاکسار کی ریاست اس طرح ظاہر ہوئی۔

بہار علی شاہ

گوہر علی شاہ

حشمت علی شاہ مظہر علی شاہ سیف علی شاہ معصوم علی شاہ

مشتاق علی شاہ

غضنفر علی شاہ

قدم علی شاہ طاہر علی شاہ

لیکن جانشینی کے فرمان کے لحاظ سے جو کہ مستور علی شاہ کے خط میں تھا۔ مظہر علی شاہ اپنے تمام رقیبوں پر غالب آ گئے اور بہار علی شاہ کے چھوٹے بھائی زین العابدین "گلشن علی شاہ"، کہ موصوف مشائخ میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے اپنے بھائی کے درویشی وسیلے بھی مظہر علی شاہ کو دیدیئے!

---

(۱) خاکسار و اہل حق ص ۱۰۔

اس تائید سے مظہر علی شاہ کی ریاست کا مسئلہ بھی بہار علی شاہ کے نزدیک ترین فرد کے وسیلے سے طے ہو گیا۔

حاج مظہر اپنے رئیس۔ بہار علی شاہ۔ کے بعد تہران میں دروازۂ دولت کے قریب حاجب الدولہ کے مقبرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد انہوں نے جہاں اور امور انجام دیے تھے وہاں ایک حاجب الدولہ کی قبر بھی کھدائی تھی اور ان کے جسد کی ہڈیوں کو خاجبیہ خندق میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس اقدام کے فوراً بعد بہار علی شاہ کے مرید شہاب السلطنۃ بختیاری نے حاجبیہ کی تجدید کرائی اور اس کا نام مظہریہ رکھا[1] مظہر نے تقریباً سو سال کی عمر پائی جس میں ان کی ریاست کے سارے ہی رقیب چل بسے اور یہ علی الاطلاق رئیس بن گئے۔

پیر کے خلاف مرید کا خروج اسی آرام کے زمانہ میں، کہ جس میں بہار علی شاہ کے بعد حاج مظہر تام الاختیار رئیس تھے، ناگہاں طاہر نام کے ایک شخص۔ جو کہ کوذہ کی خاکساریہ خانقاہ کا ذمہ دار تھا اور حاج مظہر سے اجازہ دریافت کرنے کے سلسلہ میں متعدد بار پیشکش کر چکا تھا یہاں تک کہ خرقہ پوشی کے خاطر تریاک بھی کھا لیا تھا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ کوذہ سے کرمانشاہ آیا ایک قبرستان میں تکیہ بنا کر اس کا رئیس

---

[1] خاکسار و اہل حق ص ۱۱۔

بن گیا اور شیخ کے عنوان سے اطراف واکناف میں افراد روانہ کئے، حاج مظہر نے سرکشی کی تہمت لگا کر انہیں ٹھکرا دیا اور یہ اعلان کرا دیا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں اسکے پاس جانا گویا جہنم کا راستہ طے کرنا ہے۔

اس فرمان سے میر طاہر کو جو نقصانات پہونچے تھے ان کے تدارک کے لئے انہوں نے یہ کہا: میں نے خاج مظہر سے درویش صفا کے ساتھ وہ سب کسب کر لیا ہے جو کرنا چاہئے۔

اس جھوٹ کے بعد انہوں نے اصفہان کا ایک سفر کیا تھا وہاں اس کے دربار کے مشہور درویش حاج محمد علی نطیفیان کے یہاں مہمان ہوئے اور ان سے اصرار کیا کہ ایک مجلس میں وہ کچھ چیزیں بیان کریں۔ چنانچہ انہوں نے خاجی میر طاہر کو مخاطب کر کے کہا: میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ درویشی میں انسان اگر ایک جھوٹ بولتا ہے تو اس کی اصلاح کے لئے چالیس جھوٹ بولنا پڑتا ہے، میر طاہر اس کنایہ سے بخوبی سمجھ گئے کہ میں نے جو کہا ہے کہ صفا کے ساتھ میں نے خاج مظہر سے وہ سب کچھ سیکھ لیا ہے جو سیکھنا چاہئے تھا۔ یہ ایک جھوٹ ہے اسکی چالیس جھوٹ ہی سے اصلاح ہو سکتی ہے...

حاجی مظہر کے بعد سب کی آنکھیں اور کان اس بات کی طرف لگے ہوئے تھے کہ خاجی نے خاکسار کی سرنوشت کے بارے میں کیا کہا ہے۔ خانقاہ مظہریہ کے سیاسی افراد نے، جو کہ میر طاہر اور اہل خانقاہ کے پاس سربستہ راز طریقہ سے آتے جاتے تھے یہ اعلان کیا جہلم تک بات

واضح ہو جائے گی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں مرحوم کے منھ بولے بیٹے جو کئی سال سے حاجی مطہر اور خانقاہ سے دور زندگی گذار رہے تھے اور اصلی کام سے دور ہو گئے تھے، زبردستی مسند ریاست پر بیٹھ گئے۔

آخر کار چہلم کا زمانہ بھی آگیا اور مہینوں گذر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ حاجی مطہر نے کسی کو معین نہیں کیا ہے۔ ان کے ہر نمائندہ نے جانشین کا دعویٰ کیا، ہر ایک نے استقلال کا نعرہ بلند کیا اور اپنے اپنے لئے مسند بنالی۔ مثلاً رحمت علی شاہ نے خراسان میں یہ دعویٰ کیا کہ میرے والد حاج بہار کے مجازین میں سے تھے، حالانکہ وہ حاجی مطہر کے زمانہ میں اس نسبت کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ حاجی مطہر کی ترویج کرتے تھے، ناصر علی شاہ نے خانقاہ مطہریہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور بعد میں انہیں قزوین کی ریاست مل گئی تھی۔ مختصر یہ کہ جناب مصباح ریاست کا جواز نہ رکھنے کے باوجود خانقاہ مطہریہ کے رئیس بنا دیئے گئے۔

اصفہان میں جناب درست صاحب نے مصباح صاحب کا اتباع کیا اور رفتہ رفتہ حاج مطہر کے خرقہ اور تاج کے مدعی ہو گئے اس طرح میرزا طاہر نے سب سے زیادہ تگ و دو کی اور ایک جماعت کو تکیہ خاکسار کرمانشاہ بلالیا اور اپنے متعلق مستور علی شاہ کی تحریر دکھائی اور کہا کہ میری نسبت مستور علی شاہ سے اور انکی نسبت بہار علی شاہ سے ہے۔

بزعم خود موصوف نے اپنی ریاست کو ثابت کر دیا۔ لیکن اس سے غافل رہے کہ حقیقت کبھی پوشیدہ نہیں رہتی ہے۔

حاجی مستور علی شاہ کون ہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ درویش مستور علی معروف بہ مستور علی شاہ کرمانی نے حاجی بہار علی شاہ کو درک کیا ہے۔ اور مدتوں کوفہ کی خانقاہ میں ساکن رہے ہیں ! بعض لوگ کہتے ہیں موصوف نے انہیں درک نہیں کیا ہے۔

حاجی میرطاہر نے حاج سطہر سے بغاوت کے بعد رفتہ رفتہ مستور علی شاہ کو اپنا پیر اور خود کو ان کا مرید بتانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے دیرینہ دوست، قادریہ کے رئیس، میرزادۂ ہاشمی نے اپنے مقالہ میں دعویٰ کیا کہ مستور علی شاہ، بہار علی شاہ کے لفظی اور تحریری اجازہ سے خلافت مطلقہ تک پہونچے تھے ! اس سے ایک جھگڑا بپا ہو گیا اور جو لوگ خاموش ہو گئے تھے انہوں نے دوبارہ شور مچانا شروع کر دیا اور واطریقتاہ کا نعرہ بلند کرکے لوگوں سے مدد طلب کی۔

اس بات کو تمام صوفی قبول کرتے ہیں کہ مرید پیر کی توجہ کا مرکز

---

۱) بیوگرافی ہزار درویش ص ۴۵۔ ۲) شرح مناقب محی الدین عربی مقالہ محمد طاہر سیدزادہ ہاشمی ص ۳۲۔

اسوقت قرار پاتا ہے کہ جب اس کا ارادہ پیر کے ارادہ میں فنا ہو جائے اور اس کی خودی بالکل ختم ہو جائے مطیع محض ہو جائے تو ایسے آدمی کو اجازہ انتحار ملتا ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ جناب سیّد زادہ ہاشمی بہار علی شاہ کے خصوصیات شمار کراتے ہوئے لکھتے ہیں: مریدوں کے بارے میں بہت سخت تھے۔ انہیں بہت زیادہ نیکیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کی تاکید کرتے تھے! دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حاجی مستور علی شاہ کو دیں ان کے حکم کی مکرر در مکرر خلاف ورزی کرتے ہیں اور سہل انگاری سے فرمان کی تعمیل میں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ بہار علی شاہ کے حکم کی تعمیل کیلئے وقت باقی نہیں بچتا ہے؟ پھر ایسے نافرمان اور بے اعتنا شخص کو بہار علی شاہ ایسے سخت آدمی نے کیسے جانشین معین کر دیا؟!

یہ مسلم ہے کہ مستور علی شاہ حاج بہار کے مشائخ مجاز میں سے ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ رئیس فرقہ کے انتقال سے مجازین کے اجازات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ہے مگر یہ کہ صاحب اجازہ بعد والے پیر اور فرقہ کے رئیس سے تجدید پیمان کرے ممکن ہے کہ اس سے اس کے اجازہ کی تائید ہو جائے۔

۱، شرح مناقب محی الدین عربی مقالہ محمد طاہر سیدزادہ ہاشمی ص ۲۳ ۲، بیوگرافی ہزار درویش ص ۴۵

حاج مستور علی کی توبہ

جیسا کہ قرائن سے سمجھ میں آتا ہے کہ مستور علی شاہ نے حاجی بہار علی شاہ کے بعد اپنے رئیس ہونے کا دعویٰ کیا تھا، جس سے سید زادہ ہاشمی جیسوں نے انہیں بہار علی کا خلیفہ مطلق سمجھ لیا اور خاجی میر طاہر نے بھی حاجی مطہر کی تکفیر کے بعد خود کو حوادث سے بچانے کے لئے اور شہرت دینے کے لئے لیکن حاج مطہر کی شہرت و اقتدار اور حیثیت نے حاجی مستور کو ایسے دعوے کی اجازت نہیں دی ہے۔ کیونکہ جب ان کی باطل تحریک ناکام ہو گئی تو انہوں نے درج ذیل نامہ لکھا اور حاج مطہر کی خدمت میں پیش کیا۔

توبہ نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد و آلہ الطاھرین۔

یہ حقیر و فقیر سراپا تقصیر بتاریخ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ ق مطابق ۱۹۱۷ء عہد کرتا ہے کہ سلسلۂ جلیلہ جلالی خاکسار کا خصوصاً رشتہ غلام علی شاہی کا۔

مرید ہے کہ جس کے رئیس اس وقت قدوۃ المحققین[1] جناب حاج مطہر علی شاہ ہیں، از سر نو میں اپنے پہلے عہد کی تجدید کرتا ہوں، امید ہے کہ خدمت وعبادت اور اس مسلک پر چلنے کی توفیق میرے شامل حال ہوگی۔ واللّٰہ ولی التوفیق اللّٰہ جعل الارشاد علی جمیع العباد۔ حاج مستور علی درویش۔ اس بات کی تصریح کردوں کہ اطاعت سے سرکشی نہیں کروں گا۔

نعمت اللٰہیہ سے تجدید عہد مستور خاکسار سے قطع تعلق کرتے ہیں اور فرقۂ خاکسار سے ہر قسم کا رشتہ توڑ لیتے ہیں اور فرقۂ نعمت اللٰہیہ سے تجدید عہد کرتے ہیں۔ جناب سلطان حسین تابندہ، رضا علی شاہ لکھتے ہیں: جمعہ کے دن دوپہر کے کھانے پر ہم جناب فرہنگ صاحب کے گھر بغداد میں مدعو تھے ہم وہاں پہنچے تو وہاں درویش مستور موجود تھے جو کہ پہلے سلسلۂ خاکساریہ سے متعلق تھے، اور بعد میں سلسلۂ نعمت اللٰہیہ سے ملحق ہو گئے تھے۔ اس سے پہلی شب میں ہماری خواہش پر ہمارے گھر بھی تشریف لائے تھے، ظہر کے بعد تین گھنٹے تک تقریباً ہم وہاں تھے![2]

اس تفصیل کے بعد، فرقۂ خاکسار سے مستور علی شاہ کے اتصال کے دعوے کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ہے۔

---

(1) تعجب ہے کہ ایک جاہل آدمی کو قدوۃ المحققین کا لقب دیا ہے (2) یادداشتہای سفر بہ ممالک عربی طبع حیدری ۳۰ سن طباعت ۱۳۵۳۔

میر طاہر اور مستور کا ربط

میر طاہر کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مستور علی شاہ کی وفات کے بعد ان کے جانشین منسوب ہوئے ہیں، اور فرقۂ خاکسار میں ان کے اجازہ کا سلسلہ مستور علی کے واسطہ سے حاج بہار علی تک پہونچتا ہے، یہ دعویٰ چند دلیلوں سے باطل ہے۔ حاج مظہر کے واسطہ کے بغیر مستور فرقۂ خاکسار سے منسوب نہیں ہوسکتے ہیں۔

الف : چونکہ مستور علی نے بہ نفس نفیس توبہ نامہ لکھا ہے اور حاج مظہر سے توبہ کی ہے مریدی میں کسی قسم کی سرکشی نہیں کریں گے نیز تصریح کی ہے کہ "اطاعت سے سرکشی نہیں کروں گا" اگر بہ فرض موصوف نے بعض لوگوں کو اجازے دیئے بھی ہوں گے تو ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ب : حاج مستور علی نے فرقۂ نعمت اللّٰہیہ سے تجدید عہد کیا اور اس تجدید عہد سے پہلے۔ شیخ یعنی بہار علی شاہ اور پہلے فرقہ یعنی خاکسار سے ربط و ضبط ختم ہوگیا تو ان کے فرقہ کے اعتبار سے جو مراتب تھے وہ ختم ہوگئے اور ان کے پاس جو اجازہ تھا وہ بھی باطل ہوگیا۔

ج : اس کے علاوہ مستور صاحب سے سروش محبت علی شاہ اور خوشحال صاحب نے میر طاہر اور مظہر علی شاہ کے تعلقات و روابط کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنے پیر مظہر کے اس قول سے استفادہ کیا کہ ایک مرتبہ حرم شاہِ اولیاء میں میر طاہر نے ملاقات کی تھی، یہ معمولی ملاقات تھی کہ جسکی تصوف خصوصاً خاکسار میں کوئی اہمیت و حیثیت نہیں ہے۔ اسمیں تو مرید کو مدتوں مشغول رہنا پڑتا ہے۔

حاجی میر طاہر نے اپنی ریاست کے دعوے کے بعد جانشینیٔ مستور علی شاہ کے عنوان سے ایک پوسٹر نکالا جس میں مرقوم ہے۔

حضرت رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کے زمانہ میں جن لوگوں نے حجۃ الوداع یعنی غدیر خم میں بیعت کی تھی۔ خوارج ہوگئے علیؑ کو خانہ نشین کر دیا، بیعت توڑ دی، آج تاریخ ہمیشہ کی طرح اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

سید حسین جابری نے فرقہ خاکسار کے خلاف ایک کتاب "ارمغان" کے نام سے لکھکر طبع کرائی ہے اور کمال بے حیائی سے بے خبر لوگوں میں تقسیم کرائی ہے۔ اور خود کو مستور کا جانشین ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد خود کو عمار العارفین کے نام سے شہرت دی اور اپنے کو بہار علی شاہ کا جانشین قرار دیا، اور جو پیری دست بدست چلی آرہی تھی اس کو نسبت نامہ سے حذف کر دیا، اور جانشینی کا دعویٰ کر دیا ہے۔ میں نے تقریباً ۵۰ سال پیر کی خدمت کی ہے۔

اور باطنی طور پر اب بھی ان کی خدمت میں ہوں، مجھ سے قدیم کوئی نہیں ہے اور جو لوگ موجود تھے وہ جانتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ حاج بہار علی شاہ نے ۱۳۱۰ھ میں انتقال کیا تھا اور ۱۳۱۴ھ میں رضا خیاط عرف مستوط، کو میں حاج مظہر کی خدمت میں لے گیا۔ میں نہیں جانتا کہ جناب سید حسین جابری نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ حاج بہار کے خرقہ پوش ہیں۔ اور پھر سید حسین جابری ۱۳۴۱ھ میں ایک شب میں آئے میر دستوری نے معمولی تکلفات کے بعد معلوم کیا: کیوں آئے ہو؟ کہا: آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوں، اور ایک کام ہے میں نے کہا کیا کام ہے؟ مجمع لگانے کی قسم دی! میں نے کہا کیا کروں جو شرع و عرف کے خلاف نہ ہو؟

مجھے کرمانشاہ آنے کی دعوت دی ۲۱ر رمضان تھی اور کہا مجھے حاج مظہر نے نکال دیا ہے اور چونکہ آپ درویش و تہران کے رسمی شیخ ہیں اور خانقاہ کی دلیل اور ان کے حضوری شیخ ہیں۔ لہٰذا میری مدد کیجئے دو بچے اور بیوی کا خرچ ہے کچھ لوگوں سے میرا تعارف کرا دیجئے اور بعد میں خیانت نہ کرنا پیر کی خدمت میں لے چلئے اور توبہ کرا دیجئے، میں نے کہا: میں آؤں گا، لیکن بعد میں خیانت نہ کرنا، انہوں نے قرآن بیچ میں رکھ کر کہا: میں خیانت نہیں کروں گا، مجھے یقین آگیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد انہوں نے دعویٰ کر دیا جب انکے ساتھ کچھ لوگ جمع ہو گئے، کمال بے شرمی سے قرآن سے پیٹھ پھیر لی۔

اور ڈھونگ رچایا کہ میں فقیر خاکسار کا سلسلہ ہوں، یہاں تک کہ میں نارمک میں حسین کے گھر میں ان پر اعتراض کیا۔ اور دوستانہ طریقہ سے نصیحت کی کہ خدا کو دھوکہ نہ دو، لیکن انہوں نے مجھے الٹی دھمکی دی تو میں ان سے جدا ہو گیا اور رات کے وقت خانقاہ تہران میں حضرت خیر الحاج مظہر علی شاہ کے پاس گیا، وہ میرے اور فقراءِ خاکسار کے پیر تھے۔ انہیں حالات سے آگاہ کیا۔ کہنے لگا وہ روٹی چاہتے تھے۔ عراق میں انہوں نے لیسے بہت کام کئے کمیونسٹ لوگ ان کے پیچھے تھے۔ میں نے انہیں موت سے نجات دلائی، اور انہیں ایران بھیجا، کچھ سرمایہ انہیں دیا تاکہ ایران میں ہماری بے عزتی نہ کریں، تجارت کریں، اس لئے ۳۰ سال قبل ستر ہزار تومان کرمان میں عباس نیر بینا کے ذریعہ، دو ٹرک چاول اور جناب کم گویان کے وسیلہ سے کافی مقدار میں دیسی گھی دیا گیا۔ لیکن انہوں نے تھوڑی ہی مدت میں اسے خرد برد کر دیا اور قرض میں مجھے پھنسا دیا اب اس راستہ سے آئے ہیں، ہر زمانہ میں کچھ ابن ملجم ہوتے ہیں، جو لباس میں خنجر چھپائے رکھتے ہیں، لیکن کا جواب نہیں دے سکتے: فرمایا جو بھی اس کے نقش قدم پر چلے گا وہ راہ مولا سے ہٹ جائے گا۔ اور ہم سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔

میں فقراء اور ان لوگوں کو آگاہ کر رہا ہوں جو منصب و ثروت کے لالچی نہیں ہیں کہ لیسے لوگوں کے جال میں نہ پھنسیں بعد میں کوئی نہ کہے کہ تم جانتے تھے! کیوں خاموش رہے؟ اصل مجرم تم ہو۔

اہم بات یہ ہے کہ حاج مطہر علی شاہ کی جانشینی اور خلافت کا اجازہ حاج مستور علی کے خط میں تھا اور اس نوشتہ پر ربیع الاولیاء بہار علی کے دستخط اور مہر تھے!

پھر یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ مستور علی خلافت مطلقہ پر فائز تھے۔ ثانیاً مطہر علی کا اجازہ لکھنے کے بعد کیا مستور علی جانشینی کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟!

فرقۂ معروفیہ

صوفیوں کا خیال ہے کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ نے کرخی [1] کو ایک فرقہ بنانے کی اجازت مرحمت کی تھی [2] مدتوں بعد فرقۂ نعمت اللّٰہیہ ذہبیہ اغتشاشیہ کے سید عبداللہ برزش [3] کی طرف منسوب ہوا اور قادریہ کے شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف [4] اور شاذلیہ کے شیخ ابو الحسن شاذلی کی طرف منسوب ہوا [5]۔

صاحب تذکرۃ الاولیاء لکھتے ہیں:

معروف کرخی کون؟

داؤد طائی روٹی کھا رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک نصرانی گذرا انہوں نے ایک ٹکڑا اسے دیدیا، اس نے کھا لیا، رات کو اس نصرانی نے اپنی زوجہ سے ہمبستری کی اور معروف وجود میں آگئے [6]۔

۱۔ ابو محفوظ ابن فیروزان یا فیروز نام کا ایک شخص ہے ۲۔ ولایت نامہ تالیف ملا سلطان گنا آبادی ص ۲۴۳ ۳۔ تحفۃ الوجود ص ۱۱ ۴۔ قلائد الجواہر، شیخ محمد بن یحییٰ ص ۷ ۵۔ الجزائر کے ایک عارف ۶۔ تذکرۃ الاولیاء طبع دنیائے کتاب ص ۲۲۲۔

ابو محفوظ معروف ابن فیروزان[1]۔ یا فیروز[2] یا علی اہل کرخ[3] میں سے ایک تھے[5] بعد میں مسلمان ہو گئے تھے[6]۔ صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ معروف کو علی بن موسیٰ الرضاؑ نے مسلمان کیا تھا[7]، اور توبہ کے بعد آپؑ کے دربان ہو گئے تھے[8]۔ انتقال کے بارے میں جناب محمد سلطان گن آبادی لکھتے ہیں: ۲۰۰ھ ق خراسان کی ایک شیعوں کی جماعت امام رضاؑ کی زیارت کے لئے آپؑ کے دروازہ پر آئی شرفیابی کی اجازت کے بعد شوق دیدار میں اژدھام کی صورت میں وہ لوگ آگے بڑھے۔ جناب معروف اس زمانہ میں بوڑھے ہو چکے تھے، دروازہ پر کھڑے تھے اژدھام میں پھنس گئے۔ جس سے ان کے پہلو کی ہڈی ٹوٹ گئی جس سے وہ زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے بغداد میں ان کا مدفن ہے[9]

تاریخی تجزیہ

معروف کرخی کے بارے میں جو مطالب قلم بند کئے ہیں ان کا تاریخی تجزیہ خاص اہمیت کا حامل ہے اور یہ کام دقت نظر اور ہر قسم کے تعصب سے الگ ہٹ کر انجام پانا چاہیئے۔

---

(۱) الانساب ص ۴۸۹ (۲) تحفۂ عباسی مؤذن خراسانی ذہبی ص ۱۰۴ (۳) روضات الجنات وجنات الجنان ج ۲ ص ۲۳۶ (۴) معجم البلدان ج ۴ ص ۴۵۵ (۵) لواقح شعرانی ج ۱ ص ۸۴ (۶) شرح تجرید الاعتقاد ص ۲۴۹ (۷) مراۃ الجنان ج ۱ ص ۴۶۱ (۸) نابغہ علم و عرفان مولفہ سلطان گن آبادی ص ۶۰ (۹) رہبران طریقت ص ۱۳۰۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ گڑھے ہوئے افسانے ہیں اور صوفیوں کی تحریر کے علاوہ ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ امام رضاؑ اپنی پوری زندگی میں کبھی بغداد تشریف نہیں لے گئے۔ پہلے مدینہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ زندگی بسر کی اور ۲۰۰ھ ق تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اور پھر مامون اور اس کے افراد کی درخواست پر مدینہ سے خراسان تشریف لے گئے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ آپؑ نے مدینہ سے ایران کی طرف کوچ کیا تھا، بغداد سے نہیں۔ اور صوفیوں کی تحریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معروف نے بھی آخری عمر تک بغداد نہیں چھوڑا اور ۲۰۰ھ ق و ۲۰۱ھ کے درمیان موصوف نے وہیں انتقال کیا ہے۔

اس اہم نکتہ کو ادھر کچھ صاحبان قلم نے درک کر لیا ہے اور اس کی تحقیق و تجزیہ میں مشغول ہو گئے ہیں۔ صوفیوں کی کتب کے علاوہ یہ چیزیں ہمیں کسی اسلامی شیعی و اسلامی منابع میں نہیں ملتی ہے۔

معروف کرخی کی دربانی اور اسلام کا افسانہ

معروف کے اسلام لانے اور ان کی دربانی کی داستان پہلی بار ابو عبد الرحمٰن سلمی نیشاپوری متوفی ۴۱۲ھ ق نے بغیر کسی مدرک و ماخذ کے اس طرح لکھی تھی:

وہ علی بن موسیٰ الرضاؑ کے ہاتھوں پر اسلام لائے اور بعد میں

آپؑ کے دربان مقرر ہوئے! ابو عبد الرحمٰن کے بعد اس حکایت نے صوفیوں کے مکتب میں راہ پائی ہے اور پھر ہر ایک اس میں جملہ یا کلمہ کا اضافہ کرتا رہا، یہاں تک ابو القاسم قشیری نے ایک داستان گڑھی اور عبد الرحمٰن سلمی کی بات کو اسطرح پیش کیا:

معروف کو بچپنے میں ایک معلم کے سپرد کیا گیا معلم نے ان سے کہا: کہو تین! انہوں نے کہا بلکہ وہ ایک ہے۔ ایک دن معلم نے انہیں بہت مارا جس سے وہ فرار ہو گئے۔ والدین کہتے تھے کاش وہ پلٹ آتے، خواہ کسی بھی مذہب کو اختیار کرتے پھر ہم ان سے موافقت کر لیتے اسی اثنا میں وہ علی بن موسیٰ الرضاؑ کے ہاتھوں پر اسلام لے آئے اور اپنے گھر لوٹ آئے، دروازہ کھٹکھٹایا۔ والدین نے معلوم کیا: کون سا مذہب اختیار کر کے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں دین حنیفی پر ہوں یہ سن کر ماں باپ بھی مسلمان ہو گئے[2]

بعد والی تحریروں میں دین حنیف ہے۔ اس داستان میں اسی طرح اضافہ ہوتا رہا یہاں تک معروف کو ان کے انتقال کے بعد معتقدین نے خواب میں دیکھا کسی سے کہا تھا، جب میں نے سماک کے بیٹے کا وعظ سنا تھا تو اسوقت اسکی بات میرے دل میں بیٹھ گئی تھی اور میں خدا کی طرف بڑھ گیا تھا اور جس میں تھا اسے چھوڑ کر اپنے مولا علی بن موسیٰ الرضاؑ کی خدمت میں چلا گیا[3]

---

(1) طبقات الصوفیہ طبع قاہرہ ص ۸۵ (2) رسالہ قشیریہ ص ۱۰ سطر ۲۲ تا ۲۸ (3) صفۃ الصفوۃ ۲/۳۱۸

معروف کے اسلام کا راوی

پہلی دفعہ معروف کرخی کے اسلام کے افسانہ کو ابو عبد الرحمٰن سلمی نے نقل کیا ہے اسی زمانہ سے معروف بحیثیت طور پر پیش کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جانے لگا، جیسا کہ دانشمند محترم جناب صدوقی نے جناب نور الدین شریبہ محقق طبقات الصوفیہ سے اور ابو عبد الرحمٰن سلمی کے معاصر محمد بن قطان سے نقل کیا ہے: ابو عبد الرحمٰن ثقہ نہیں تھے صوفیوں کے لئے احادیث گڑھتے تھے۔ طبقات صوفیہ کی قدح ہے کہ وہ ثقہ نہیں تھے، کہ انہوں نے پہلی دفعہ کرخی کے اسلام کا افسانہ پیش کیا ہے لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ابن جوزی نے

معروف کی دربانی کی حکایت

نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کے ہاتھ پر معروف کی اسلام آوری کی داستان کو پہلی دفعہ ابو عبد الرحمٰن سلمی نے نقل کیا ہے!

۱۰۔ مناقب ص ۱۸۱۔

اور پھر صوفیوں نے، خصوصاً متاخرین میں سے اس گروہ نے جو کہ اسلامی خصوصاً شیعی محققین کے علمی حملوں کی تاب نہیں لا سکا تھا۔ ایسے افسانہ ساز کے قول سے استناد کیا اور اپنے آثار میں اس سے تمسک کیا۔

پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ معروف کی دربانی بھی ان کے اسلام کی مانند گڑھی گئی ہے، صوفیوں کی کتب میں عبدالرحمٰن کی بے بنیاد اختراعات موجود ہیں۔ اس کے بعد درج ذیل نکات پر مکمل طور پر توجہ کرنی چاہیئے۔

الف : یہ جو کہتے ہیں کہ معروف بچپنے میں علی بن موسیٰ الرضاؑ کے ہاتھوں پر اسلام لائے تھے، اور اسی زمانے میں آپؑ کے دربان ہو گئے تھے۔ بچپنا اور دربانی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ اگر امام بغداد تشریف لے گئے ہوتے اور وہاں ایک روز سے زیادہ قیام نہ کیا ہوتا، اور وہاں سے ایران کے لئے روانہ ہوتے تو ممکن تھا، لیکن اگر یہ ملاقات مدینہ میں ہوئی تھی تو صوفیوں میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ معروف کرخی مدینہ گئے ہیں اور اگر ایران میں معروف نے دربانی کی ہوتی تو یہ بات بعید از عقل نظر آتی ہے کہ مامون کے ولیعہد کا دربان تین یا چار یا پانچ یا دس سال کا بچہ ہو۔

ب : واضح رہے کہ تاریخ میں معروف کے انتقال کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ انہوں نے ۲۰۰ھ یا ۲۰۱ھ میں انتقال کیا ہے۔

جبکہ طبری[1] کے بقول امام رضا کیلئے ایران کا سفر اور اس کے ساتھ ولیعہدی کا مسئلہ ۲۰۱ھ میں پیش آیا تھا۔ اور طبری ہی کے بقول امام نے ایک روز بغداد میں قیام کیا تھا تو یہ توقف اس سال کیا تھا جس سال معروف کا انتقال ہوا تھا لہٰذا دربانی کا مسئلہ گڑھا ہوا ہے۔

ج : واضح رہے کہ بعض لوگوں نے معروف کرخی کو امام موسیٰ کاظمؑ کا دربان جانا ہے۔ جیسا کہ شاہ نعمت اللہ ولی نے اپنے سلسلے کے بارے میں کہا ہے۔

باز شیخ سری بود معلوم | چون سری سراو بود مکشوف
اوز مولا جواز احسان یافت | کفر بگذشت نور ایمان یافت
یافت در خدمت امام مجال | بود دربان در گہش دہ سال[2]

اس صورت میں معروف کرخی کی دربانی کا مسئلہ منتفی ہو جاتا ہے۔ اس کو صوفیوں نے فروغ دیا ہے اس کے موجد صوفی عبدالرحمٰن سلمی ہیں۔ علمائے اسلام کی مخالفتوں کی بنا پر صوفیوں نے اپنے اثباتِ مدعیٰ کے لئے اسرائیلیات اور جعلیات کو اختیار کیا ہے۔

مشہور مشابہ اسماء سے استفادہ

تصوف نے صوفیانہ مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انتخاب شدہ طریقوں میں سے ایک مشابہ

۱، ترجمہ تاریخ طبری ج ۱۳ ص ۵۹ ،۲، طرائق الحقائق ج ۲ ص ۴۵۸۔

ہمارے کے افراد سے استفادہ کیا ہے، اس سے وہ بے قیمت کو باقیمت بنا سکتے ہیں۔ اگر گذشتہ بحثوں کی طرف اشارہ قاری کو تاریخ کی بھول بھلیوں میں سرگرداں کرتا ہے تو ہمارے زمانہ میں ایک نمونہ ایسا ہو سکتا ہے جو ہماری فکر کی دلیل قرار پا سکتا ہے۔

فرقۂ اویسیہ نے، جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، نجم الدین کبریٰ سے خود کو منسوب کرنے کیلئے ایسا ہی کیا ہے، انہوں نے روزبہان وزان مصری اور روزبہان بقلی شیرازی سے استفادہ کیا ہے روزبہان وزان مصری نجم الدین کبریٰ کے استاد اور خسر تھے اور صوفیوں نے نجم الدین کے ہمعصر روزبہان بقلی شیرازی کو ایک ہی جانا ہے۔ جبکہ موخر الذکر نے روزبہان وزان مصری کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ تاکہ اپنے کے لئے سند تیار کر سکیں، اسی طرح معروف کرخی کے بارے میں بھی تشابہ اسمی سے دو جگہ فائدہ اٹھایا ہے جو کہ اہمیت کا حامل ہے۔

الف : پہلا مسئلہ حضرت علی بن موسی الرضاؑ کی دربانی کا ہے اس بے بنیاد مطلب میں بھی انہوں نے دو معروف، تشابہ اسمی سے استفادہ کیا ہے تاکہ معروف بن فیروزان کرخی کے دربانی کے مسئلہ کو پیش کر سکیں کہ اس طرح وہ تاریخ کے مسلمات میں محسوب ہونے لگا۔

ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس حساس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں : رضاؑ کا ایک حاجب۔ دربان تھا جس کا نام معروف تھا۔ ایک عراقی زاہد کا نام بھی معروف تھا ! حوالہ اگلے صفحہ پر۔

ب : ماضی قریب میں تشابہ اسمی سے استفادہ کے موضوع پر اسلامی محققین نے قلم اٹھایا ہے اور معروف کرخی کے علی بن موسیٰ الرضاؑ سے ارتباط کی تحقیق کے نتیجہ کو ضبط تحریر میں لاکر معاشرہ کے حق جو افراد کے اختیار میں دیدیا ہے اور محققانہ دلیلیں قائم کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ معروف کرخی کے اسلام اور دربانی کا سلسلہ صوفیوں کی دل سوزانہ اختراعات میں سے ایک ہے جب اسلامی محقق کی ایک جماعت کی تحقیق کا نتیجہ منظر عام پر آیا تو صوفیوں کو اس کے جواب کی فکر لاحق ہوئی اور محققین کی تحقیق کو رد کرنے کے سلسلہ میں دوبارہ ”معروف“ کے اسمی تشابہ کو پیش کیا کہ رجال شیعہ میں یہ بات موجود ہے اور امام صادقؑ کے عظیم صحابی معروف بن خربوز[1] سے استفادہ کیا ہے۔

محقق خبیر جناب عبداللہ احمد جبوری کے بقول معروف بن خربوز کرخی شیعہ رجال میں ہیں۔ صوفیوں نے ان دونوں کو خلط ملط کر کے[2] امام صادقؑ کے صحابی معروف بن خربوز اور معروف بن فیروزان کرخی، کے تشابہ اسمی سے استفادہ کرکے اپنے مدعا کو ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد نتیجہ نکالتے ہیں: معروف بن خربوز جو کہ شیعہ تھے وہ غیر از معروف بن فیروزان کرخی ہیں[3]۔

---

(۱) مراجعات طبع دار النعمان نجف ص ۱۳ (۲) مناقب معروف کرخی و اخبارہ ص ۲۵ مقدمہ (۳) ایضاً ص ۲۵ و ۲۶۔

جناب سلطان تابندہ اس تشابہ اسمی سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شیخ معروف، حضرت صادقؑ و کاظمؑ اور رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت رضاؑ کی طرف سے ولایت کی طرف بلانے پر مامور تھے![1]

جبکہ صوفیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صوفی اور صوفیہ فرقہ کے بانی معروف کرخی ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵ کے سن میں امام رضاؑ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اس کے بعد ممکن نہیں ہے کہ معروف نے تین ائمہؑ کو درک کیا ہو۔ یہ بات انہوں نے معروف بن خربوذ کے نام سے استفادہ کر کے کہی ہے۔ فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے عقیدت مند ڈاکٹر احسان استخری لکھتے ہیں: رجال کشی میں معروف ابن خربوذ سے منجملہ حضرت ابو عبد اللہ کی روایات میں سے ایک ہیں اور اس کتاب میں رجال حدیث میں سے دو افراد اور کرخ کی طرف منسوب درج ہیں۔

اور یہ تینوں افراد شیخ المشائخ معروف کرخی کے علاوہ ہیں!

جناب استخری اپنی پوری تحقیق کے باوجود معروف بن فیروزان کرخی کے لئے اس موضوع پر کوئی سند فراہم نہیں کر سکے ہیں کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے کسی معصوم خصوصاً امام رضاؑ کو درک کیا ہے اگر موصوف کو ایسی کوئی چیز ملی ہوتی تو ضرور لکھتے۔

---

(۱) اصول تصوف ص ۸۸۔

سلسلہ سازی کا مقصد خلافت معصوم کا تسلسل

صوفیوں نے ان اہم اور تحقیق اعتراضات کو مد نظر رکھتے ہوئے، جو کہ معروف بن فیروزان کرخی کی زندگی کے مسلمات میں سے ہیں اولین صوفیوں کے ان اجازات سے استفادہ کرتے ہوئے جو صرف خیالات کی بنیاد پر اور غیر معتبر طریقوں سے تدوین پائے ہیں، تصوف کی تشکیلات کو سنوارا تاکہ سلسلہ سازی کے ذریعہ حیات انسان کی راہ میں اپنی حفاظت کر سکیں افسوس کہ ان چیزوں سے آج دشمنان اسلام خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

لیکن پھر انہیں اسرائیلیات میں۔ کہ جنہیں حقیقی اور تحقیقی رنگ دینے کی بہت کوشش کی ہے۔ ایسی جعلی چیزیں نظر آتی ہیں کہ جو سلسلہ سازی کے مسئلہ کو دشمنوں کی نظروں میں حقیقی اور حتمی ثابت کرتی ہیں بقول

مثلاً منوچہر ۲ صدوقی ابراہیم ادہم۔ جن کے بارے میں صوفی حضرات لکھتے ہیں:

---

(۱)، دور رسالہ در تاریخ جدید تصوف ایران ص ۲۲۔

کہ امام محمد باقرؑ کے زمانہ میں ابراہیم ادہم کے ذریعہ امام زین العابدینؑ کی اجازت سے ایک فرقہ وجود میں آیا ہے ان سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام محمد باقرؑ کی اطاعت کیوں نہیں کی۔ اپنا الگ راستہ کیوں اختیار کیا ابراہیم ادہم، معروف کرخی، یا بایزید بسطامی یا جنید بغدادی کے الگ راستہ اختیار کرنے اور اپنے زمانہ کے مفترض الطاعت امام کی اطاعت نہ کرنیکی صوفی کیا توجیہ کریں گے؟

اگرچہ جناب سلطان حسین تابندہ، رضا علی شاہ اور جناب علی تابندہ[1]، صاحب ایسے انتسابات کو ترتیبی قرار دیتے ہیں نہ کہ خلافت و وصایت، لیکن پھر بھی ہمارے سامنے ایسے اقوال آتے ہیں کہ جن سے صوفیوں کے ایسے مطالب کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایسے کلمات مصلحت کی بنا پر کہے جاتے ہیں جیسا کہ حسین کربلائی لکھتے ہیں: مخفی نہ رہے کہ ولایت علم باطن اور وراثت علم ظاہر اور امامت علم باطن و ظاہر اور وصایت سلسلہ باطن کی حفاظت اور خلافت سلسلۂ ظاہر کی حفاظت ہے اور حضرات معصومینؑ کو یہ مراتب باتمام و کمال رسولؐ اور اپنے آباء و اجداد سے ملے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے یہ مراتب کسی اولاد تک پہنچے ہیں، اسی کو امام، وصی، وارث اور خلیفہ کہتے ہیں۔

---

[1] ۔ خورشید تابندہ ص ۴۲۔

اسی طرح ان کے بعض محبوں اور دوستوں کو بھی ولایت یعنی علم باطن سے کچھ حصہ ملا ہے جیسا کہ شیخ معروف کو امام رضاؑ سے کچھ حصہ ملا ہے۔ اس طرح امامت ــ معاذ اللہ ـ دو اشخاص میں ایک معروف اور دوسرے امام محمد علی بن موسیٰ کے درمیان تقسیم ہو گئی! معاذ اللہ

ہم جانتے ہیں کہ امامیہ کے اعتقاد کے مبانی کے لحاظ سے اس قسم کے افکار باطل ہیں۔ اس مقدمہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بظاہر وہ جو کہتے اور لکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ہم اشارہ کر چکے ہیں اسکے برخلاف وہ صوفیوں کے پیروں کی شیخوخیت کو آئمہ معصومین ؑ کے شجرۂ طیبہ کے برابر رکھتے ہیں تاکہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں معصوم ؑ کی خلافت کو جاری رکھ سکیں۔ جیسا کہ ملا علی گنا آبادی کا عقیدہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات اور غیبت کے بعد جنید قطب قرار پائے، نواب اربعہ خلیفہ نہیں تھے بلکہ سفیر تھے دستگیری نہیں کرتے تھے۔ ۲ مشائخ خلافت کے مالک ہیں۔

۱۔ روضات الجنان وجنات الجنان ج ۲ ص ۱۷۲ و ۱۷۴ ،۲۔ صالحیہ ص ۳۴۸ ،۳۔ خاکسار و اہل حق ص ۳

سلسلہ سازی کی صورت

صوفیوں کے سربراہوں نے ایسی چیزیں گڑھیں جو کہ معتین طریقہ سے ائمہؑ تک پہونچتی ہیں، صوفی محققین کا نظریہ ہے کہ ہر سلسلہ کا طومار جو کہ معروف کرخی سے شروع ہوا ہے۔ علم ذکر ہے اور یہ علی بن موسی الرضاؑ سے حاصل ہوا ہے[1] ابوالمفاخر یحییٰ باخرزی اپنی استاد ملقین ذکر میں ذکر لکھتے ہیں۔

شیخ العالم، قطب الوقت، وسیلۃ الخلق، ابوالمعالی، سیف الحق والدین سعید بن المطہر باخرزی سے ذکر حاصل ہوا ہے اور انہوں نے شیخ شیوخ، نجم الحق والدین ابی الجناب احمد بن عمر الکبری قدس اللہ سے لیا تھا اور انہوں نے معروف کرخی[2] سے لیا تھا۔

جناب حسین بدرالدین لکھتے ہیں: میں نے کرسی نامہ، جو کہ علی بن موسی الرضاؑ کی صحبت کے بارے میں تھا دیکھا ہے، اس میں لکھا ہے:

---

[1] مقدمۂ جامع السلاسل قم ا۔ ج ا ص ۲ ۔ ۳ ۔ ۲ اوراد الاحباب ص ۲۷ و ۲۸۔

هذا نسبة صحبة علی بن موسی الرضا الملقب بالرضا صحبت والده موسیٰ الملقب بالکاظم وهو صحبت والده جعفر بن محمد، الملقب بالصادق ـ وهو صحبت والده الحسین بن علی الملقب شهید وهو صحبت جده رسول الله [1]

معروفیہ نعمت اللٰہیہ میں سے شیخ علاء الدین سمنانی [2] سید علی ہمدانی [3] معصوم علی شاہ نائب الصدر نے معروفیہ کے سربراہوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ معروف کرخی کی امام رضاؑ سے صحبت و ذکر کی اس نسبت کے اتصال کی بناء پر بعض تذکرہ نویسوں، جیسے صاحب جامع السلاسل اس نتیجہ پر پہنچے ہیں "جنید بغدادی سے حضرت مصطفیٰؐ تک صحبت کا سلسلہ ہے نہ کہ خرقہ کا" [4] نیز لکھتے ہیں: معروف کرخی سے جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ علم ذکر ہے جو کہ حضرت علی ابن موسیٰ رضاؑ سے لیا گیا ہے [5] جناب احمد فال فریدی لکھتے ہیں: حضرت ابوالقاسم جنید کا سلسلہ، رسولؐ سے صحبت کا سلسلہ ہے نہ کہ خرقۂ خلافت کا سلسلہ ہے [6] جبکہ خلافت و جانشینی کا فرمان [7] لکھنے کے سلسلہ میں صوفی سربراہ مصلحت کی بناء پر بظاہر یہ کہتے ہیں ہمارا تعلق معصوم کی خلافت سے نہیں ہے بلکہ یہ سلسلہ تزمیتی ہے، جیسا کہ اگلے زمانہ کے بڑے صوفیوں

---

[1] دو رسالہ عرفانی از نجم الکبریٰ ص ۹۰ [2] مجموعہ سخنرانی ہا و مقالہ ہا در بارۂ فلسفہ و عرفان اسلامی ص ۱۵۲ [3] رسالہ از امیر علی ہمدانی [4] جامع السلاسل قم ا ج ا ص ۳۰ [5] ایضاً [6] تذکرۂ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ص ۱۰۰ حاشیہ [7] دو رسالہ در تاریخ جدید تصوف ایران ص ۳۰۔

نے لکھا ہے جبکہ وہ خود کو معصوم امام کا خلیفہ و جانشین سمجھتے تھے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اسکی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

مرجعیت کی اہمیت سلسلہ سازی، یعنی صوفیانہ تشکیلات کو صورت بخشنے سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ صوفیوں نے حضرت بقیۃ اللہ الاعظم محمد بن الحسن روحی فداہ کے اس فرمان کہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں غیر مجتہد ،، روات حدیث ،، یعنی فقہائے امامیہ سے رجوع کرے ۔ کے مقابلہ میں منصوبہ بنایا کہ جس سے سیاسی رہبر اور فقہی مرجع یعنی فقیہ آل محمدؐ کی اہمیت گھٹتی ہے۔

فتنۂ ومہدویت نوعیہ ،، کی بنیاد ولایت قمریہ ، ایسے خیالی موضوع پر رکھی گئی ہے اور یہ سلسلہ سازی کی دلیل بن گیا ہے۔ یہ ایسا ہی فتنہ ہے جیسا کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا فتنہ تھا۔ چونکہ خلافت، امامت، نبوت اور امامت و حکومت ایک دوسرے سے جدا نہیں تھی اور ان میں تفکیک ہو گئی، نص کے مقابلہ میں بیعت کے سلسلہ میں شورش کی اور صوفیوں نے دین ظاہری باطنی کی فکر پیش کی۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونیوالی خیانت کی منصوبہ بندی رسولؐ کی رحلت سے دو سال قبل کعب الاحبار ایسے یہودی کے توسط سے ہو چکی تھی۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: وہ جھوٹا ہے! نہایت ہی خفیہ طریقے سے شورش کرنے والوں کو جمع کیا ہے تاکہ سیاسی قیادت اور فقہی مرجعیت

میں تفکیک پیدا کردیں۔ چنانچہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ غدیر خم کے خلاف شورش کرنیوالوں نے حکم خدا کی پرواہ نہ کی ہر چند بہت سے علمی سوالات کے جوابات دینے سے عاجز رہے ہیں اور مقصد کے تحت انہیں علیؑ مرتضیٰ ؑ سے حل کراتے تھے کہ جس سے سیاسی قیادت اور فقہی مرجعیت میں عملی صورت میں تفکیک ڈال رہے تھے۔

دوسرے مرحلہ میں دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں "ابو ہاشم کوفی" نصرانی شہزادہ سے ملاقات کرتا ہے اور وہ ابو ہاشم کے لئے رملہ شام میں خانقاہ تعمیر کراتا ہے جس سے ظاہر و باطن دین کی فکر وجود میں آگئی، صوفیوں نے خود کو کہ جنکے پاس اسلام نام کی کوئی چیز نہیں تھی عالم باطن کا حاکم اور اسلام کی علمی شخصیتوں کو علم ظاہر کے عنوان سے مشہور کیا۔

اسی زمانہ میں انہوں نے "معروف بن فیروزان کرخی" کو امام محمد تقی کے پاس قرار دیا۔ یعنی معروف کرخی کی شیخوخیت امام محمد تقی کے رتبۂ امامت کے برابر آگئی اور غیبت کبریٰ کے زمانہ میں فائدہ اٹھانے کا راستہ ہموار ہوگیا۔ جناب علی تابندہ لکھتے ہیں: اہم ترین بات یہ ہے کہ شیخ المشائخ معروف کرخی امامؑ کے ظاہری و باطنی دربان تھے۔

حجۃ بن الحسن ؑ کی غیبت کبریٰ کے زمانہ میں فقہائے امامیہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم صادر ہوا۔

فقہی مرجع احکام شرعی میں مہارت رکھتا ہے۔ یعنی خدا کے ظاہری احکام کو پڑھتے ہیں، فیض حاصل کرتے ہیں، لیکن احکام کے، باطن سے صوفی واقف ہوتے ہیں اس پر وہ بیعت لیتے ہیں ایسے ہی جیسے سقیفہ میں بیعت لی گئی تھی۔

اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ سقیفہ میں شورش کرنے والوں نے خدا کی نص صریح کو بیعت پر قربان کیا تھا اور غیبت کبریٰ کے ابتدائی زمانہ میں بھی فرمانِ امامؑ کو۔ جو کہ نص صریح کا حکم رکھتا ہے۔ بھی صوفیوں کی اختراعی بیعت پر قربان کیا گیا ہے۔ جبکہ امامت اور اس سے متعلقہ امور و نص،، سے مربوط ہیں نہ کہ بیعت سے، یعنی جس طرح سے لوگوں کے لئے پیغمبر کو خدا معین کرتا ہے اسی طرح امامؑ کو بھی خدا یا رسولؐ یا اس سے پہلے جو امامؑ ہے وہ معین کرتا ہے۔ یعنی خدا اور رسولؐ اور امامؑ کا یہ انتخاب، تمام لوگوں کے انتخاب پر ہمیشہ مقدم رہے گا۔ حق تو یہ ہے کہ لوگوں کو انتخاب کا حق ہی نہیں ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ خدا کے منتخب کردہ امامؑ کی کوئی بیعت کرے یا نہ کرے۔

اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جن مواقع پر رسولؐ یا امامؑ نے لوگوں سے بیعت لی ہے وہ اسلئے نہیں تھی کہ دو چیزوں پر قائم و ثابت ہے۔ ایک خدا کی طرف سے معین و منصوص ہونا ہے، اور دوسرے لوگوں کا بیعت کرنا۔ بلکہ بیعت پیغام رسانی کا ہی دوسرا نام ہے۔ مثلاً رسولؐ نے فرمایا:

صوفیوں کو بظاہر اسکا دعویٰ نہیں ہے، جنید بغدادی کو اول الاقطاب کہتے ہیں [1] اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اسی فریضہ کو انجام دیتے ہیں، جس کو غیبت صغریٰ کے زمانہ میں نواب اربعہ انجام دیتے اور امت وامام کے درمیان واسطہ تھے۔ چنانچہ ملا علی گن آبادی لکھتے ہیں: اورباب اصفہان میں جو شخص چاہے حضرت قائم کو عریضہ لکھے اور اپنی حاجت طلب کرے، لکھے اور دیوار کے پیچھے سے مخصوص پانی میں ڈال دے، جنید تک پہونچائے اس کی حاجت پوری ہو گی کیونکہ جنید تک پہونچائے [2]

اس طرح انہوں نے اسلام میں دو جگہ خدا، رسول اور امام کے ارادہ کے خلاف عمل کیا ہے۔ ۱۔ حضرت ختمی مرتبت کی رحلت کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں، خدا کے غدیر والے ارادہ کے خلاف شورش کی، اور اس رہبر ومرجع ـ علی مرتضیٰ ـ کو چھوڑ کر ـ ۱۸ ذی الحجہ کو جو کہ حکم خدا سے رسول کے خلیفہ ووصی مقرر ہوئے تھے ـ خلافت الٰہیہ میں تحریف کی اور مفضول یعنی ابوبکر کو معاشرہ کا سیاسی رہبر تسلیم کر کے خدا کے برگزیدہ، علی بن ابی طالب پر ترجیح دی۔

غیبت کبریٰ کے زمانہ میں پھر اسی عمل کی تجدید ہوتی ہے صوفی حضرات، حضرت بقیۃ اللہ الاعظم کے فرمان کے برخلاف کہتے ہیں

---

[1] رہبران طریقت از سلطان گن آبادی ص ۱۳۸ [2] صالحیہ ص ۳۴۸۔

لوگو! میں خدا کی طرف سے رسولؐ ہوں آؤ میری بیعت کرو؟!

ایسا نہیں تھا، لوگ آتے اور پیغمبرؐ کی بیعت کرتے تھے، خدا کی طرف سے آنے والے پیغمبر کی رسالت پر بھی خدشہ وارد ہوتا تھا۔ کبھی قوامت میں سے ایک یا چند افراد ہی بیعت کرتے تھے، درحقیقت بیعت اور اجماع سے امر ولایت و امامت میں کوئی خدشہ وارد نہیں ہوتا ہے اور نہ اس سے کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے۔

بہرحال خدا نے اس وقت تک اپنے پیغمبر کو دنیا سے نہیں اٹھایا جبتک کہ ان کے لئے ان کے دین کو کامل نہیں کیا اور علیؑ کو انکا خلیفہ مقرر نہیں کیا

خدا نے حضرت حجۃ بن الحسن العسکری روحی فداہ کے لئے اس وقت تک غیبت کبریٰ کا تعین نہیں کیا جبتک کہ امت کی ضرورت کو پورا کرنے والے رواتِ احادیث۔ یعنی فقہائے آل محمدؐ مقرر و معین نہ کئے۔ انہیں لوگوں پر حجت، اور خود کو ان پر خدا کی حجت قرار دیا تاکہ وہ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں اور حریم خدا کی حفاظت کریں۔

معروفیہ میں قطع اتصال سلسلہ سازی کرنیوالوں نے جان بوجھ کر یا غفلت کی وجہ سے کچھ حقائق سے چشم پوشی کی ہے اور اس چیز کی پروا نہیں کی ہے جو کہ معروفیوں کے رؤسا و سربراہوں میں اتصال کے انقطاع کا باعث ہوتی ہیں۔ جبکہ یہ فراموش شدہ چیزیں بہت زیادہ اہمیت کی

حامل ہیں کہ ان سے بہت سے حقائق آشکار ہوتے ہیں اور یہ خانقاہوں کی سندوں کو بے اعتبار قرار دیتی ہیں، معروفیہ میں انشعابات کے وجود میں آنے سے قبل جو انقطاع ہوئے ہیں ہم انکی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نعمت اللّٰہیہ، ذہبیہ، اغتشاشیہ، شاذلیہ اور قادریوں کا معنعن شجرہ صحیح طریقے سے صاحبِ ولایت عظمیٰ معصوم تک نہیں پہونچتا ہے۔

پہلا انقطاع: ہم کہہ چکے ہیں کہ معروف کرخی کی امام رضاؑ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس سلسلے میں ان کی دلیلیں بھی نقل کی ہیں۔

دوسرا انقطاع: معروف کرخی نے سنہ ۲۰۱ یا ۲۰۰ میں انتقال کیا استاد جلال ہمائی کہتے ہیں: تمام صوفی محققین کا اتفاق ہے کہ منصبِ قطبیت اور مقامِ خلافت پہلے قطب کی زندگی میں بعد والے قطب کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا![1]

تیسرا انقطاع: جنید بغدادی کے زمانہ میں ہوا تھا یہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ خواجہ عبد اللہ انصاریؒ، عبد الرحمٰن جامیؒ، حافظ حسین کربلائی[2] لکھتے ہیں جنید بغدادی کہتے ہیں: لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں سرسقطی کا شاگرد ہوں جبکہ میں محمد بن علی قصاب کا شاگرد ہوں۔

---

۱ مصباح الہدایۃ مفتاح الکفایۃ ص ۳۰ مقدمہ ۲ طبقات الصوفیہ تصحیح ڈاکٹر مولائی ص ۲۱۵ ۳ نفحات الانس ص ۸۲ ۴ روضات الجنان و جنات الجنان ج ۲ ص ۳۵۶۔

معروفیہ میں حسن بصری

ابو سعید حسن بن ابی الحسن یسار[1] بصری کے والد میسان کے اسیروں میں سے تھے، زید بن ثابت انصاری[2] یا انصار میں سے کسی عورت نے[3] انہیں آزاد کیا تھا، سنہ ۱۲ ھ تک نصرانی تھے[4]۔ ان کی والدہ خیرہ ۔ بھی رسول ص کی زوجہ ام سلمہ کی کنیز تھیں[5]۔ حسن بصری، خلافت عمر کے[6] دو سال باقی تھے، کہ انہوں نے سنہ ۲۱ ھ[7] یا سنہ ۲۲ ھ یا سنہ ۲۳ ھ میں دنیا میں قدم رکھا[8]، دنیا میں آئے تو انہیں عمر بن خطاب کے پاس لے گئے تو انہوں نے کہا اس کا نام حسن رکھو کہ حسین ہے[9]۔

لیکن معصوم علی شاہ نائب الصدر نے صاحب تذکرۃ الاولیاء کی تحریر میں اسلئے تحریف کردی تاکہ نام گذاری سے عمر بن خطاب کا ذکر ختم کردیں۔

۱، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۰ ۲، احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۱۱۱ ۳، مروج الذہب ج ۲ ص ۲۰۶ ۴، حبیب السیر ج ۱ ص ۴۰۷ ۵، تہذیب التہذیب ج ص ۲۸۱ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵۴ ۶، ایضا ص ۲۸۱ ۷، سفینۃ الاولیاء ص ۳۱ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۳۲ ۸، تاریخ ابن اثیر ۲

چنانچہ لکھتے ہیں : جب حسن بصری پیدا ہوئے تو انہیں علی مرتضیٰ
کی خدمت میں لے گئے آپؑ نے فرمایا کہ اس کا نام حسن رکھو کہ یہ حسن الوجہ ہے[1]
افسوس کہ موقعہ کی تلاش میں رہنے والے صوفیوں نے اس تحریف شدہ مطلب
سے استفادہ کیا ہے! تاکہ خلافتِ غدیر کو غصب کرنیوالے، رسولؐ پر ہذیان
کا بہتان لگانے والے اور حسبنا کتاب اللہ آواز بلند کرنے والے سے فرقہ
کے رؤسا میں سے کسی کا ارتباط ظاہر نہ ہو سکے۔

حسن بصری کیلئے فضیلت تراشی

ہر قوم و قبیلہ سے کہیں زیادہ صوفیوں کے درمیان یہ مسئلہ رواج پا گیا ہے کہ وہ اس شخص کے لئے فضیلت گڑھا کرتے ہیں جس کو وہ قبلۂ آمال تسلیم کرتے ہیں شاید یہ چیزیں انہوں نے ابوہریرہ سے سیکھی ہیں کیونکہ ان کا کام، وہ بھی قول رسولؐ سے، فضیلت تراشی ہی تھا۔

جن لوگوں کے لئے صوفیوں نے بہت زیادہ فضیلت گڑھی ہے ان میں سے ایک حسن بصری ہے۔ ان کے بارے میں غزالی کہتے ہیں: حسن بصری بات کرنے میں تمام لوگوں سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ تھے اور ہدایت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ صحابہ سے نزدیک تھے[2]

---

(1) تذکرۃ الاولیاء طبع منوچہری (2) طرائق الحقائق ج ۲ ص ۵۰ (3) اعلام زرکلی ج ۱ ص ۲۲۶۔

صاحب تذکرۃ الاولیاء لکھتے ہیں: گوشہ نشینی میں اتنی شدت پیدا کر لی تھی کہ تمام خلق سے رابطہ منقطع کر لیا تھا![1] پھر لکھتے ہیں: منقول ہے کہ مرتضیٰ — امیر المومنینؑ بصرہ تشریف لائے ناقہ کی مہار کو پشت پر ڈال دیا اور تین روز سے زیادہ قیام نہ کیا، تمام منبروں کو توڑنے کا حکم دیا اور وعظ کرنے والوں کو منع کر دیا، حسن بصری کی مجلس میں تشریف لائے تو وہ تقریر کر رہے تھے۔ پوچھا: تم عالم ہو یا متعلم؟ کہا دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہوں، مجھ تک رسولؐ کی ایک حدیث پہونچی ہے۔ اجازت ہو تو بیان کروں مرتضیٰ نے منع بھی نہ کیا اور فرمایا: اس جوان کو خطابت کا حق ہے![2]

وہی لکھتے ہیں: منقول ہے کہ بچپنے میں حسن بصری میں ایک عیب پیدا ہو گیا تھا، جب بھی نیا لباس سلوایا جاتا تو وہ اس کے گریبان پر گناہ لکھ دیتے تھے اور اتنا روتے تھے کہ بے ہوش ہو جاتے تھے[3]

موصوف ہی مالک دینار اور حسن بصری کی ملاقات کا واقعہ لکھتے ہیں۔ مالک حسن بصری کی مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ دعا کرتے ہیں اور ہر طرف سے آمین — کی آواز بلند ہوتی ہے۔ جب حسن بصری سے ماجرا پوچھا گیا تو کہا: یہ راز کسی سے نہ بتانا ہر شب جمعہ میرے پاس پریاں آتی ہیں۔ میں انہیں درس دیتا ہوں۔

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء طبع منوچہری ص ۳۱ (۲) تذکرۃ الاولیاء طبع منوچہری ص ۳۴ (۳) ایضاً ص ۳۵۔

اور دعا کرتا ہوں وہ آمین کہتی ہیں،،

جناب ہی لکھتے ہیں : ایک بزرگؒ نے کہا، میں اور ایک جماعت حسن بصری کے ہمراہ حج کو جا رہے تھے، وادی میں پیاس کا غلبہ ہو گیا تو ایک کنویں پر پہونچے دیکھا کہ وہاں رسی ہے نہ ڈول۔ حسن نے کہا : جب میں نماز شروع کر دوں تو تم پانی پی لینا، نماز میں مشغول ہوئے تو ہم پانی کی پاس گئے پانی کنویں کی مینڈ تک آگیا تھا، ہم نے پانی پیا ایک آدمی نے ایک کوزہ بھر لیا تو پانی تہ نشین ہو گیا!

اس بات کا فیصلہ ہم ہر عقلمند پر چھوڑتے ہیں کہ تذکرۃ الاولیار کے مولف کی خبر کو اسلامی رجال نویسوں نے حسن کے لئے کیوں نقل نہیں کیا ہے۔

حسن بصری کی بدعتیں

اس سلسلہ میں حسن بصری کی بہت سی بدعتیں شمار کرائی جا سکتی ہیں۔

لیکن ہماری تحقیق کا جو تعلق حسن بصری کے صوفیانہ مسائل سے ہے اس لئے ہم موصوف کی ان بدعتوں سے چشم پوشی کرتے ہیں جو کہ تصوف کے علاوہ نظروں سے گذری ہیں۔

شادی کی ممانعت

بحث شادی کے لزوم اور اسپر ادلہ قائم کرنے سے متعلق ہے۔

۱۔ تذکرۃ الاولیار طبع منوچہری ص ۳۶۔

چونکہ معصومینؑ حضرات کی سیرت اور ان کی حیات و عمل مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے اسی لئے شادی ضروری ہے کیونکہ ائمہؑ دین خصوصاً رسولؐ اسوہ حسنہ ہیں اور انہوں نے شادی کی ہے اور آپؐ کے بڑے صحابہ نے بھی اس سنت نبوی پر عمل کیا ہے، چنانچہ جو قول و فعل بھی ایسی اہم سنت کے برخلاف ہوتا ہے، کہ جس پر ادیان آسمانی میں توجہ دی گئی ہے، اسے بدعت کہا جاتا ہے۔

حسن بصری، غیر اسلامی زہد و پارسائی کے بانی، کہتے ہیں (۱) اذا اراد اللہ بعبد خیرًا فی الدنیا لم یشغلہ باھل ولا ولد، یعنی جب خدا کسی بندہ کو خیر عطا کرنا چاہتا ہے تو اسے اہل و عیال میں مشغول نہیں ہونے دیتا!

اس بات کے قائل کا عقیدہ ہے کہ رسول خداؐ، انبیاء عظام اور ائمہؑ طاہرین پر معاذ اللہ۔ خدا کی توجہ نہیں تھی کہ وہ بیوی بچوں والے تھے۔

حسن بصری پہلا شخص ہے جس نے صریح طور پر مجرد زندگی گذارنے کی دعوت دی، اور تجرد کو حقیقی تقوے و پارسائی کی شرط قرار دیا ہے۔ وہ اس بات کا باعث ہوئے کہ بعد والے صوفی روایات گڑھ کر ایسی بدعت کی آرام سے ترویج کر سکیں اور اپنے نظریات کو اس تقوی اندوزی اور اپنی صوفیانہ

---

(۱) طبقات شعرانی ج ۱ ص ۲۵۔

پارسائی لگر تندگی کو اس کا معیار قرار دے سکیں۔

مثلاً مالک دینار کہتے ہیں: کوئی شخص بھی صدیقین کے مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا، مگر یہ وہ اسطرح بیوی سے جدا ہو جائے کہ گویا وہ بیوہ ہو گئی اور کتوں کے رہنے کی جگہ گرا اپنا گھر بنا لے!

ابراہیم ادہم کہتے ہیں: جو شخص عورت کے ساتھ رہنے کا عادی ہو گیا ہے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے اور جب لوگوں نے ان سے کہا شادی کرو، تو جواب دیا اگر ہو سکا تو خود کو طلاق دوں گا۔ دوسرے کو قید کر کے خود سرخرو ہونا مجھ سے نہیں ہو سکتا! غزالی کہتے ہیں: حسن بصری نے ایک بردہ فروش کو دیکھا کہ ایک چھوٹی کنیز کے بارے میں تعریف کر رہا ہے کہا اسے دو درہم میں فروخت کر دو! اس نے کہا: نہ۔ حسن نے کہا: اپنا کام کر خدا دو دانوں کے عوض حور العین فروخت کرتا ہے ۳۔

حسن بصری کے روحی

مذہب میں حسن بصری کی بے ثباتی

نمایاں صفات میں سے ایک انکے اعتقادی مسائل میں بے ثباتی ہے، وہ ہر لحظہ ایک دین اختیار کرتے تھے، اس بات کی طرف صرف ائمۂ اہلبیتؑ عصمت، اور نمایاں شیعوں ہی نے اشارہ نہیں کیا بلکہ حسن بصری کے شاگرد ابن ابی العوجا جب

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء طبع منوچہری ص ۱۰۰ (۲) ایضاً ص ۹۷ و ۹۸ (۳) کیمیائے سعادت ج ۲ ص ۳۰۶

جب توحید کا منکر ہوا تو اس سے لوگوں نے پوچھا: تم اپنے استاد حسن بصری کے مسلک سے کیوں ہٹ گئے اور اس مسلک میں چلے گئے کہ جس کی کوئی اساس و بنیاد نہیں ہے؟ اس نے کہا میرا استاد دیوانہ تھا بے بنیاد بات کہتا تھا

حسن بصری کا نفاق

اگر حسن بصری کی اس بدخوئی کی طرف صرف اشارہ ہی کیا جائے تو اس کے لئے الگ ایک کتاب درکار ہے تاکہ مولف ان کے اصلی چہرے کو پہچنوا سکے، ہم یہاں سلیم بن قیس کا کلام نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب جس کی تائید امام صادقؑ نے کی ہے اور اس کے بارے میں فرمایا ہے: ہمارے چاہنے والوں میں سے جس کے پاس سلیم بن قیس کی کتاب نہیں ہے اس کے پاس ہماری امامت سے متعلق مسائل نہیں ہیں ۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ ابان نے کہا کہ میں نے حسن بصری سے کہا: اے ابو سعید خدا کی پناہ تم علیؑ کے بارے میں کیسی کیسی روایت کرتے ہو اور میں نے تم سے کیا کیا سنا ہے؟! حسن بصری نے جواب دیا: بھائی ان باتوں کے ذریعہ میں ظالم و ستمگروں سے اپنی جان بچاتا ہوں۔

برادر عزیز! اگر میں ایسا نہ کروں تو میرا سر زخمی کردیں گے۔ جو کچھ تم نے سنا ہے، میں نے کہا ہے، میری باتیں ان لوگوں تک پہونچتی ہیں اسلئے وہ مجھ سے سروکار نہیں رکھتے ہیں یا نقص علی سے میری مراد علی بن ابی طالب نہیں ہے۔

لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میرا اہلبیتؑ سے کوئی ربط نہیں ہے خدا کا ارشاد ہے: ادفع بالتی ھی احسن، یعنی ضرر کو چھوٹی سی بدی۔ تقیہ کے ذریعہ دفع کرو ! یہ حسن بصری کی نظر میں معمولی بدی ہے جبکہ صحابہ میں بھی کسی نے ایسا راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔

حسن بصری نے نفاق کو تقیہ سے مخلوط کر دیا ہے اور حضرت کی شان میں گستاخی کو معمولی بدی تصور کیا ہے جبکہ عبادات کے قبول ہونے کی شرط ولایت علی بن ابی طالبؑ ہے۔

معاویہ بن ابوسفیان کے بارے میں علماء نے عبد اللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جب تم معاویہ ابن ابوسفیان کو میرے منبر پر دیکھنا اسی وقت اس کی گردن مار دینا ۲ اور حسن بصری کہتے ہیں لوگوں نے ایسا نہیں کیا، اور رستگار نہیں ہوئے ۳ جبکہ اسی حسن بصری نے خراسان ۴ میں معاویہ کے گورنر ربیع ابن زیاد کے سکریٹری کے عہدہ ۵ کو قبول کر لیا تھا۔

یعنی جو کچھ حسن بصری نے معاویہ کے بارے میں کہا تھا وہ نفاق تھا ورنہ عملی طور پر اسی شخص کی مدد کرتے ہیں کہ رسولؐ نے جس کی گردن مار دینے کا حکم دیا تھا۔

۱، اسرار آل محمد ص ۴۸ ۲، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۹ ۳ السبعۃ السلف ص ۳، ترجمہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۰۱ ۳۰۲، اعلام زرکلی ج ۳ ص ۲۶۶ ۵، فتوح البلدان ص ۱۵۰

معراج کے سلسلہ میں حسن بصری کا نظریہ

معراج کے سلسلہ میں نہایت ہی دلچسپ علمی بحثیں ہوئی ہیں کہ ان میں سے ہم یہاں کچھ بھی نقل نہیں کر سکتے: معراج کے بارے میں ایک بحث یہ ہے کہ آپ کو جسمانی معراج ہوئی تھی یا روحانی یا خواب میں فقیہ و مفسر مرحوم شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں رقم کیا ہے کہ شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ معراج جسمانی ہوئی تھی[1] حسن بصری چونکہ شیعی مسلک سے دور تھے اس لئے ان کا عقیدہ تھا کہ رسول خدا نے یہ سفر خواب میں کیا تھا، صاحب تاریخ حبیب السیر لکھتے ہیں: عائشہ، معاویہ اور حسن بصری کا نظریہ ہے کہ رسولخدا کا جسم نہیں رہا اور آپکی روح کو ملاء اعلیٰ پر لے گئے[2]

علامہ طباطبائی نے ابن اسحاق اور ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ جب بھی معاویہ ابن ابی سفیان سے، معراج کے بارے میں کوئی چیز پوچھی جاتی تھی تو وہ کہتا تھا رویائے صادقہ میں وہ پیش خدا تھے، عائشہ کہتی تھیں میں نے رسول کے بدن کو بستر سے غائب نہیں دیکھا[3]

---

(۱) تاریخ حبیب السیر ج ۱ ص ۳۹۵ (۲) الفباج ۱ ص ۳۱۸ (۳) تفسیر المیزان ج ۲۵ ص ۳۲۔

معراج کے سلسلہ میں پست ترین اور حقیقت سے دور یہی نظریہ ہے اس نظریہ کے بانی عائشہ، معاویہ اور حسن بصری ہیں، البتہ شیخیہ کے پیشوا شیخ احمد احسائی نے معراج کے بارے میں ایک اور پخ نکالی ہے جو عائشہ معاویہ اور حسن بصری کے نظریہ سے ملتی جلتی ہے وہ کہتے ہیں: رسول خدا برزخی جسم کے ساتھ معراج پر گئے تھے! لیکن یہ نظریہ کہ معراج روحانی یا خواب میں ہوئی تھی، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور بالکل قرآن کے مخالف ہے کیونکہ آیۂ مبارک میں، عبد استعمال ہوا ہے اور، "عبد"، روح و بدن کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں: رسولؐ کو حالت بیداری میں معراج ہوئی تھی اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آنکھ سے دیکھا تھا خواب میں نہیں اور اس موضوع پر وافر دلائل موجود ہیں [2]

معراج سے متعلق جو مسائل بیان ہوئے

خدا کا دیدار

ہیں وہ جسمانی، روحانی، رویائی اور بقول شیخیہ کے برزخی عبارت ہیں اہم ترین مسئلہ جو کہ اپنی طرف توجہ مبذول کراتا ہے وہ معراج میں پیش آنے والے واقعات ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسولؐ نے معراج میں خدا کو دیکھا ہے۔

---

(۱) بدن برزخی وہ ہے جس کے ذریعہ خواب میں انسان اعمال انجام دیتا ہے

(۲) رسالۂ قطیفیہ درج در مجموعہ ۹۲ رسالہ ای بنام جوامع الکلم۔

ان ہی لوگوں میں حسن بصری بھی شامل ہیں وہ کہتے ہیں: خدا کی قسم محمدؐ نے پروردگار کو دیکھا ہے [1]

جبکہ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ سے کہا: اے ام المومنین[2] کیا محمدؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ تین بار کہا: تمہاری اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے جس شخص نے بھی تم سے یہ کہا ہے کہ محمدؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی "لا تدرکہ الابصار"، اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں [2]

شیخ صدوق نے توحید میں اور کلینی نے کافی میں اپنی سند سے صفوان بن یحییٰ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: مجھ سے محدث ابو قرہ نے یہ خواہش کی کہ انہیں امام رضاؑ کی خدمت میں لے چلو، میں نے امامؑ سے ان کے لئے اجازت طلب کی، آپؑ نے اجازت مرحمت کی تو میں ان کے ساتھ حاضر خدمت ہوا، ابو قرہ نے، حلال و حرام اور دیگر احکام دین کے بارے میں سوالات کئے یہاں تک مسئلہ توحید کے بارے میں کہا: ہمارے پاس ایک روایت پہونچی ہے کہ خدا نے اپنی رویت اور کلام کو دو پیغمبروں کے درمیان تقسیم کیا ہے۔

---

(۱) نہایت الارب ج ۱ ص ۲۸۱ (۲) یہ لقب حضرت خدیجہ سے مخصوص ہے۔

(۲) نہایت الارب ج ۱ ص ۲۷۹ و ۲۸۰۔

کلام حضرت موسیٰؑ ابن عمران کو اور رویت حضرت محمدؐ سے مختص کیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا وہ کون تھا جس نے خدا کی طرف سے جن وانس کی تبلیغ کی اور یہ پیغام پہونچایا: لا تدرکہ الابصار، کہ آنکھیں اسے نہیں دیکھتی ہیں! کیا وہ محمدؐ نہیں تھے؟ عرض کی کیوں نہیں وہی تھے۔

فرمایا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ کوئی خود کو دنیا والوں کے سامنے اس طرح متعارف کرائے کہ میں خدا کی طرف سے اسلئے آیا ہوں تاکہ بشر کو حکم خدا سے اسکی طرف بلاؤں اور خدا کے بارے میں یہ کہے کہ آنکھیں اسے نہیں دیکھتی ہیں اور انسان کا علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا ہے اور اس جیسا کوئی نہیں ہے، اور پھر وہی شخص یہ کہے، میں نے خدا کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور اپنے علم سے اس کا احاطہ کیا ہے میں نے اسے بشر کی صورت میں پایا ہے۔ کیا شرم نہیں آتی ہے؟ زنادقہ بھی خدا کی طرف ایسی ناروا نسبت نہیں دے سکے ہیں!

اس صورت میں حسن بصری جیسے لوگ جو کہ رویت خدا کے قائل ہیں، امام علی بن موسیٰ رضا کے فرمان کے مطابق ایسے مطالب بیان کرتے ہیں جو زنادقہ نے بھی بیان نہیں کئے ہیں اور یہ اقوال قرآن کی آیات کے بھی مخالف ہیں۔

۱۔ ترجمہ المیزان ج ۱۴ ص ۱۵۹ از اصول کافی۔

حسن بصری اور صراط مستقیم

یہ جاننا کہ صراط مستقیم سے کون اور کیا مراد ہے؟ ہمیں ہماری منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد کرے گا۔ صراط مستقیم اس واضح، آشکار اور روشن راستہ کو کہتے ہیں کہ جس میں ٹیڑھاپن اور کجی نہ ہو یہاں تک عرب کی لغات میں بھی صراط کے یہی معنی ہیں، مفسران نے واضح روشن اور سیدھے راستہ کو پہچاننے کیلئے چند اقوال نقل کئے ہیں۔

محمد حنفیہ کہتے ہیں: صراط سے مراد ایک دین ہے کہ بندہ سے اس کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ آپ کی مراد، دین اسلام ہے![1]

عبداللہؓ بن عباس اور جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں: اس سے مراد اسلام ہے[2]

سعد بن جبیر کہتے ہیں: جنت کا راستہ ہے۔

ابو بریدہ اسلمی کہتے ہیں راہ محمدؐ ہے۔

---

(۱) تفسیر محقق ج ۱ ص ۲۰۶ (۲) تفسیر ابوالفتح رازی ج ۱ ص ۵۲۔

حارث عور امیر المومنین سے نقل کرتے ہیں کتاب خدا ہے!

نقل عیاش کہتے ہیں صراط مستقیم حج ہے ۲

داؤد بن فرقد نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ صراط مستقیم یعنی امیر المومنین ہیں ۳

محمد بن سنان نے مفضل بن عمر سے اور انہوں نے ابو حمزہ شمالی سے اور انہوں نے امام زین العابدین سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا اور اسکی حجت کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ ہم ہی خدا کے ابواب ہیں، ہم صراط مستقیم ہیں، ہم پروردگار کی وحی کے ترجمان ہیں، ہم خدا کے اسرار ہیں ۴۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں: اِنَّکَ لَتَھدی الیٰ صراط مستقیم، فرماتے ہیں اسے تام ہر بولایت علی، یعنی ولایت علی کا تو فرمان جاری کر کرو ہی صراط مستقیم ہیں ۵۔

مسلم بن حیان کہتے ہیں: صراط مستقیم محمد اور اہلبیت ہیں۔

سفیان ثوری نے عبد اللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد، محمد و آل محمد کی محبت مراد ہے ۶۔ ابن بابویہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا ہے: صراط مستقیم سے مراد مومنین کے ائمہ ہیں

---

(۱) تفسیر کازر ج ۱ ص ۲۴ (۲) تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴ و تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۴۷ (۳) تفسیر محقق ج ۱ ص ۲۴۶ تفسیر قمی ص ۲۰ (۴) تفسیر محقق ج ۱ ص ۲۰۷ (۵) بصائر ثعلبی (۶) تفسیر وکیع بن الجراح

ان اقوال میں منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جمع بین الروایات سے بھی ایک ہی معنی حاصل ہوتے ہیں، جن لوگوں نے صراط کے معنی عبادات، یا قرآن یا رسول خدا مراد لئے ہیں ان سے ولایت کے بغیر قبول نہیں کئے جائیں گے۔ جیسا کہ امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہے: اگر کوئی شخص حضرت نوحؑ کی عمر پائے یعنی ۹۵۰ سال زندہ رہے اور ہمیشہ دن میں روزہ رکھے اور راتوں کو عبادت میں بسر کرے اور اسی حال میں خدا سے جا ملے تو یہ اعمال اسے ذرہ برابر فائدہ نہیں پہونچا سکیں گے!

اس صورت میں قرآن ولایت کے بغیر۔ حدیث ثقلین کی رو سے کافی نہیں ہے۔ حج بغیر ولایت کے کافی نہیں ہے۔ چونکہ اس میں طواف نساء وغیرہ نہیں ہے۔ ولایت کے بغیر جنت تک نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ اور غدیر کے لحاظ سے راہِ محمدؐ، راہِ ولایت ہے اور اس قول کی رو سے کہ "علی مع القرآن والقرآن مع العلی"، قرآن سے تمسک کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

صراط مستقیم کے بارے میں نقل ہونے والی ان روایتوں کے مقابلہ میں کہ صراط = کتاب = راہ محمدؐ = احکام دین = جنت = اسلام حج = محبت آل محمدؐ = علی بن ابی طالب ہے۔ حسن بصری کا عقیدہ ہے کہ صراط، رسولخداؐ اور آپؐ کے خلفائے راشدین ہیں!

۱۔ بحار الانوار ج ۷، ترجمہ ج ۵ ص ۱۴۴، ۲۔ تفسیر محقق ج ۱ ص ۴۱۰۔

ملاحظہ فرمایئے کہ ائمہ دین کی رائے کے مقابلہ میں حسن بصری نے کیسی جسارت کی ہے اور راہ امیر المومنین علیؑ، اور راہ عمر و دیگر و عثمان کو ایک قرار دیا ہے۔

آیۂ مبارکہ "صراط المستقیم"

حسن بصری اور صراط الذین انعمت

کے بعد آیۂ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ہے۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تو نے غضب نازل کیا ہے اور جو گمراہ ہیں۔

اس آیت میں چند اہم مسائل ہیں۔

جن پر نعمتیں نازل کی ہیں وہ کون لوگ ہیں جن کی راہ کا تقاضا کیا جارہا ہے۔

جن پر غضب نازل کیا ہے وہ کون لوگ ہیں ولا الضالین" گمراہ کون لوگ ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ موخر الذکر دو جماعتوں کے لئے تفاسیر کا مطالعہ فرمائیں لیکن "صراط الذین انعمت علیہم" کے بارے میں ہم کچھ مطالب قلم بند کرتے ہیں۔

شیخ صدوق نے اپنی اسناد سے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا "صراط الذین انعمت علیہم" سے مراد محمدؐ وآل محمدؐ ہیں

دوسرے رسولؐ نے فرمایا ہے: اس سے مراد شیعیان علی ہیں یعنی تو نے انہیں ولایت علی کی نعمت سے نوازا ہے۔

ان پر غضب نہیں کرے گا اور وہ کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔

حسن بن محمدؒ سعید ہاشمی، تین واسطوں سے حنان بن سدیر سے اور انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے آپؑ نے فرمایا: انعمت علیہم سے مراد، محمدؐ و آل محمدؐ اور آپؐ کی ذریت ہے

امام محمد باقرؑ اور امام صادقؑ کے مناقب میں نقل ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا: صراط الذین انعمت علیہم سے مراد اسلام اور ولایت علی بن ابی طالبؑ ہے۔ نہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے نہ گمراہ ہوتے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود حسن بصری کا عقیدہ ہے کہ: صراط الذین انعمت علیہم یعنی ابوبکر و عمر، اور اس کی تائید آنحضرت کا یہ قول کرتا ہے میرے بعد تم ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا[1]۔

حسن بصری نے صراط امیرالمومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ علی پر، راہ ابوبکر و عمر کو ترجیح دی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ رسولؐ کی طرف سے حدیث گھڑنے کے بھی قائل ہیں۔ اور اس بات کی تائید کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تم میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا۔

جبکہ اسی حسن بصری نے رسولؐ سے ایک روایت سنی تھی جس کے بارے میں خوارزمی نے مناقب ص ۴۲ پر اور حموینی نے فرائد السمطین کے باب ۵۴ میں رقم کیا ہے کہ یہ روایت حسن بصری نے عبداللہ سے سنی

---

[1] کشف الاسرار و عدۃ الابرار ج ۱ ص ۳۰۔

تھی کہ رسولؐ نے فرمایا : قیامت کے دن علی بن ابی طالب فردوس میں تشریف فرما ہوں گے ۔ اور وہ یعنی فردوس بہشت سے زیادہ بلند ایک پہاڑ ہے ، جس کے اوپر بس خدا کا عرش ہے ، جنت کی نہریں اسی سے پھوٹتی ہیں اور جنت کے باغات میں پھیلتی ہیں ، اور حضرت علی بن ابی طالبؑ نور کی کرسی پر تشریف فرما ہوں گے ۔ سامنے جنت کی ایک ندی بہ رہی ہو گی کہ جس سے بہتر جنت کی ندی کا پانی نہیں ہے ، اور صراط سے گذر کر جنت میں وہی پہونچے گا کہ جو علی بن ابی طالبؑ اور اہل بیتؑ کی ولایت کا قائل اور معتقد ہو گا ۔

اب علی مرتضیٰؑ سے حسن بصری کی دشمنی کا اندازہ لگائیے اور دیکھئے کہ آیۂ صراط الذین انعمت علیہم کی کیا تفسیر بیان کی ہے ۔

دربار حجاج کا فقیہ

علمار اسلام کا وہ خاص طبقہ جو شرعی احکام کا استنباط کرتا تھا وہ کبھی کسی خاص سبب سے سلاطین کے دربار تک پہونچ جاتا تھا اور دربار کا فقیہ بن جاتا تھا ۔ حسن بصری بھی انہیں اشخاص میں سے ایک ہیں جنہوں نے دربار تک رسائی حاصل کی ۔

احیار العلوم میں غزالی فرماتے ہیں : کہ جب بھی تاریخ کا بدترین جلاد ۔ جس نے قنبر ، حجر بن عدی ، کمیل بن زیاد اور ابن ابی لیلی کو شیعہ ہونے کے جرم میں شہید کیا تھا ۔ حجاج بن یوسف ثقفی کوئی دینی مسئلہ جاننا چاہتا تھا تو ، فقہار کو منجملہ حسن بصری کے طلب کرتا تھا ۔

یا غزالی کیمیائے سعادت کی ج ۲ کے ص ۶۱۴ پر لکھتے ہیں :

عمر بن عبد العزیز ہر شب فقہاء کو جمع کرتا تھا جو موت اور قیامت کے سلسلہ میں مباحثہ کرتے تھے ان میں سے ایک حسن بصری بھی تھے ۔

حسن بصری کے بارے میں یہاں تک لکھا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کی مجلس تدریس میں شرکت کی، اور پھر لوگوں کو ان کی مجلس میں شریک ہونے کی تشویق دلائی ۔ تعجب کی بات ہے کہ اس نے کمیل بن زیاد، قنبر و حجر بن عدی کو شیعہ ہونے کے جرم میں شہید کرا دیا اور حسن بصری کو درس دینے کی اجازت دی اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے کی تشویق کی ۔

یہاں تک کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے جہنم واصل ہونے کے بعد اسے خواب میں دیکھا تو اس سے احوال پرسی کی ، اس نے کہا : ایک روز میں حسن بصری کی مجلس میں گیا تھا اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا تھا وغیرہ وغیرہ [1] انہیں چیزوں کی وجہ سے مجھے بخش دیا گیا ہے اور عذاب سے رہائی مل گئی ہے ۔

جبکہ حجاج بن یوسف ثقفی کی سفاکی و خونریزی کے بارے میں خود حسن بصری نے حضرت علیؑ سے مطالب سنے اور بیان کئے تھے [2] لیکن حب جاہ کی وجہ سے حضرت علیؑ سے سنی ہوئی چیزوں سے چشم پوشی کر لی اور حجاج کے دربار میں آمد و رفت کا سلسلہ شروع کر دیا ۔

---

[1] شرح احوال و آثار زکریا بہاء الدین ملتانی ص ۱۴۱ [2] نہایت الادب ج ۶ ص ۲۶۳ ۔

فقہاء کے برخلاف فتویٰ[1]

ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی فقیہ نے فقہائے سلف کے برخلاف فتویٰ دیا ہو، استاد الفقہاء والمجتہدین آیت اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کبھی فرع فقہی کے سلسلہ میں حکم ادلہ کے حریم تک بیان کر دیتے تھے۔ لیکن مشہور فقہاء کے خلاف کبھی فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ اور اس بات کے معتقد تھے کہ سلف نے کس وجہ سے ایسا حکم دیا ہے اور یہ سنت ابھی تک شیعی حوزات علمیہ میں قائم ہے۔ لیکن حسن بصری نے علماء کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ غزالی لکھتے ہیں: فرقد سنجی نے حسن بصری سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب دیا۔ فرقد نے کہا فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: اے فرقد تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے تو نے اپنی آنکھ سے کوئی فقیہ دیکھا ہے!

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۸۵۔

حسن بصری کے فتوے کا ایک نمونہ

جناب نے جو علم دیئے ہیں ان کے نقل کرنے سے موصوف کی فقہی منزلت واضح ہو جاتی ہے کہ کیا حقیقت میں انہوں نے کتابِ خدا اور عترت کے مبنا سے فتویٰ دیا ہے اور رسولؐ کی دونوں امانتوں سے مستفیض کرتے تھے. یا قیاس پر عمل کرتے تھے۔ ان میں سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کرنے سے اسلام میں حسن بصری کی حیثیت معلوم ہو جائے گی۔

۱۔ امام جماعت کے شرائط کے بارے میں کہتے ہیں: اس شخص کی اقتدا نہ کرو جو علماء سے اختلاف نہ رکھتا ہو! امام جماعت کے ایسے شرائط آپکو کسی بھی فقیہ کی کتاب میں نہیں مل سکتے۔[1]

۲۔ کون شخص شہید ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں: جو شخص رمضان کے بعد یا غزا کے بعد یا حج کے بعد وفات پائے وہ شہید ہے۔[2]

۳۔ رات دن ایک دوسرے کے حالات معلوم کرنے کے بارے میں کہتے ہیں۔

۱۔ احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۲۴ ۲۔ ایضاً ج ۱ ص ۵۴۔

پہلے لوگ ایک دوسرے کو صرف السّلام علیک کہتے تھے۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ حق انہیں سلامت رکھے۔ لیکن آجکل، کیف اصبحت عفاک اللہ وکیف انت اصلحک اللہ کہنے لگے ہیں، موصوف کے لحاظ سے یہ بدعت ہے۔

حالانکہ رسولؐ زید بن حارثہ سے ملاقات کرتے وقت یہی کلمات زبان پر جاری فرماتے تھے اس صورت میں یہ کلمات کہنا سنت رسولؐ ہے اور پھر خود حسن بصری نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔ کیونکہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: کیسا مزاج ہے؟ کہا: اس شخص کا کیا مزاج ہو سکتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہو جو دریا میں ہوں اور کشتی توڑ دیں اور ہر ایک جداگانہ تختہ پر چڑھ جائے؟ کہا سخت ہے۔ فرمایا: میری کیفیت بھی ایسی ہی ہے[1]۔

۴ یا رسولؐ کی لمبی زلفوں کے خلاف حکم دیا ہے۔ جب ایرانیوں کی ایک جماعت رسولؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوئی انکی حالت یہ تھی کہ داڑھی صاف مونچھیں لمبی لمبی تھیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ کہنے لگے: ہمارے خداؤں کسریٰ نے یہی کہا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے حاشیہ نشینوں سے فرمایا: تم مونچھیں تراش کرو داڑھی کو اتنا بڑھایا کرو کہ جس سے یہودیوں سے مشابہت نہ ہو سکے کیونکہ یہودی بہت لمبی داڑھی رکھتے تھے۔ حسن بصری تابعین کی ایک جماعت کی رائے کے مقابلہ میں کہتے ہیں: اسے اسکے حال پر چھوڑ دینا بہتر ہے یعنی بڑھتی رہے۔

---

[1] کیمیائے سعادت ج ۲ ص ۴۱۵۔

حلاج کا جرم

عدالت میں حلاج پر جو جرائم کی فرد عاید تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنی تصنیفات میں یہ تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص تین روز رات و دن، روزہ رکھے اور کوئی چیز نہ کھائے اور چوتھے روز کھانے کے بجائے کاسنی کھائے تو اسپر ماہ رمضان کے روزے معاف ہیں، اور اگر رات کو دو رکعت نماز پڑھے، جس کا سلسلہ ابتدائے شب سے صبح تک جاری رہتا ہے تو اسپر واجب نمازیں معاف ہیں، اور اگر ایک دن اپنا پورا مال تصدق کر دے تو اسپر خمس معاف ہے۔ اگر کوئی شخص احاطہ کھینچے اور اس میں روزہ رکھے اور پھر چند مرتبہ احرام کی صورت میں اس کا طواف کرے تو اسپر حج معاف ہے۔ اگر قریش کے قبرستان میں شہیدوں کی قبر جائے اور دس روز تک وہاں قیام کرے، نماز پڑھے خدا کی بارگاہ میں مناجات کرے، روزہ رکھے لیکن نان جویں کے علاوہ اور نمک کے سوا کچھ نہ کھائے تو وہ ما بقی عمر کی عبادت سے آزاد ہے۔"

عدالت کے فقہا نے حلاج سے پوچھا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یہ حسن بصری کی کتاب "السنن" ہے۔

خاص وزیر نے پوچھا: کیا تم اس کے احکام کو جاری نہیں کرتے ہو؟ کہا میں پورے یقین کے ساتھ اس کتاب کے احکام پر عمل کرتا ہوں۔ اسوقت قاضی ابو عمر نے باآواز بلند کہا: لیکن یہ کتاب شرائع اسلام کو برباد کرتی ہے: قاضی صاحب کے آخری کلمات یہ تھے تم وہ ہو جس کا خون بہانا مباح ہے اور جس کے قتل کا کوئی گناہ نہیں ہے دیگر فقہاء نے ان کی تاسی کی اور اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا اور قتل کرنیکی اجازت دیدی!

حسن بصری کا ائمہ معصومینؑ سے سلوک

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ خلافتِ عمر کے دو سال باقی تھے کہ جناب پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ ق مطابق ۷۲۸ء کو ۸۹ سال کی عمر میں دنیا سے اٹھے یہ زمانہ حضرت علیؑ، حسن بن علیؑ، حسین بن علیؑ، علی بن الحسینؑ اور حضرت امام محمد باقر کی امامت کا زمانہ تھا۔ وہ بہت ہی حساس اور مبارے اسلامی کی بنیاد پر ایمان وایقان کی بنیاد کو محکم کرسکتے تھے۔ کیونکہ غدیر خم کے آسمانی حکم کے مقابلہ میں سقیفہ کا واقعہ رونما ہو چکا تھا۔ اور خدا کے ارادہ، اور فرمان رسولؐ کو پس پشت ڈالدیا گیا تھا۔ اور نوریوں ــ اور ناریوں۔ یعنی سقیفہ والوں کی راہ کو معین کر دیا گیا تھا۔

۱۔ مصائب حلاج ص ۲۹۱ و ۲۹۲

یہ چاہیے سقیفہ والوں کو اختیار کرتے یا سلمان و ابوذر کی مانند کردار و رفتار میں غدیر کے وفادار تھے۔ فتنۂ سقیفہ کا مقابلہ کرتے اور شہید ہونے تک حقیقت کا دم بھرتے اور جو شخص ابوبکر و عمر اور مغیرہ بن شعبہ کی مانند چال چلتا وہ فرمان خدا اور ارادۂ رسولؐ کے سلسلہ میں مخالف شمار ہوتا تھا۔ تابعین نے سقیفہ اور غدیر کے سلسلہ میں جو طریقہ اپنایا ہے۔ اس سے انہیں غدیری اور سقیفائی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کمیل بن زیاد نخعی نے اگرچہ رسولؐ کی حیات طیبہ کے آخری ۱۸ سال درک کئے تھے اور رسولؐ کی زیارت سے شرفیاب نہیں ہوئے تھے۔ اور آسمانی واقعہ غدیر میں بھی حاضر نہیں تھے۔ لیکن سقیفہ میں جو خیانت ہوئی تھی اس کے سلسلہ میں ان کی وہی راہ تھی جو غدیریوں کی ہے۔ وہی نعرہ تھا جو غدیریوں کا ہے، اور اس روش کو اپنی آخری عمر تک جاری رکھا تاکہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہونیوالے خیانت کاروں کی ظلمت کے لئے ایک نور بن جائیں۔

اس حساس و تقدیر ساز عہد میں حسن بصری کے کردار کا جائزہ لینا چاہیے کہ انہوں نے کیا، کیا اور انہوں نے غدیر خم اور سقیفہ میں سے کس کو اختیار کیا۔

حسن بصری رسولؐ کے بعد ہونیوالی سازش کی تائید کرتے ہیں

رسولؐ جانکنی کے عالم میں امت کے مستقبل کو دیکھ رہے تھے،

اور آپکے پاس جو واقعات رونما ہو رہے تھے ہر ایک سے آگاہ تھے اور اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ آپ کی خاموشی سے ایک دھماکہ ہوگا جس سے شریعت سیاسی اور مرجعیت الٰہی ہاتھ سے چلی جائے گی اور اسلام خلع سلاح ہوجائے گا۔ اسی لئے آپ نے مستقبل میں آسمانی واقعۂ غدیر کے سلسلہ میں لائحۂ عمل اور طریقۂ کار کو واضح انداز میں، غدیر کو مختصر طور پر تحریر کرنے پر اصرار کیا اور فرمایا: قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ تحریر کردوں کہ جس سے تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے![1] جو لوگ الٰہی مرجعیت کی جگہ بدلی مرجعیت لانا چاہتے تھے انھیں اپنے تاریخی موقف کا آج ہی سے اعلان کرنا چاہئے تھا تاکہ طے شدہ منصوبہ ناکام ہوجائے۔

عمر کی مداخلت بدلی مرجعیت کو خطرہ سے بچا سکتی تھی چنانچہ جب رسولؐ نے دوات وقلم طلب فرمایا، تو عمر نے کہا: رسولؐ ہذیان بک رہے ہیں[2]

معاذ اللہ۔ آپؐ کے مرض میں شدت پیدا ہوگئی ہے وہ تمہارے درمیان میں ہیں اور پھر تمہارے لئے کتاب خدا کافی ہے، یہاں سے اختلافات کا بیج بویا گیا، بعض لوگ رسولؐ کے کلام کو دہرا رہے تھے دوسری طرف عمر کے چاہنے والے انکی بات کو دہرا رہے تھے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۵۶ [2] تذکرۃ الخواص ابن جوزی ص ۶۲۔

بہت شور وغل مچ گیا تو رسولؐ نے فرمایا: میرے پاس سے چلے جاؤ! میں جس حال میں ہوں اس سے بہتر ہوں جس کی تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو![1] میرے پاس تو تو میں، میں کرنا صحیح نہیں ہے[2] لوگ متفرق ہو گئے۔ اور خود ان کے اقرار کے بموجب انہوں نے رسولؐ کو اس لئے نوشتہ نہیں لکھنے دیا تاکہ آپؐ علیؑ کے لئے خلافت نہ لکھ سکیں[3]۔ وہاں سے کامیابی کے ساتھ چلے گئے، اور ایک بارعب دینی طاقت کے عنوان سے میدان میں آئے[4] کیونکہ رسولؐ کے گھر میں بڑے بڑے صحابہ، رسولؐ کی شان میں گستاخی کر چکے تھے آپؐ کو نوشتہ نہیں لکھنے دیا تھا۔

جب رسولؐ اپنے معبود حقیقی سے جا ملے تھے اور امیر المومنین حضرت علیؑ آپؐ کے غسل وکفن میں مشغول تھے[5] تو عین اسی وقت ابوبکر اہلبیتؑ کو غسل وکفن میں مشغول چھوڑ کر چلے گئے اور عمر وابو عبیدہ کے ساتھ سقیفہ کی شوریٰ میں شریک ہو گئے۔ سقیفہ سے نکلنے اور حاضرین سے ابوبکر کی بیعت لینے کے بعد عمر نے مہاجرین سے کہا کہ: ابوبکر کی بیعت کرو[6]

1۔ صحیح بخاری ج ۷ ص ۹ و صحیح مسلم ج ۵ ص ۷۵۔ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۵۶ 2۔ صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۱ 3۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷ 4۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ص ۱۱۴ طبع مصر ج ۱۲ ص ۷۹ 5۔ ترجمہ فی رحاب آئمہ اہل بیتؑ ص ۳۹۸ 6۔ الامامت والسیاست ابن قتیبہ ص ۵۔

اس طرح عمر کی طاقت اور سقیفہ میں ہونے والی سازش کی وجہ سے غدیر میں منتخب ہونے والے خلیفہ۔ حضرت علیؑ کے برخلاف ابوبکر نے خلافت کا دعوی کیا۔

حسن بصری ابوبکر کی اس خلافت کی تائید کرتے ہیں جس کو انہوں نے گمراہی کی وجہ سے قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ خود کہتے تھے: مجھ پر ایک شیطان مسلط ہے اگر میں صحیح کام کروں تو اطاعت کرو اگر بھٹک جاؤں تو مجھے راہ پر لگاؤ۔

نیز کہتے ہیں: میری بیعت سے دست بردار ہو جاؤ، میں پشیمان ہو گیا ہوں، میں تمہارا خلیفہ تو بن گیا لیکن میں تم سے بہتر نہیں ہوں اور پھر علیؑ تمہارے درمیان موجود ہیں[1] مکرر کہا: میں نے سقیفہ میں ابوعبیدہ یا عمر کی بیعت کر لی ہوتی، وہ میرے امیر اور میں انکا وزیر ہوتا[2]۔

حسن بصری اس خلیفہ کی تائید کرتے ہیں کہ جس کے بارے میں عمر نے بڑے صحابہ کے سامنے منبر سے کہا تھا۔ ابوبکر کی بیعت ایک لغزش تھی جس کے شر سے خدا ہی نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا[3] ابن عساکر نے محمد بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے حسن بصری کے پاس بھیجا تاکہ ان سے کچھ سوالات کروں!

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲ [2] مروج الذہب ص ۳۰۸ و ۳۰۹ و عقد الفرید ج ۴ ص ۲۵۰ [3] تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۴۶ صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۵۔

جب میں موصوف کی خدمت میں پہونچا تو کہا: میں جو موضوع پیش کروں گا اس سے میرا سینہ زخمی ہے۔ اور اس کے سلسلہ میں لوگوں کے درمیان جو اختلاف ہے اس سے میں عاجز ہوں! میرا سوال یہ ہے کہ کیا حقیقتاً رسولؐ نے ابوبکر کو اپنا جانشین قرار دیا ہے؟! حسن یہ بات سن کر بھڑک اٹھے اور کہنے لگے کیا تمہیں ان کی خلافت کے بارے میں شک ہے۔ وحدہ لاشریک کی قسم رسولؐ خدا نے انہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ آپؐ ابوبکر کو سب سے بہتر سمجھتے تھے، اور وہ موت سے اسقدر ڈرتے تھے کہ جب بھی موت آئے وہ خلیفہ بن جائیں چاہے خدا نے انہیں منتخب بھی نہ کیا ہو[1]

حسن بصری اور حضرت علیؑ

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب جنگ جمل ختم ہو گئی تو پالان شتر کا منبر بنایا گیا حضرت علیؑ منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے بصرہ والو! اے منحرف اور بدل جانے والو! اے دل کے کھوٹو! جن کی کھوٹ کا کوئی علاج نہیں ہے، اے چوپائے کے پیچھے دوڑنے والو! اے عورت کے سپاہیو! تم لوگ ایک چوپائے کی آواز پر جمع ہوئے، اور جب اسے نحر کر دیا گیا تو پراگندہ ہو گئے۔ تمہارے پینے کا پانی تلخ اور ناگوار ہے۔

---

[1] روضات الجنان فی احوال علماء والسادات ج ۲ ص ۲۵۱۔

تمہارے آئین کی اساس نفاق ہے، تمہارا اخلاق خراب اور عقل کمزور ہے۔

اس کے بعد آپؑ منبر سے اتر آئے، ہم بھی آپؑ کے ساتھ ساتھ تھے کہ راستہ میں حسن بصری سے ملاقات ہوئی اس وقت وہ وضو کر رہے تھے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: اے حسن بصری اپنے وضو کے بارے میں غور کرو، اس کے شرائط کا خیال رکھو اور اس کے ظاہری و باطنی آداب کی رعایت کرو۔ حسن بصری اعتراض کی صورت میں کہتے ہیں: آج کل آپ ایسے لوگوں سے جنگ کر رہے ہیں جو خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور خاتم النبیینؐ کی رسالت کے معتقد تھے اور وضو کے آداب و شرائط کی رعایت کرتے اور اپنے فرائض کو انجام دیتے تھے۔

امیرالمومنین علیؑ نے فرمایا: اگر ایسا ہی تھا اور تم اس واقعہ کے گواہ تھے تو پھر تم نے ہمارے خلاف جمل والوں کی مدد کیوں نہ کی؟

حسن بصری نے کہا: خدا کی قسم آپؑ نے سچ فرمایا ہے۔ میں آپؑ کی بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ جنگ جمل کا پہلا دن تھا، میں نے گھر سے نکل کر غسل کیا، بدن پر کافور ملا اور جنگی اسلحہ اٹھایا، میرا عقیدہ تھا ام المومنین کی مدد نہ کرنا گویا کفر ہے۔ لہٰذا میں بصرہ کے لشکر کی چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گیا، لیکن جب میں حریبہ! کے نزدیک پہنچا تو میں نے یہ آواز سنی۔ حوالہ اگلے صفحہ پر

کہ اے حسن لوٹ جاؤ! قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے
چنانچہ میں خوفزدہ ہو کر واپس آگیا۔
دوسرے دن بھی مجھے اس عقیدہ نے آرام سے نہ بیٹھنے دیا اور میں جنگ و قتال کے ارادہ سے نکلا اور جب میں ھسریبہ پہونچا تو پھر وہی آواز سن کر اپنے گھر پلٹ جاؤ کہ قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔
امیرالمومنینؑ نے فرمایا: یہ بات صحیح ہے لیکن جانتے ہو وہ آواز کس کی تھی؟ وہ تیرے بھائی ابلیس کی آواز تھی۔ اور اس کی یہ بات صحیح ہے کیونکہ اہل بصرہ اور اصحاب عائشہ کے قاتل و مقتول دونوں جہنم میں داخل ہوں گے!

تجزیہ

احتجاج طبرسیؒ سے ہم نے جو عبارت نقل کی ہے وہ نہایت حساس اور قابل توجہ نکات پر مشتمل ہے جس سے حسن بصری کے باطن کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے اس سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں انہیں ہم قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں

۱ امام علی بن ابی طالبؑ سے ایسی گفتگو کرنے والے کے ایمان و فہم اور معرفت کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔

۲ معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری سے وضو میں غلطی ہوئی تھی یا کوئی اشکال تھا کہ آپؑ نے فرمایا صحیح وضو کرو۔

---

۱ بصرہ میں ایک جگہ کا نام ہے ۱ احتجاج طبرسی ترجمہ ج ۲ ص ۱۱۰ تا ۱۱۳۔

۳ـــــــ حضرت علیؑ کے متوجہ کرنے پر حسن بصری کو اپنی غلطی کی اصلاح کرنی چاہیے تھی، سوال و جواب کرنا مناسب نہیں تھا۔

۴ـــــــ اگر حسن بصری، حضرت علیؑ کی امامت ولایت اور آپؑ کے بلافصل خلیفہ ہونے کے معتقد ہوتے تو انہیں امامؑ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے تھا کہ اہل جمل سے آپؑ نے کیوں جنگ کی، حسن بصری کا خیال تھا کہ جمل میں حضرت علیؑ اور آپؑ کی سپاہ نے جو کچھ کیا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

۵ـــــــ اگر حسن بصری ان تمام روایات کو قبول کرتے جو رسولؐ سے حضرت علیؑ کے لئے نقل ہوئی ہیں اور وہ آپؑ کو اولوالامر سمجھتے تو حضرت علیؑ کی طرف سے جنگ جمل میں شریک ہوتے جبکہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ شرکت نہ کی بلکہ ابن ابی الحدید کے بقول انہوں نے لوگوں کو حضرت علیؑ کی مدد کرنے سے روکا ہے۔

۶ـــــــ حسن بصری نے عائشہ کو حضرت علیؑ کے برابر تصور کیا اور اولوالامر کی اطاعت کے مقابلہ میں عائشہ کی اطاعت کو واجب سمجھا ہے [1] جبکہ رسولؐ نے اولوالامر یعنی امیرالمومنینؑ علیؑ کی اطاعت کو مسلمانوں کا ضروری فریضہ قرار دیا ہے۔ اور عائشہ کی اطاعت مسلمانوں کا فریضہ نہیں تھا۔

---

[1] امام صادقؑ کا ارشاد ہے: علی بالاصالت اولی الامر ہیں اور دیگر حکام بالتبیعہ اولی الامر

ے حسن بصری اس بات کو جاننے کے باوجود کہ عائشہ تقویٰ، معرفت اور اخلاص عمل میں حضرت علیؑ کے اصحاب کے برابر بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ آپؑ کے برابر۔ اور رسولؐ نے عائشہ کو حضرت علیؑ پر کبھی ترجیح نہیں دی ہے۔ لیکن حسن بصری نے امام المسلمین پر عائشہ کو ترجیح دی

۸ حسن بصری نے یہ کہہ کر کہ قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں حضرت علیؑ کی شان میں بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر علی قتل کریں یا قتل ہو جائیں، اور آپؑ کے اصحاب قتل کریں یا قتل ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں معاذ اللہ جہنمی ہیں ایسا شخص اپنے زمانہ کے امامؑ کے اسرار سے کیونکر آگاہ ہو سکتا ہے۔

۹ امیر المومنین حضرت علیؑ نے حسن بصری کو راندہ درگاہ خدا، ابلیس کا بھائی قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح شیطان نے حکم خدا کی اطاعت نہیں کی تھی۔ اسی طرح تم نے میرے حکم کی اطاعت نہیں کی ہے۔ آپکی مراد یہ ہے کہ میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے لیکن تم اطاعت نہیں کرتے لہٰذا شیطان کے بھائی ہو۔

مذکورہ باتوں کے ہوتے ہوئے حضرت علیؑ حسن بصری پر عنایات کی بارش کر سکتے تھے اور انہیں خرقہ عطا کر سکتے تھے؟!

ملاحظہ کیجیے کہ شیطان کا ایک گروہ بعض پاک باطن صادق افراد کو کس طرح بہکاتا ہے۔ حضرت علیؑ کے عشق میں ڈوبے ہوئے اشخاص کو آپکی دشمنی پر ابھارتا ہے۔

ایک اور واقعہ : ابو یحییٰ واسطی کہتے ہیں : جب حضرت علیؑ نے بصرہ فتح کیا تو اگلے دن جمعہ کی صبح کو لوگ آپؑ سے ملاقات کے لئے آئے، ان میں حسن بصری بھی تھے، ان کے ہاتھ میں چند سفید اوراق تھے حضرت علی کی گفتگو لکھ رہے تھے۔

امیر المومنینؑ نے بلند آواز میں کہا تم کیا کر رہے ہو؟ حسن بصری نے کہا: آپؑ کے کلمات قلم بند کر رہا ہوں تاکہ آپؑ کے انتقال کے بعد دوسروں سے بیان کر سکوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: جان لو! کہ ہر معاشرے اور قوم میں ایک سامری ہوتا ہے اور یہ شخص۔ حسن بصری۔ تمہارا سامری ہے [1]

امت موسیٰؑ کے درمیان سامری کا کام یہ تھا کہ اس نے موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں ایک بچھڑا بنایا اور لوگوں کو گمراہ کرنے لگا : حضرت علیؑ کے کلمات کے یہی معنی ہیں کہ وہ ولی اور امامؑ کی غیبت کے زمانہ میں وہی کام انجام دیں گے جو سامری نے کیا تھا۔ یعنی حسن بصری لوگوں کو توحید و رسالت و ولایت کے سیدھے راستے سے منحرف کریں گے، سامری نے بچھڑے کے ذریعہ یہ کام انجام دیا تھا، حسن بصری نے وعظ و تدریس کے وسیلے سے یہ کام کیا۔ اہم بات یہ ہے کہ سامری نے جناب موسیٰؑ کی موجودگی میں ایسی حرکت نہیں کی تھی بلکہ منافقوں کی طرح سہما ہوا تھا حسن بصری بھی ایک منافق تھا۔ دوسرے یہ کہ سامری کا ان چیزوں پہ ایمان نہیں تھا جو موسیٰؑ نے فرمائی تھیں، بلکہ وہ صرف ایمان کا مظاہرہ کرتا تھا۔ حسن بصری کا جسم اگرچہ حضرت علیؑ کے پاس تھا دلی طور پر وہ سامری کی مانند تھا۔ مولانا محمد منظور

معاشرہ میں حسن بصری کا کردار

جو کچھ ہم نے حسن بصری کے سیدنا علیؑ سے ارتباط کے بارے میں نقل کیا ہے اس کے علاوہ حضرت علیؑ سے متعلق معاشرہ میں ان کا معاندانہ رویہ دیکھنے میں آتا ہے، ان کے کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری حضرت علیؑ کے سخت ترین دشمن تھے۔ کیونکہ معاشرہ میں انہوں نے رسولؐ کے خلیفہ بلافصل حضرت علیؑ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے والوں نے کیا تھا۔

الف : ابن ابی الحدید معتزلی حماد بن سلمہ سے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے تھے اگر مدینہ میں علیؑ سوکھا خرمہ کھاتے تو انکے لئے ان امور سے بہتر تھا جو صادر ہوئے ہیں![1]

یعنی حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے دوران جو امور انجام دیئے تھے وہ حسن بصری کی نگاہوں میں معمولی تھے اور مال دنیا کی وجہ سے انجام پذیر ہوئے ہیں۔

---

[1] ترجمہ نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۶۳۔

اہم بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ بننے کی تمنا نہیں تھی بلکہ خدا اور رسولؐ نے امامت آپکو تفویض کی تھی۔

ب : ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حسن بصری، لوگوں کو علیؑ کی مدد کرنے سے روکتے تھے![1]

ج : علامہ خوانساری لکھتے ہیں: شیعہ احادیث میں وارد ہوا ہے حسن بصری نے جنگ میں شرکت نہیں کی اور علیؑ کی مدد نہیں کی تھی بلکہ بصرہ میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ کسی گھر میں بند رہتے تھے اور کہتے تھے بہتر یہ ہے کہ ہم ان دونوں مسلمان گروہوں میں سے کسی کی مدد نہ کریں![2]

د : علامہ قمی لکھتے ہیں: حسن بصری نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی اور جنگ جمل و صفین اور نہروان میں آپؑ کی مدد نہیں کی[3] دوسری جگہ لکھتے ہیں: منافق حسن بصری نے امیر المومنینؑ کی مدد نہیں کی![4]

ھ : علامہ جزائری نے شیخ طوسی کی کتاب تہذیب کی شرح میں صوفیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ حسن بصری ائمہ کا سخت مخالف تھا۔

۱۔ ترجمہ نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۶۳ ۲۔ ترجمہ روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ج ۲ ص ۲۶۳ ۳۔ تحفۃ الاخبار ص ۱۴۹ حاشیہ ۴۔ ایضاً ج ۲ ص ۲۶۳ ۔

۹: حضرت علیؑ سے حسن بصری کی مخالفت کی ایک علامت یہ ہے کہ انہوں نے آپؑ کے مخالف کی جھوٹی باتوں کو فروغ دیا جیسے ابو بکر کی امامت کا مسئلہ جو حیات رسولؐ میں۔ مرض میں رسولؐ نے زید بن اسامہ کو ایک جماعت بشمول ابو بکر و عمر کا امیر بنایا اور سختی سے فرمایا اسامہ کے ساتھ جانے والے افراد میں سے جو مدینہ پلٹ کر آئے گا اس پر خدا کی لعنت ہے لیکن ابو بکر و عمر دونوں ہی جیش اسامہ میں شامل تھے۔ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول خداؐ کے مرض میں شدت پیدا ہو گئی ہے تو انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر ہم باہر چلے گئے اور رسولؐ کا انتقال ہو گیا تو سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا، اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہیں گے لہذا وہ لشکر اسامہ سے جدا ہو گئے اور واپس مدینہ لوٹ آئے[۱]

مرض کی شدت کی وجہ سے رسولؐ خدا نماز جماعت کی امامت کے لئے مسجد نہیں جا سکتے تھے ابو بکر نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بغیر اجازت کے مسجد پہنچ گئے اور لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ جب رسول خداؐ کو یہ معلوم ہوا تو اسی حالت میں مسجد تشریف لے گئے ابو بکر کو مصلیٰ سے ہٹایا اور خود نماز پڑھائی[۲] باوجودیکہ اس وقت حسن بصری پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن اسکا پروپگنڈہ کرتے رہتے تھے۔

---

۱ روضۃ الاحباب ۳۸۰ ۲ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۳۳۴ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۶۰ ۳ سنن نسائی ج ۲ ص ۸۴۔

وہ بھی حضرت علیؑ سے نقل کرتے تھے کہ رسولؐ نے بیماری کی حالت میں فرمایا تھا کہ ابوبکر سے کہدو! کہ لوگوں کو نماز پڑھا آئیں [1] جبکہ رسولؐ نے ابوبکر و عمر و عثمان کو اسامہ کے لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا تھا اور جیش اسامہ میں شامل نہ ہونے والوں پر لعنت کی تھی۔ اس صورت میں اس شخص کی اقتدا میں نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ جس نے رسولؐ کے حکم کی نافرمانی کرکے عدالت کو گنوا دیا ہو۔

حسن بصری امام حسنؑ کے زمانہ میں

امام حسن کے عہد امامت میں بنی امیہ کی سیاسی فعالیت اپنے عروج پر پہونچ گئی تھی، اپنی حکومت کے سلسلہ میں وہ جس کو بھی رکاوٹ سمجھتے تھے اسی کو راستہ سے ہٹا دیتے تھے۔

حسن بصری ان لوگوں میں سے ہیں جو اموی مقاصد کو پورا کرتے تھے بشارت کے ساتھ ان کی خواہشات کو بے چون وچرا پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور ان کی دوستی کے شجر خبیثہ کو اپنے دل میں پرورش کر رہے تھے۔[2]

جس شخص نے حسن بن علی کی زندگی کے متعلق چھان بین کی ہے اس نے آپؑ کے اصحاب و انصار کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں حسن بصری کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا ہے۔

---

[1] نہایت الارب ج ۴ ص ۲۹ [2] روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ج ۱ ص ۲۵۸

بلکہ مشہور اشخاص، جیسے عماد طبری نے، اپنی شہرت یافتہ کتاب میں، حسن بصری کو امیر المومنین اور حسنین کا مخالف قرار دیا ہے[1]

تذکرہ نویسوں، جیسے طرائق الحقائق کے مولف معصوم علی شاہ نائب الصدر نے حسن بصری کے اس خط کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو انہوں نے امام حسن کو لکھا تھا اور آپ نے سخت لہجہ میں اسکا جواب مرقوم فرمایا تھا اسکو ہم نے صوفیوں کے قدیم ترین منابع سے انتخاب کیا ہے۔

کشف المحجوب کے مولف ہجویری نے بھی اس خط کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس خط میں حسن بصری نے لکھا تھا: اے اللہ کے رسول کے فرزند قدر سے متعلق ہماری حیرت اور ہماری استطاعت کے بارے میں اختلافات کے سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تاکہ ہم اس چیز کو یاد کرلیں آپ کی رائے جس کی تائید کرتی ہے آپ ایسی ذریت ہیں جو بعض سے بعض ہیں اور تعلیم یافتہ ہیں۔

امام مجتبیٰ نے حسن بصری کو جواب رقم کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد: تمہارا وہ خط ملا، جو کہ تمہاری اور اس شخص کی حیرت سے متعلق ہے جیسے تم نے ہماری امت میں سمجھ لیا ہے میری رائے یہ ہے کہ جو شخص خیر وشر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔

---

[1] کامل بہائی ج ۲ ص ۸۶۔

اور جو شخص اپنے گناہوں کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے وہ فاجر ہے۔ بیشک خدا اپنی اطاعت زبردستی نہیں کراتا ہے اور اس پر غلبہ حاصل کر کے عصیان نہیں کیا جا سکتا۔ بندوں کی ملکیت کو مہمل قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن جو کچھ بندوں کی ملکیت میں دیا گیا ہے اس کا مالک وہی۔ خدا۔ ہے۔ اور ان جن چیزوں پر بندوں کی قدرت غالب ہے وہ ان سب پر غالب ہے، پھر اگر بندوں کو اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تو یہ ان پر زبردستی نہیں ہے۔ اور نہ انہیں باز رکھنے والی۔ اور اگر وہ معصیت کے مرتکب ہوئے اور خدا نے چاہا کہ ان پر احسان کرے اور کوئی ان کے گناہوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ اور انہوں نے انجام نہ دیا تو خدا ان سے زبردستی انجام نہیں دلوائے گا۔ اور اگر اس نے مجبور کر کے کوئی چیز لازم نہیں قرار دی ہے تو اسلئے تاکہ وہ اس فعل کو سمجھ لے اور اسے اس کی توانائی و طاقت بھی دی ہے اور راستہ باز رکھا گیا ہے تاکہ جسے چاہے اختیار کرے خواہ اسے اختیار کرے کہ جس کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے یا اسے ترک کرے جس سے منع کی گئی ہے اور حجت بالغہ خدا ہی کے لئے ہے والسلام ۱۔" ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضرت حسن بن علی نے جواب میں صرف علمی مطالب بیان کئے ہیں اور اس کلام سے کوئی ثبوت ایسا فراہم نہیں ہوتا ہے کہ امام حسنؑ نے بصری پر خاص توجہ دی ہے بلکہ خط سے انکے اعتراض کی بو آتی ہے کیونکہ خط بالکل انکے کلامی عقیدہ کے برخلاف ہے

۱۔ کشف المحجوب ص ۸۷۔

حسن بصری امام حسینؑ کے زمانہ میں

حسین ابن علیؑ کے زمانہ میں وہ سارے پردے چاک ہو گئے جو آپؑ کے والد محترم اور برادر گرامی کے دور میں چاک نہیں ہوئے تھے اور حسد اور رسولؐ اور قرآن کے دشمنوں کے ہاتھ آستین سے باہر آ گئے پہلے یزید بن معاویہ نے اپنی بساط سے زیادہ پر پھیلائے اسپر مسلمانوں سے بیعت لینے کی جھک سوار ہوئی اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ بے حیائی سے امام حسینؑ کے پاس قاصد بھیجا اور بیعت کا مطالبہ کیا اور کربلا کے خونی اور دلخراش واقعہ کا بیج بویا۔

انہیں وجوہ کی بنا پر امام حسینؑ کی امامت کا زمانہ بہت حساس ہے اور چونکہ رسولؐ کی وفات کے بعد اسلام یا ایمان کے دعویدار آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے تاکہ جس کے ایمان میں کھوٹ ہو وہ سیاہ رو ہو جائے۔

بہتر یہ ہے کہ زمانہ میں ہم حسن بصری کی زندگی کو تقسیم کریں تاکہ بہتر نتیجہ پر پہونچ سکیں۔

الف: اولاً یہ دیکھنا چاہئے کہ حسن بصری ظاہری طور پر یا باطنی لحاظ سے نہیں۔ امام حسینؑ کی برحق خلافت وولایت کو کس حد تک قبول کرتے

تھے کیا وہ حقیقتاً امام حسینؑ کو پہچانتے تھے؟ یا نہیں؟

ایسا سوال اٹھانا شاید حیرت انگیز ہو لیکن کیا ممکن ہے کہ ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہو کہ وہ اہل بیتؑ سے لگاؤ رکھتا ہے اور ایک جماعت اسے علمی شخصیتوں میں شمار کرتی ہو لیکن وہ امام حسینؑ کو نہ پہچانتا ہو؟ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مشہور مورخ احمد ابن ابی یعقوب لکھتے ہیں: حسن بصری امام حسینؑ کے بالکل قریب کھڑے تھے لیکن حسن نے انہیں نہ پہچانا تو امام حسینؑ نے ان سے کہا: اے شیخ کیا تم روز قیامت کیلئے اس حالت سے راضی ہو؟

کہا: نہیں

امامؑ نے فرمایا: تو تم اپنے آپ کو اس چیز کی خوشخبری کیوں دے رہے ہو، کہ جس کو تم قیامت کے دن اپنے لئے نہیں پسند کرتے اور اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے

کہا: جی ہاں لیکن اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: قیامت کے دن کے سلسلہ میں تجھ سے زیادہ کوئی شخص بھی اپنے نفس کے لئے خیانت کار ہو سکتا ہے؟ باوجودیکہ تم حقیقت پر نظر نہیں رکھتے اور جو تمہیں اپنے لئے پسند نہیں اسے اختیار کئے ہوئے ہو؟

اس کے بعد امام حسینؑ تشریف لے گئے تو حسن بصری نے پوچھا: یہ کون تھے! بتایا گیا: حسین بن علیؑ۔

حسین کی مدد سے اعراض

واقعۂ کربلا کے سلسلے میں انبیاءؑ خصوصاً حضرت ختمی مرتبت نے بہت سی پیشین گوئیاں کی تھیں اور وہ سبھی اس خونی حادثہ کے رونما ہونے سے محزون رہتے تھے اشک فشانی کرتے تھے۔

رسولؐ نے پیشین گوئی کے علاوہ مسلمانوں کے نیے بیٹوں اور اپنے نواسہ کی مدد کرنے یا مدد نہ کرنے کے سلسلے میں مختلف مواقع پر کچھ مطالب بیان کئے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں: یقیناً یہ میرا بیٹا سرزمین کربلا پر قتل کیا جائے گا بس جو بھی تم میں سے اس وقت موجود ہو حسینؑ کی مدد کرے[1] بعض روایات میں ہے کہ جس نے حسینؑ کی مدد نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حسن بصری اسوقت موجود تھے عماد الدین طبری لکھتے ہیں: ایسے موقعہ پر حسن بصری قتیبہ بن مسلم اور حجاج کے لشکر کے ساتھ خراسان چلے گئے[2] اور اسطرح حسینؑ کی مدد سے کترا گئے۔

---

[1] ینابیع المودۃ سلیمان بلخی حنفی باب ۶۰ [2] کامل بہائی ج ۲ ص ۸۹۔

انہیں باتوں کے پیش نظر علامہ خوانساری لکھتے ہیں : ایسے پست فطرت انسان پر بہت زیادہ نفرین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے[1] اس طرح حسن بصری نے فرمان رسول ؐ سے منھ موڑا اور اپنے زمانہ کے امام کی نصرت و مدد نہ کی۔

امام حسینؑ کے مخالفوں کے مددگار حسن بصری

خاندان اموی کے بارے میں تحریر و تقریر کے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ شجرۂ ملعونہ کی شاخ ابوسفیان پر رسول ؐ نے لعنت کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر تم میرے منبر پر معاویہ کو دیکھو تو اسکی گردن مار دو[2] یہ روایت حسن بصری سے نقل ہوئی ہے۔[3]

معاویہ کی ماں ہندہ جگر خوار نے آنحضرتؐ کی دشمنی میں جناب حمزہ کا کلیجہ چبایا اور جگر کے ٹکڑوں۔ بوٹیوں کو دھاگے میں پرو کر گردن کا ہار بنایا۔

رسول ؐ نے معاویہ کو طلب فرماتے ہیں لیکن وہ اپنے پیٹ کو رسول ؐ پر ترجیح دیتا ہے نتیجہ میں آنحضرت اس پر نفرین کرتے ہیں۔ لا اشبع اللہ بطنہ۔

---

[1] روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ج ۲ ص ۳۵۷۔ [2] تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۴۲۴۔ و تفسیر نور الثقلین ج ۲ ص ۱۷۹ [3] تتمۃ المنتہی ص ۲۱۔

کر خدا اسے شکم سیر نہ کرے !۱ یہی معاویہ جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھاتا ہے !۲ یعنی اسلام کے احکام میں ردوبدل کرتا ہے۔

حسن بن علیؑ کی شہادت کے لئے زہر فراہم کرتا ہے ۳ خاندان عصمت وطہارت کے مخالفین کی مدد کرتا ہے ۴ مختصر یہ کہ رسولؐ اور علیؑ کے اصحاب کو شہید کرتا ۵ اور بہت سے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ معاویہ کے ان تمام جرائم کو جانتے ہوئے بھی سانحہ کربلا کے وقت، حسین بن علیؑ کی مدد کے بجائے خراسان چلے گئے اور خراسان میں معاویہ کے گورنر ربیعہ بن زیاد کے جنرل سکریٹری مقرر ہو گئے۔۶

حسن بصری امام زین العابدینؑ کے زمانہ میں

حضرت امام زین العابدینؑ سے حسن بصری کے تعلقات کی کیفیت ابو الفرج جوزی بغدادی نے کتاب منتظم میں نقل کی ہے لکھتے ہیں: حسن بصری نے امام زین العابدینؑ کو مسجد الحرام میں مناجات میں مشغول دیکھا تو آپؑ کے پاس آئے سلام کیا اور جواب سنا۔ البتہ قابل ذکر ہے کہ مرحوم علامہ مجلسی نے ۷

---

۱ ترجمہ شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۰۱ ۲ سفینۃ البحار ج ۱ ص ۶۸۳ ۳ الغدیر ج ۱۰ ص ۱۹۵ ۴ ترجمہ مروج الذہب ج ۲ ص ۲ واحتجاج طبرسی ج ۲ ص ۱۲ ۵ صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۲۰ صحیح ترمذی ج ۵ ص ۶۳۱ ۶ تاریخ طبری حوادث ص ۵۱ ۷ اعلام زرکلی ج ۱ ص ۲۳۰۔

عباس قلی خان سپہر[1] اور معاصرین میں امام خمینی قدس اللہ روحہ العزیز نے اس واقعہ کو طاؤس یمانی کے لئے نقل کیا ہے اور غزالی نے بھی، کتاب یوسف و زلیخا میں اس کی نسبت طاؤس یمانی کی طرف دی ہے۔

شیخ بہائی اپنے کشکول میں تحریر فرماتے ہیں: حسن بصری نے امام زین العابدینؑ سے ملاقات کی آپؑ نے ان سے فرمایا: اے حسن جس نے تم پر احسان کیا ہے اسکی اطاعت کرو اور اگر اطاعت نہ کرسکو تو کم از کم کسی امر میں اس کا عصیان نہ کرو۔ اگر اس کا عصیان کرتے ہو تو اس کی روزی نہ چھینو! اور اگر اس کا عصیان کیا اسکی روزی بھی کھائی اور اسکے گھر میں سکونت کی ہے تو اسکی جوابدہی کیلئے تیار رہو۔

اس ملاقات سے امام زین العابدینؑ سے حسن بصری کے تعلقات کی نوعیت واضح ہوجاتی ہے۔ امام زین العابدینؑ کے اور حسن بصری کے

تقابلی نظریات:

بعض لوگوں نے آپؑ سے عرض کی کہ حسن بصری کہتے ہیں کہ کسی شخص کے ہلاک ہونے پر تعجب نہیں ہے کہ وہ کیسے ہلاک ہوا بلکہ تعجب اس شخص پر ہے کہ جس نے نجات پائی تو کیسے نجات پائی؟

امام زین العابدینؑ نے جواب دیا کہ میں کہتا ہوں کہ نجات پانے والے شخص پر تعجب نہیں ہے کہ اس نے کیسے نجات پائی؟

---

[1] بحار الانوار ج ۴۶ ص ۱۰۱ و ۲ ۔ چہل حدیث ص ۴۷۹

بلکہ ہلاک ہونے والے پر تعجب ہے کہ وہ خدا کی وسیع رحمت کے باوجود کیسے ہلاک ہوا؟

نتیجہ : غور کیجیے کہ امام زین العابدینؑ نے حسن بصری کے قول کو کس طرح قبول نہیں کیا ہے بلکہ سامعین کو گمراہی سے بچانے کے لئے اسکی اصلاح کی ہے۔

حسن بصری کی داستان سرائی : ایک روز امام زین العابدینؑ نے حجر اسود کے قریب سے گذرتے وقت حسن بصری کو دیکھا کہ داستان کہہ رہے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: اے حسن کیا تم موت کے لئے تیار ہو؟ عرض کیا: نہیں! آپؑ نے فرمایا: پھر تمہارے عمل کا خدا کے لئے حساب ہے؟ عرض کیا! نہیں: آپؑ نے فرمایا: تو عمل کے لئے دوسری دنیا ہے؟ عرض کیا: نہیں! آپؑ نے فرمایا: خدا کی اس زمین پر اس گھر کے سوا کوئی دوسری پناہ گاہ ہے؟ عرض کیا: نہیں! آپؑ نے فرمایا: تو پھر کیوں لوگوں کو طواف کرنے سے باز رکھے ہوئے ہو۔

ملاحظہ فرمایا آپؑ نے کہ حسن بصری خانۂ کعبہ کے پاس قصہ گوئی میں مشغول تھے اور آپؑ نے انہیں اس سے منع فرمایا تھا۔

حسن بصری امام محمد باقرؑ کے زمانہ میں

ہم کہہ چکے ہیں کہ حسن بصری نے امام محمد باقرؑ کی حیات کے ۱۸ سال درک کئے ہیں مرحوم ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے اصول کافی کے باب نوادر میں ا، حوالہ اگلے صفحہ پر۔

عبد اللہ بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ اہل بصرہ میں سے ایک شخص نے کہ جس کا نام عثمان تھا اور جو نابینا تھا، امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی: حسن بصری کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ علم کو چھپاتے ہیں ان کے شکم جہنمیوں کو ایذا پہونچاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اس بنا پر مومن آل فرعون ہلاک ہو گئے۔ جبکہ ایمان چھپانے کے سلسلہ میں قرآن نے ان کی مدح کی ہے۔ اور نوحؑ کی بعثت کے زمانہ سے علم پوشیدہ رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: حسن بصری خواہ کوئی بھی راستہ اختیار کرے، کہیں بھی چلا جائے، خدا کی قسم اس گھر کے علاوہ کہیں علم نہ ملیگا؟[1]

امام محمد باقرؑ کے اس قول۔ حسن بصری خواہ کوئی بھی راستہ اختیار کرے اس گھر کے علاوہ کہیں علم نہ ملیگا،، کے بارے میں مرحوم صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بہ ملا صدرا، کہ جن کی علمی شخصیت روز روشن کی طرح واضح ہے لکھتے ہیں: امام محمد باقرؑ کے مذکورہ کلام کا مقصد یہ ہے کہ حسن اور واعظین و داستان سرا اور صاحبانِ نقل و روایات میں سے ان کے مثل افراد ان لوگوں میں سے ہیں جو آدمی کی صورت میں ہیں، انہوں نے اپنی یاد کی ہوئی باتوں اور روایات کو استعارے، کنایہ اور معانی و بیان سے آراستہ کر کے خود کو عالم کہنا شروع کر دیا ہے[2]

1۔ کتاب العلم حدیث ۱۵ 2۔ ناسخ التواریخ امام زین العابدینؑ ج ۸ ص ۲۰۴۔

لہذا بہت سے افراد اپنی حالت اور علمی صلاحیت پر فریفتہ ہو گئے ہیں اور یہ یقین کر لیا ہے کہ جو کچھ صحابہ و تابعین سے نقل و حکایات کے ذریعہ آیا ہے وہی علم ہے اور بس اور یہی علوم دین ہے۔ بلکہ اس علم کے علاوہ اور سب کچھ بدعت گزاروں کی بدعت اور گمراہ کرنے والوں کا شیوہ ہے، حالانکہ یہ نادانی اور خود فریبی ہے، جس میں علمائے ظاہری مبتلا ہیں، کٹھ حجت اور متکبر اس کنویں میں گر پڑے ہیں اور اسی کو پناہگاہ سمجھ لیا ہے۔ [1]

اہل بیتؑ کے دشمنوں سے حسن بصری کے تعلقات

حسن بصری نے صرف ابتدائی زمانہ میں نیک و بد ہی کو نہیں سمجھا تھا اور اہل بیتؑ کے راستہ کو اختیار نہیں کیا تھا بلکہ ان کے دشمنوں کے ساتھ ان کا رویّہ بہت ہی نرم تھا اور ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ قبل اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ حسن بصری کے اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے دشمنوں سے کس نوعیت کے تعلقات تھے، محبت اہلبیتؑ کے بارے میں چند روایات قلم بند کرتے ہیں:

محبت: خدا اور رسولؐ، اہل بیتؑ، قرآن مجید اور اہل بیتؑ کے چاہنے والوں سے محبت اور اہل بیتؑ کے دشمنوں سے محبت کے بارے میں ضرورت بھر مطالب قلم بند کرنے چاہئیں لیکن فی الحال ہم اہل بیتؑ

---

[1] شرح اصول کافی ملا صدرا، مترجم ج ۱ ص ۲۵۰۔

کی محبت سے متعلق چند باتیں تحریر کر رہے ہیں۔

محبت کی عظمت: اس اہم چیز کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ علاوہ اس کے کہ جو شخص جس قوم کی شبیہ بنتا ہے وہ اسی کے ساتھ محشور ہو گا۔

موسیٰ نمیر نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے آپؐ سے محبت ہے رسولؐ نے فرمایا: تم جس سے محبت رکھتے ہو اسکے ساتھ رہو گے ۔ اس لحاظ سے انسان کے دل میں جو محبت ہے وہی اسکی باطنی واخروی زندگی کی سرنوشت کو معین کرتی ہے۔

اہل بیتؑ کے چاہنے والوں سے محبت

اس محبت پر ائمہ معصومینؑ نے بہت زیادہ زور دیا ہے چنانچہ ابی نجران ابوالحسن سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: جو ہمارے شیعوں سے نزاع کرتا ہے وہ ہم سے نزاع کرتا ہے اور چونکہ وہ ہمارے خمیرے سے پیدا کئے گئے ہیں لہذا جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم میں سے ہے۔[1]

اہل بیتؑ کے دشمنوں سے محبت: محبت صرف دوست کے دوستوں سے کی جانی چاہیئے۔

---

[1] صفات الشیعہ ص ۵ ۴ حدیث۔

اور دوست کے دشمنوں سے محبت کی جائے گی تو اس سے اہل بیتؑ باز پرس کریں گے۔ ابن فضال نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو ہم سے دور ہوا قریب ہے کہ وہ یا ہمارے نے وابستگان سے الگ رہے گا یا اس شخص کی ستائش کرے گا جو ہماری طرف ناروا نسبت دیتا ہے یا ہمارے دشمنوں کو بخشش دیتا ہے وہ ہم سے اور ہم اس سے نہیں ہیں![1]

دوست کے دشمنوں سے دوستی کا نقصان: یہ بات مشاہدہ شدہ ہے کہ کچھ لوگ اہل بیتؑ سے بھی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے محب ہیں اور معصومینؑ کے دشمنوں سے بھی محبت کا اظہار کرتے ہیں امام رضاؑ فرماتے ہیں ان کی ضرر رسانی آخر الزمان کے دجال کی ضرر رسانی سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ آپؑ نے حسن بن خزاز سے فرمایا: کون ہے جو ہم اہل بیتؑ رسولؐ کی محبت کو دستاویز قرار دیتا ہے اور اس کی ہمارے شیعوں کے لئے **خطا کاری** دجال کے نقصان سے زیادہ ہے۔ عرض کرتے ہیں: اے فرزند رسولؐ کیوں؟ آپؑ نے فرمایا: اسلئے کہ وہ ہمارے دشمنوں سے محبت رکھتا اور ہمارے دوستوں سے نزاع کرتا ہے![2]

اہل بیتؑ کے دوستوں کے مخالف ناصبی ہیں: شیعوں کے

---

[1] فضائل الشیعہ ص ۴۹ روایت ۱۱ [2] فضائل الشیعہ ص ۵۰ روایت ۱۲۔

بڑے محدثین اس شخص کو ناصبی جانتے ہیں کہ جو حضرت علیؑ اور آپکی اولاد وامجاد کو برا بھلا کہتا ہے۔ لیکن امام جعفر صادقؑ اس شخص کو ناصبی قرار دیتے ہیں جو شخص ان کے شیعوں کے برا کہتا ہے۔ معلیٰ بن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جو شخص ہمارے لئے ناصبی ہے اسے ناصبی نہ کہو! کیونکہ تمہیں ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جو یہ کہتا ہے کہ محمدؐ وآل محمدؐ میری نظر میں دشمن ہیں۔ لہذا ناصبی وہ ہے جو تمہارے حق میں ناصبی ہے جبکہ وہ یہ جانتا ہے کہ تم ہم سے محبت رکھتے ہو اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرتے ہو، اس کے بعد فرماتے ہیں: جس نے ہمارے ایک دشمن کو سیر کیا اس نے ہمارے ایک دوست کو قتل کیا ہے [1]

اہل بیتؑ کے دشمنوں سے حسن بصری کے روابط: گذشتہ صفحات میں ہم نے اشارۃً یہ بات بیان کی تھی کہ جب بعض لوگوں نے حسن بصری پر یہ اعتراض کیا کہ تم نے حضرت علیؑ کو کیوں برا کہا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میں نے باطل کو باطل، فاسد کو فاسد، کے ذریعہ دور کیا ہے اور تقیہ کیا ہے کہ میرے ایسے روابط ہیں، جبکہ اگر حسن بصری شیعہ ہوتے اور ان میں ایمان کی رمق ہوتی تو وہ جیسا کہ حسین بن عمر نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ مومن فولاد سے زیادہ مضبوط ہے

[1] فضائل الشیعہ ص ۵ حدیث ۱۷۔

کہ جھلانے پر اس کا رنگ پلٹ آتا ہے لیکن اگر مومن قتل کیا جائے اور پھر زندہ ہو اور پھر قتل کیا جائے تو بھی اس کا دل ایمان سے نہیں پلٹتا ہے![1] جبکہ کمزور ایمان والا بھی دنیوی فوائد کے لئے غلط بات نہیں کہتا ہے۔ سعید بن غزوان نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مومن کوئی غلط بات نہیں کہتا ہے[2]۔

حسن بصری و حجّاج: حجاج بن یوسف ثقفی اہل بیت عصمت و طہارتؑ کا بدترین دشمن تھا دشمنان اہل بیتؑ میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ مورخین نے تحریر کیا ہے کہ وہ خونریزی سے باز نہیں رہتا تھا اور کہتا تھا: مجھے خون بہانے میں مزہ آتا ہے۔ مورخین نے نقل کیا ہے اس نے ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں کو قتل کیا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کی قید میں پچاس ہزار مرد تیس ہزار عورتیں پائی گئی تھیں جن میں سے سولہ ہزار برہنہ تھیں۔

نیز منقول ہے کہ ایک روز وہ نماز جمعہ کے لئے جا رہا تھا کہ راستہ میں کچھ لوگوں کی چیخ و پکار کی آواز سنی پوچھا: یہ کیسی آواز ہے لوگوں نے کہا یہ قیدیوں کی آواز ہے جو شدت بھوک سے چلا رہے ہیں۔

حجاج کو حضرت علیؑ اور آپؑ کے شیعوں سے اتنی زیادہ دشمنی تھی کہ علیؑ کے دوستوں کو شہید کرنے کے علاوہ اس نے بہت سے

1۔ فضائل الشیعہ ص ۷۷، حدیث ۴۸۔ 2۔ فضائل الشیعہ ص ۵، حدیث ۵۱۔

صحابہ و تابعین، جیسے کمیل، قنبر، عبد الرحمٰن بن ابی لیلی انصاری اور سعید بن جبیر کو شہید کیا ہے![1]

جس زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی صحابہ و تابعین اور امیر المومنینؑ کے انصار کو چن چن کر شہید کر رہا تھا عین اسی وقت حسن بصری اس سے ملاقات کرتے اور اس ملاقات کے طفیل میں لاکھوں جاں بکف شیعوں کے شہید ہو جانے کے باوجود آرام کی زندگی بسر کرتے تھے اور حجاج جناب کے وعظ و خطابت کی مجلسوں کی بھی تائید کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حجاج کے درباریوں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو کسی اجتماع میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ حسن بصری کی مجلس میں چلا جائے۔

مشہور صوفی۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے ہاتھ چومنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ حجاج کے مرنے کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا: اس سے پوچھا: کیسا مزاج ہے؟ کہا: معرض ہلاکت میں ہوں! لیکن عفو کی امید بندھ گئی ہے، کس عمل کے ذریعہ امید بندھ گئی ہے؟ کہا: ایک دن میں نے حسن بصری کی مجلس میں ان کے ہاتھ چومے تھے، اس کی وجہ سے میری مغفرت ہوئی ہے۔ پس جو بھی بزرگوں کے ہاتھ کو بوسہ دیگا امید ہے کہ بخشا جائے گا![2]

---

[1] تتمۃ المنتہی ص ۶۶ و ۶۷ [2] احوال و آثار شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی ص ۱۴۱۔

حسن بصری اور حجاج کے درمیان یہ دوستی اتنی محکم تھی کہ ابو المفاخر خریجی باخرزی جس وقت اپنی کتاب میں بادشاہ کو دعائے خیر میں یاد رکھنے سے بحث کرتے ہیں تو وہاں حسن بصری کے کلام سے استناد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ جب حجاج کا انتقال ہوا تو حسن بصری نے کہا: **رحمہ اللہ اعرف زمانہ وحفظ لسانہ ودارالسلطانہ!**[1]

اب قارئین حسن بصری کے ان روابط کی رسولؐ سے منقول روایات سے مطابقت کریں۔

رسولؐ نے فرمایا ہے: قیامت کے دن منادی ندا دے گا کہ ظالم وستمگر اور ان کے مددگار کہاں ہیں۔ اس ندا میں یہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے ظالم کے لئے دوات تیار کی ہوگی یا اس کے لئے تھیلی سلی ہوگی یا اس کی خاطر قلم بنایا ہوگا۔ انہیں ظالموں کے ساتھ محشور کیا جائے گا[2] حجاج بن یوسف ثقفی سے حسن بصری کی یہ دوستی، کہ جس سے وہ محظوظ رہے، اور حجاج جیسے ظالم وجلاد کے زمانہ میں، کمیل، قنبر، ابی لیلی سعید بن جبیر و حجر بن عدی اور ہزاروں شیعوں کے خون کی قیمت سے ان کی مجلس کو رونق ملی، اس لئے حسن بصری کو دین اسلام سے خارج سمجھنا چاہیے کیونکہ رسولؐ کا ارشاد ہے: جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لئے ایک قدم اٹھاتا ہے۔ جبکہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ دین اسلام سے

---

1 اوراد الاحباب ص ۱۱۶ 2 بحار الانوار ج ۵، ص ۳۷۳ - ۳۷۷۔

سے خارج ہے[1]

حسن بصری آزادی کے ساتھ وعظ و خطابت کی مجلس منعقد کرتا ہے اور حجاج بن یوسف اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا اور لوگوں کو اس کی مجلس میں شریک ہونے کا حکم دیتا تھا کہ وہ حجاج کے تمام امور میں شریک تھا کیونکہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ظالم اور جو اسکی مدد کرے اور جو اسکے فعل سے راضی ہو یہ تینوں شریک ہیں[2]

حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں: میرے اہل بیتؑ کو برا کہنے اور ان سے مقابلہ کرنے والے اور ان کے دشمنوں کی مدد کرنے والے پر جنت حرام ہے۔ اور جو انہیں برا کہتے ہیں آخرت میں انہیں کچھ بھی نصیب نہ ہوگا اور خدا ان پر نظر کرم نہیں کرے گا، ان کے گناہ معاف نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے[3]

واضح ہے کہ حسن بصری نے شیخین کی خلافت کی تائید کی اور اہل بیتؑ کے کلامی مکتب کے مقابلہ میں، دوسرے کلامی مکتب کی بنیاد رکھی، خراسان میں معاویہ کے گورنر کے سکریٹری مقرر ہوئے، امام حسینؑ کی مدد نہ کر کے یزیدؒ کے لشکر کی مدد کی، حجاج بن یوسف ثقفی سے لیے تعلقات استوار کئے امیر المومنینؑ کے حقیق چاہنے والے سعید بن جبیر، کمیل اور قنبر ابی لیلی کی طرح کسی زحمت میں مبتلا نہ ہوئے؟[4]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۷ ص ۳۷۳ – ۳۷۷ [2] ترجمہ میزان الاخبار ج ۷ ص ۲۷۳ [3] ایضاً [4] ایضاً

اہل سنت کی نظروں میں حسن بصری کی عظمت

تاریخ بتاتی ہے کہ جس سال معاویہ بن ابی سفیان حکومت پر قابض ہوا، اس سال کو معاویہ اور اس کے چاہنے والوں نے عام الجماعت، جماعت کا سال کہا۔ کیونکہ عثمان کے مرنے کے بعد انہوں نے علیؑ مرتضیٰؑ کے شیعوں کے مقابلہ میں سرکاری طور پر اپنی الگ راہ اختیار کی اور معاویہ کو، کہ جسے عمر بن خطاب نے کسرائے عرب کہا تھا، کی پیروی کی اور خاندان عصمت اور رسولؐ کے آسمانی خلیفہ کی مخالفت پر کمر باندھی جس سال حضرت علیؑ شہید ہوئے معاویہ حکومت پر مسلط ہوا حضرت حسن بن علیؑ سے صلح کی دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد، کہ جس پر عمل نہ کیا مسلمانوں کا فرمانروا بن بیٹھا اس سال کو عام الجماعۃ کہنے لگے۔

اس لحاظ سے پیروان معاویہ اور اس کی غاصبانہ حکومت میں جمع ہونے والوں کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے نہ کہ سنت رسولؐ پر عمل کرنے والوں کو، کیونکہ رسولؐ کی ذریت اور آپؐ کے اہل بیتؑ اپنے جد کی سنت کو طلقاء سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں اور گھر کی بات گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اہل سنت والجماعت کا لقب معاویہ نے انہیں دیا ہے۔ اور اس سے اس کا مقصد اپنے چاہنے والوں کو اس سنت پر جمع کرنا تھا جسے اس نے خود ایجاد کیا تھا اور وہ حضرت علیؑ اور آپؑ کے اہل بیتؑ کو گالیاں دینا تھا۔ یہ بدعت ساٹھ سال تک جاری رہی اور کوئی اسے بند نہ کر سکا۔

عمر بن عبدالعزیز نے اسے بند کیا تو امویوں نے اسے قتل کرنے کی سازش کی۔ اس صورت میں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ سنت رسولؐ کی پیروی کرنے والے اہل سنت والجماعت ہیں بلکہ رسولؐ کی سنت پر حقیقی معنی میں عمل کرنے والے صرف اور صرف شیعہ ہیں۔ اور وہی فرقۂ ناجیہ ہیں۔ یعنی عذری ہی وہ ہیں جو سقیفہ کی بیہودی سیاست اور خیانت کے مرتکب نہیں ہوئے اور آج بھی ہمیں یہ فضیلت، اسلامی معاشروں میں، صرف شیعوں ہی میں نظر آتی ہے کہ وہ ہر طرح عالمی استکبار اور اس کی ناجائز اولاد صیہونزم کے مخالف ہیں۔

فرقۂ ناجیہ، شیعوں کے بزرگوں کی نظروں میں، حسن بصری کی حیثیت کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ ہاں اہل سنت کے درمیان ان کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ انہیں زاہدوں، عابدوں، اور علماء و فقہاء کا سردار سمجھتے ہیں۔ ، عالم باعمل [1]

---

[1] جامع کرامات الاولیاء مولفہ یوسف بن اسماعیل ج ۲ ص ۲۱۔ [2] میزان الاعتدال، ذہبی ج ۲ ص ۵۰

متقی، تقیہ[1] اور امام اہل بصرہ کے نام سے یاد کیا ہے، بہت زیادہ تعریف و تمجید کی ہے[2] یہاں تک خیر الدین زرکلی نے محمد غزالی طوسی سے نقل کیا ہے کان الحسن البصری اشبہ الناس کلاماً بکلام الانبیاء واقربھم ھدیاً من الصحابۃ وکان غایۃ فی الفصاحۃ[3]

حسن بصری صوفیوں کی نظر میں

صوفیوں کے متقدمین جیسے خواجہ عبد اللہ انصاری[4] ابی نصر سراج طوسی[5] اور ابو القاسم قشیری، جنہیں اہل سنت امام کہتے ہیں ۵ میں سے ہر ایک نے حسن بصری کی تعریف کے قلابے ملائے ہیں اور اپنے رسائل کی تدوین میں ان کے کلمات کی تاسی ہے اور ان سے استناد کیا ہے۔

ہجویری غزنوی نے انہیں امام عصر اور فرید دہر کہا ہے لکھتے ہیں: اس علم، بلکہ تمام علوم کے حاملوں کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ مختصر یہ کہ انہیں صاحب خرقہ صوفیہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ابو حنیفہ سے روایت کی گئی ہے۔

حافظ حسین کربلائی جو سید عبد اللہ برزش آبادی کے عقیدت مند ہیں لکھتے ہیں:

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵۴ [2] اعلام زرکلی ج ۲ ص ۲۲۶ [3] اعلام زرکلی ج ۲ ص ۲۲۶ [4] طبقات الصوفیہ ص ۲۲۵ و ۲۳۰ ۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

مخفی نہ رہے کہ — درویشوں کے اکثر سلسلے شیخ حسن بصری تک پہونچتے ہیں اور انہیں حضرت امیر المومنین ؑ — علیؑ — کے خادموں اور مریدوں میں شمار کیا جاتا ہے [1] اور یہ مشہور چیز اسلئے ہے تاکہ اس میں کذب وخلاف کو داخل کیا جا سکے۔

مولوی غلام سرور لکھتے ہیں: کتاب کا سرورق، پیروں کا سرخیل، سرشت قطب الاقطاب قدوۃ المحققین الطالبین، مقتداء اہل ولایت — خدا کی پناہ دشمن ولایت کو مقتدائے ولایت کہتے ہیں — قبلۂ ارباب ہدایت، خواجہ عالی شان، حسن بصری شہنشاہ مرسلین کے بڑے تابعین میں سے تھے — علوم ظاہری و باطنی کے حامل تھے، خرقۂ عقیدت امیر المومنین علیؑ کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک سے پہنا تھا [2]

شیخ شہاب الدین ابو حفص سہروردی کے بلا فصل شاگرد سید محمد بن مبارک علوی کرمانی لکھتے ہیں: وہ نبوت کے پروردہ، وہ کان فتوت، وہ بحر علم و گنج حلم و عمل، وہ متقین کے رئیس [3] امام خواجہ حسن بصری [4]، اس کے بعد ان کے بارے میں داد سخن دی ہے، خواجہ ابو الوفا خوارزمی کے شاگرد کمال الدین حسین بن حسن خوارزمی کے جو کہ ۸۴۰ھ میں مارے گئے تھے — لکھتے ہیں: خاندان نبوت کے پرورش یافتہ اور معاشرۂ فتوت کے باریافتہ،

---

[1] آئمہ طاہرینؑ سے حسن بصری کے سلوک کو ملاحظہ کیجئے

[2] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۲۲ [3] سیر الاولیاء ص ۴۲ [4] جواہر الاسرار ورقہ ۸۸ الف

کعبۂ علم و عمل اور آسمان حلم و ورع شیخ المشائخ حسن بصری کے فضائل و محامد بہت زیادہ ہیں... [1]

شاہ نعمت اللہ ولی کے شاگرد وعقیدتمند درویش طبسی لکھتے ہیں :

و ہمائے آشیان ملکوت وشاہباز فضائے جبروت، مکرم نبی اور محترم ولی شیخ حسن بصری ،، اس صوفی کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ خلیفۂ رسول سے جدا ہو جانے والا مکرم نبی اور محترم ولی ہے ؟ اس مشکل کو صوفی حضرات حل کریں۔

مجذوب علی شاہ کبودر آہنگی، مراۃ الحقائق میں کچھ چیز لکھنے کے علاوہ حسن بصری کی قدح بھی مجبوراً تسلیم کرتے ہیں لکھتے ہیں : ضعیف و مسکین عرض کرتا ہے کہ بعض سلسلے حسن بصری کے واسطے کے بغیر بھی حضرت امیر المومنینؑ تک پہونچتے ہیں [2] اس چالاکی سے حسن بصری کے قدح کے مسئلہ کو حل کیا ہے۔ مراحل السالکین میں حسن بصری کو بڑے صحابہ وتابعین جیسے سلمان، ابوذر، عمار ومقداد وکمیل بن زیاد کی فہرست میں رکھا ہے [3] اور معروف کرخی کے خرقہ کو ان تک پہونچایا ہے [4] اور ان روایات کی تردید کی ہے جو کہ حسن بصری کی قدح میں ہیں [5]

فرقۂ نعمت اللہیہ کی ریاست کے دعویداروں میں سے ایک جواد نوربخش بھی ہیں، موصوف نے فرقۂ عبدالحسین ذوالریاستین کے رو سا رکا انتساب حسن بصری سے کیا ہے۔

---

[1] آثار درویش محمد طبسی ص ۲۲۹ از رسالۂ انوار الحقائق [2] مراۃ الحق ص ۳۰ - ۱۵ [3] مراحل السالکین ص ۱۵۲ [4] ایضاً ۱۶۵ [5] ایضاً ۱۶۸ -

اور انہیں اسلام کے ان چھ زاہدوں میں شمار کیا ہے [1] کہ جنہوں نے رسول[ص] کے ۱۳۰ صحابہ کو دیکھا ہے اور جنگ بدر میں شریک ہونے والے ستر افراد سے ملاقات کی ہے [1]

چشمۂ غدیر

حسن بصری شیعہ سربراہوں کی نظر میں

سے سیراب ہونے والی شیعی علمی شخصیتوں نے، آیۂ "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك" رسول خدا اس پیغام "ان علیا مولی المومنین"[3] کو پہونچانے پر مامور ہوئے۔ "وان لم تفعل فما بلغت رسالته" اگر اس اہم پیغام کو نہ پہونچایا تو گویا کار رسالت انجام نہ دیا۔ قرآن و عترت سے کسب فیض کیا ہے لہذا آیۂ "الیوم اکملت لکم دینکم"[4]، کے حکم سے دین کامل ہوا اور "رضیت لکم الاسلام دینا"، کے لحاظ سے حقیقی اور واقعی مسلمان ہیں، کیونکہ امیر المومنین[ع] کے مولا منصوب ہونے اور آپ[ع] کی خلافت کے بعد یہ بتایا گیا تھا کہ تمہارا دین و مذہب، اسلام ہے اب غدیر سے منھ موڑنے والوں کا دین اسلام نہیں ہو سکتا ہے۔

---

[1] اسی کتاب کو ملاحظہ کریں ص ۲۳۴ و ۲۳۵ [2] پیران طریقت ص ۱۱۔ [3] ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم زمانہ رسول[ص] میں اس طرح پڑھتے تھے، یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربك ان علیا مولی المومنین۔ درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ [4] سورۂ مائدہ آیت ۶۷۔

محدث قمی اس سلسلہ میں، کہ حسن بصری کو زہاد ثمانیہ ،، میں شامل کیا گیا ہے اور اس کی شان بتائی گئی ہے، لکھتے ہیں : ربیع بن خثیم، ہرم بن حیان، اویس قرنی، عامر بن عبد قیس، ابو مسلم بن خولانی ، مسروق بن الاجدع، حسن بصری اور اسود بن برید[1] کو زہاد ثمانیہ، کہتے ہیں۔ ان میں پہلے چار افراد مولا علیؑ کے صحابہ میں شامل ہیں وہ زہاد اور اتقیاء میں سے تھے اور آخری چار افراد باطل[2] پر تھے۔ اس صورت میں ابو مسلم بن خولانی و مسروق بن اجدع و اسود بن برید اور حسن بصری باطل والوں میں شمار ہوسکتے ہیں۔

علامہ نہاوندی: عارف، فقیہ حاج میرزا علی نہاوندی بڑے شیعہ علماء میں سے ایک ہیں جب وہ "زہاد ثمانیہ"، کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اور نوبت حسن بصری تک پہنچتی ہے تو لکھتے ہیں : ان مذموم چار افراد میں سے حسن بن ابی الحسن البصری ہیں[3]

فضل بن شاذان: دنیائے تشیع کے قابل فخر فرد، ثقہ اور علماء دین کے مرجع ہیں، حسن بصری کے بارے میں آپ فرماتے ہیں: وہ اپنی ہوا و ہوس کی بناء پر کسی بھی گروہ کے ساتھ ہولیتا تھا[4] اور اسی سے دنیوی منصب حاصل

---

[1] متن میں اضافہ کیا ہے اور بجائے موصوف کے جریر بن عبداللہ لکھا ہے

[2] ہدیۃ الاحباب ص ۱۴۷ [3] بنیان رفیع درجات خواجہ ربیع ۲۹۲ [4] جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ انکے بد سرشت گرو ابن ابی العوجا نے بھی ان سے استاد کا یہی عقیدہ بیان کیا ہے۔

حاصل کرتا تھا اس کے باوجود قدریہ کا رئیس تھا![1]

عماد طبری: مشہور مورخ اور قابل اعتماد ہے۔ حسن بصری کے قبیح اعمال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: مخالفین[2] جب حسنؑ و حسینؑ۔ علیہما السلام کا نام لیتے تھے تو تحقیر کے لئے الف ولام کو حذف کر دیتے تھے اور جب حسن بصری کا نام لیتے الف ولام کے ساتھ لیتے تھے کیونکہ حسن بصری خاندان رسولؐ کے دشمنوں میں سے ایک تھا۔[3]

میر سید حسین بن حسن حسینی علامہ فقیہ شیخ علی، معروف بہ محقق ثانی کے نواسے، شاہ اول کے ہمعصر، حسن بصری کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں ہے کہ یہ حسن غیر حسن ہے[4] اس پر لعن کرنا واجب ہے، کہ یہ اہل بیتؑ کا سخت ترین دشمن ہے[5]۔ دوسری جگہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: واضح ہے کہ حسن کوئی شائستہ انسان نہیں تھا اور اس پر لعنت کرنا واجب ہے، اس نے تمام مخالفوں سے زیادہ حضرت علیؑ کی مخالفت کی ہے چنانچہ آپؑ اسے امت اسلامیہ کا سامری کہتے ہیں اور جب اس سے سامنا ہوا اس پر لعنت کی[6]۔

علامہ نعمت اللہ جزائری: شیعوں کے عظیم اور قابل فخر علماء میں سے ایک ہیں۔

---

1. اختیار معرفت الرجال ج ۲ ص ۹۷، و بنیان رفیع ص ۲۹۲ 2. انکی مراد ائمہ طاہرینؑ کی امامت و ولایت سے دشمن ہیں 3. کامل بہائی باب ششم 4. امام حسنؑ مراد ہیں 5. بنیان رفیع ص ۲۹۳۔

شرح تہذیب میں صوفیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ فرقہ دین اور دینداروں کا دشمن ہے۔ یہ اپنے مذہب کے پہلے دن سے آجتک ائمہ معصومینؑ کے مخالفین کی طرف رہا ہے [1]، جیسے حسن بصری اور سفیان ثوری

مفسر طبرسی: دنیائے تشیعت کے قابل فخر عالم ہیں آپؒ نے احتجاج میں ایسے واقعات نقل کئے ہیں کہ جن سے حسن بصری کی ہوئی ہے اور وہ صوف کے سطاطین میں شمار ہوتے ہیں۔

شیخ بہائی: شیخ بہاء الدین عاملی، معروف بہ شیخ بہائی بڑے شیعہ عالم ہیں آپ اپنی کتاب کشکول میں لکھتے ہیں: حسن بصری نے دین خدا کو برباد کیا: اس سلسلہ میں امام زین العابدینؑ سے اس کے سلوک نقل کئے ہیں۔

علامہ خوانساری: میر سید محمد باقر خوانساری بھی بڑے شیعہ عالم تھے وہ حسن بصری کے بارے میں لکھتے ہیں: حسن۔ بصری۔ نے دین خدا کو برباد کیا اور آئین رسولؐ کی مخالفت کی۔ احکام دین اور شریعت کو بدل ڈالا حسن اموی مسلک کی پیروی کرتا تھا اور ان کی خواہشوں کو پوری کرنے کی انتھک کوشش کرتا تھا۔ دل میں ان کی محبت رکھتا تھا، اشعری مذہب والے ابھی تک اسکے فاسد عقائد پر قائم ہیں۔ بے شک اس نے اپنے بد باطنی کے تیشہ سے حق کی بنیاد کھود ڈالی۔

---

[1] روضات الجنات ... ج ۳ ص ۲۵۸۔

اور باطل کے شعلے بھڑکائے!

علامہ مدرس: میرزا محمد علی مدرس رجال شناس محقق نے اپنی کتاب میں علماء عرفاء فقہاء، فلاسفہ اور شعراء کے احوال و آثار جمع کئے ہیں اور جہاں، زہاد ثمانیہ، کے تمام بیان کئے ہیں وہاں لکھا ہے کہ پہلے چار اشخاص واقعاً و حقیقتاً، زہاد و اتقیاء اور اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے لیکن آخری چار افراد زہاد اشقیاء اور حضرت علیؑ کے مخالفین میں سے تھے، ان کا ظاہری زہد و ورع محض لوگوں کو فریب دینے کیلئے تھا [1] یہیں حسن بصری کو زہاد اشقیا میں شمار کرتے ہیں۔

مولا محمد طاہر قمیؒ: حسن بصری کے بارے میں لکھتے ہیں: جان لو کہ حسن بصری دریائے ضلالت و گمراہی اور بدعت گزاری میں غرق تھا اور شقی و ظالم لوگوں کا مقتدا تھا [3]

علامہ حلیؒ: عظیم الشان شیعہ عالم گذرے ہیں: انہوں نے حسن بصری کے بارے میں اپنی کتاب نہج الحق میں لکھا ہے کہ وہ۔ حسن بصری۔ خاندان عصمت و طہارت کا دشمن تھا [4]

شیخ جواد خراسانی: عہد حاضر کے نمایاں علماء و زاہدوں میں سے ایک تھے۔ آپ حسن بصری کو شیعہ نہیں سمجھتے تھے [5] چنانچہ اپنی کتاب میں

---

[1] روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ج ۳ ص ۲۵۸ [2] ریحانۃ الادب ج ۲ ص ۲۹۵

[3] تحفۃ الاخیار ص ۱۷۵ [4] ایضاً حاشیہ ص ۱۴۹ [5] البدعۃ والتحریف ص ۲۱۔

حسن بصری پر امام زین العابدینؑ کی نکتہ چینی کو نقل کیا ہے [1]

جناب عمید زنجانی : تہران کے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں ، تصوف و عرفان کے بارے میں گہرا مطالعہ رکھتے ہیں حسن بصری کے بارے میں علامہ جزائری کے کلام سے استناد کرتے ہوئے اور لکھا ہے ۔ابتدا میں اسم تصوف حکماء کے اس فرقہ کے لئے استعمال ہوا جو راہ حق سے منحرف ہو گیا تھا اسکے بعد ہنود کے زنادقہ براہمنوں کی ایک جماعت کے لئے استعمال ہونے لگا اسلام آنے کے بعد اہلبیتؑ کے دشمنوں میں سے ایک گروہ ، جیسے حسن بصری سفیان ثوری اور ابو ہاشم کوفی کیلئے استعمال ہوا [2]

علامہ کشی : مشہور رجال شناس ، زہاد ثمانیہ کے بارے میں لکھتے ہیں : حسن بصری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : حسن بصری وہ شخص تھا کہ جو ہر فرقہ کی من پسند چیزمیں ہمنوائی کرتا تھا منصب وعہدہ حاصل کرنے کیلئے رنگ بدلتا رہتا تھا ، قدریہ کا رئیس تھا [3]

حسن بصری کے بارے میں علامہ مجلسی نے شیعہ علماء کی آراء نقل کی ہیں [4]

آیۃ اللہ شہید مطہری نے جہاں عامہ کے متکلمین سے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا ہے وہاں تحریر کیا ہے ۔اہل سنت کے زیادہ تر متکلمین ،

---

[1] البدعۃ والتحریف ص ۳۴ [2] پژوہشی در سیر تکامل تصوف و عرفان ص ۱۵۹ [3] رجال کشی ص ۹۷ [4] بحار الانوار ج ۷ ص ۱۳۷ ۔

شاید ان میں اکثر ایرانی ہیں، ان میں سب سے قدیم متکلم حسن بصری ہے اس کے بعد اس کا شاگرد واصل بن عطا غزال ہے اور دونوں ہی غلام تھے! جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ علامہ مطہری حسن بصری کو سنی جانتے ہیں۔

استاد محقق مصطفوی جنہوں نے احتجاج طبرسی کا ترجمہ و تصحیح کی ہے وہ حسن بصری کا تعارف کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حسن بصری جنگ صفین میں ایک طرف رہا اور لوگوں کو بھی امیر المومنین علیؑ کی مدد سے باز رکھا۔ وزہاد ثمانیہ میں سے ایک ہے، غرور و تکبر کی وجہ سے۔ کہ اکثر زہاد اسمیں مبتلا ہوئے ہیں۔ مرکز علم و معرفت اہل بیتِ رسولؐ سے منحرف ہوا اور انکے مشرب حقیقت و عرفان سے محروم ہوگیا!

فاضل جرقویہ ای: فاضل جلیل جناب سید ہدایت اللہ مسترحمی جرقویہ ای۔ ارشاد القلوب کے مترجم حسن بصری کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں: ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، حسن بصری کی مذمت میں کچھ بیان نقل کئے ہیں۔ اور پھر ان کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا: ہر قوم میں ایک سامری ہوتا ہے اور اس امت کے سامری تم ہو۔ تم بہت سے مسلمانوں کو گمراہ کروگے [۳]

---

[۱] خدمات متقابل اسلام و ایران ص ۵۲۰ [۲] احتجاج طبرسی ج ۱ ص ۱۱ ترجمہ
[۳] ترجمہ ارشاد القلوب ج ۱ ص ۵۸ حاشیہ۔

استاد محقق علی دوانی، کہ دورِ حاضر میں مشہور رجال شناس شمار ہوتے ہیں، لکھتے ہیں: حسن بصری عامہ کے علمار زہاد میں سے ایک ہے حضرت علیؑ سے اسکی دشمنی مشہور ہے وہ قدریہ کا سردار ہے [1]

جناب حسام نقیائی: مشہور صاحب قلم۔ حسن بصری کے متعلق لکھتے ہیں:

حکمیت کے بعد وہ علیؑ اور معاویہ دونوں سے کنارہ کش ہو گئے اور یہ کہتے پھرنے لگے کہ علیؑ نے جنگ کو آخری مرحلہ تک کیوں نہیں پہونچایا یا وہ مصلحت پسند تھے نہ حسینؑ کی مدد کی نہ یزید کا ساتھ دیا، معتزلی، صوفی، سنی سبھی انہیں قبول کرتے ہیں [2]

استاد سید حسن ناظم زادہ لکھتے ہیں: اکثر شیعہ انہیں امیرالمومنینؑ اور ائمۂ طاہرینؑ سے منحرف جانتے ہیں [3]

حسن بصری کے حمایتی

حسن بصری کی حمایت کرنے والوں نے ان کو حضرت علیؑ کی مخالفت سے پاک کرنے کے لئے جو دلیلیں قائم کی ہیں انکی تین قسمیں ہیں۔

جس گروہ نے بعض روایات سے استناد کیا اور نظریہ قائم کیا کہ ایسی روایات سے منصب ولایت پر حرف نہیں آتا ہے۔

1۔ معرفی کتب آسمانی ص ۲۹۳ 2۔ علی آئینۂ عرفان ص ۱۱۴ 3۔ مراۃ الحق ص ۱۳۴۔

انہیں لوگوں میں سے مجذوب علیشاہ کبوتر آہنگی نعمت اللّٰہی بھی ہیں۔

انہوں نے علی بن ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ حسن بصری کہتے تھے: روز قیامت جسوقت علی بن ابی طالب فردوس پر تشریف فرما ہوں گے۔ یہ ایک پہاڑ ہے جو بہشت سے اونچا اور عرش سے نیچا ہے۔ اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ جب آپؑ نور کی کرسی پر تشریف فرما ہوں گے تو سامنے بہشت کی نہر تسنیم بہ رہی ہو گی آپؑ اپنے محبوں کو جنت میں اور دشمنوں کو جہنم میں داخل کریں گے۔[1]

مرحوم کبوتر آہنگی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن بصری حضرت علیؑ کو قاسم جنت وجہنم جانتے ہیں نہ کہ ان کے دشمن ہیں!

جواب: بظاہر بڑی ہی دل نشین بات ہے اور زیادہ تر لوگ اس سے متاثر ہو سکتے ہیں، لیکن ہم امیر المومنین علیؑ کے تمام مخالفوں ایسی روایات نقل کر سکتے ہیں کہ جو ایسی حدیث کے راوی تھے جو فریقین، شیعہ اور اہل سنت کی احادیث کی کتب میں اکثر نظر آتی ہے۔ مثلاً ایک شخص ستر بار کہتا ہے۔ **لولا علی لهلك عمر**[2] اور ہر مشکل حل کرانے کے بعد کہا: اس مشکل سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کے حل کرنے کے لئے علیؑ نہ ہوں۔[3]

---

[1] مراۃ الحق ص ۱۴۲ [2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۸ [3] مناقب خوارزمی ص ۹۶

نیز کہا: اے اللہ مجھے اس مشکل کے پیش آنے تک زندہ نہ رکھ جس کے حل کرنے کے لئے ابوالحسن نہ ہوں!۱ کیا ایسی باتوں سے کہنے والے کے ولایت کے عقیدہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے؟ جنگ جمل برپا کرنے والوں سے شیعہ اور اہل سنت کی احادیث کی کتب میں جو روایات درج ہیں کیا ان کو اس بات کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے کہ عائشہ، امیرالمومنین علیؑ کی ولایت کا عقیدہ رکھتی تھیں۔ بلکہ بعض روایات تو معاویہ، شعبہ بن مغیرہ، عمرو عاص اور بہت سے معاندوں سے آئی ہیں جنہیں انہوں نے حضرت علیؑ کی فضیلت میں رسولؐ سے نقل کیا ہے لیکن یہ ایسے راویوں کے ایمان و اعتقاد کی دلیل قرار نہیں پا سکتی ہیں۔ بلکہ یہ اس انسان کی عظمت پر دلیل ہیں کہ جس کے بارے میں رسولؐ نے ایسا فرمایا ہے۔ اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے حسن بصری کی قدح میں کچھ لکھا ہے ان کی علمی دھاک تھی، روایت اور احادیث سے اچھی طرح واقف تھے اگر ایسی روایت ہے کہ جس کو مشہور اور غیر مشکوک افراد نے نقل کیا ہے ایسے راویوں کے ایمان پر دلیل ہوتیں تو وہ یقیناً طعن وقدح سے پرہیز کرتے۔

۲ حسن بصری کے بعض حامیوں نے تقیہ کا سہارا لیا ہے مثلاً میرزین العابدین شیروانی نعمت الٰہی لکھتے ہیں: حسن بصری کے سلسلہ میں جو بعض روایات میں قدح ہوئی ہے تو اس کا جواب تین طریقوں سے

---

۱ شرح نہج البلاغہ ص ۱۴۱ ومناقب خوارزمی ص ۸۱ ینابیع المودۃ ص ۸۵۔

دیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے ایسی روایات کو تقیہ پر حمل کیا جائے۔ امامؑ نے اسلئے فرمایا ہو تاکہ عامہ پر ان۔ حاحسن بصری۔ کے حالات مشتبہ ہو جائیں اور مذمت سے ان کی عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ ہو جائے۔ اور اگر قدح ضعف و جرح کا باعث ہوتی ہے تو پھر کوئی راوی بھی موثق نہیں ملے گا کیونکہ کوئی بھی جرح و قدح سے محفوظ نہیں ہے۔

بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم اس بات کی طرف اشارہ کریں جو کہ موصوف نے آخر کلام میں بیان کی ہے اور وہ یہ کہ تمام روایات و حدیث جرح و قدح سے محفوظ نہیں ہیں۔

اسمیں شک نہیں ہے کہ شیعہ روات ثقہ تھے ان کی شان میں کبھی بھی ایسی جرح و قدح بیان نہیں ہوئی ہے اور اگر ایسی کوئی چیز تھی۔ کہ نہیں تھی۔ وہ بہت ہی مختصر وقت کے لئے معصومؑ کی اجازت سے تھی جیسا کہ احادیث کی کتابوں میں عمار یاسر کے بارے میں مرقوم ہے۔

لیکن مسئلہ تقیہ: حسن بصری کی حمایت اور ان سے دفاع کے سلسلہ میں شیروانی صاحب نے جس چیز کا سہارا لیا ہے اسے خود حسن بصری نے بھی اپنے متعلق بیان کیا تھا۔ جبکہ زمانۂ معصومؑ میں، صحابہ یا تابعین امامؑ کی اجازت سے تقیہ کر سکتے ہیں جیسا کہ عمار یاسر اور علی ابن یقطین نے کیا تھا

دوسرے اگر حسن بصری کے تقیہ کے سلسلہ میں وہی ثبوت ہے کہ جس کا دعویٰ خود انہوں نے کیا تھا اور کہا تھا۔ ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ یعنی نقصانات کو چھوٹی سی بدی کے ذریعہ دور کرو لے حوالہ اگلے صفحہ پر۔

یہی بات سلیم بن قیس نے حسن بصری کے تقیہ سے مشتبہ کردیا ہے کے عنوان سے ،، مفصل طریقہ سے نقل کیا ہے۔ اگر حسن بصری نے تقیہ کی بنا پر حضرت علیؑ سے عداوت اختیار کی تھی تو جب وہ حالات سازگار دیکھتے تو اسی وقت آپؑ کی خلافت بلافصل کا اظہار کرتے اور یہ بتاتے کہ جو بات حضرات میری زبان سے سنتے ہیں وہ تقیہ کی بنا پر کہتا ہوں اور ان کی اس بات کی معصوم بھی تائید فرماتے ۔ زین العابدین شیروانی جیسے افراد سے یہ کہنا چاہیئے کہ جن علماء دین کو احکام دین کے مسائل اور اعتقادی مبانی میں مہارت حاصل ہے کیا ان کی توجہ اس موضوع پر نہیں تھی ؟ یقیناً اس موضوع کو علماء زین العابدین شیروانی سے بہتر جانتے تھے لیکن حسن بصری کے اعمال وحرکات کو تقیہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسے اہلبیتؑ رسولؐ سے عداوت قرار دیتے تھے ۔

دوسرے یہ کہ لوگوں میں خاندان رسولؐ خصوصاً حضرت علیؑ سے حسن بصری کی دشمنی مشہور تھی کیونکہ آبان فرماتے ہیں : میں اس چیز سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو تم امیر المومنین ۔ علیؑ ۔ کے بارے میں بیان کرتے ہو اور جو کچھ میں نے علیؑ کے متعلق تم سے سنا ہے ۔ یعنی تم میرے سامنے اہل بیتؑ کے مخلص بنتے ہو، علیؑ کی حمایت کرتے ہو لیکن ان کی کینہ توزی میں مشہور ہو اگر یہ دشمنی تقیہ کی بنا پر ہوتی تو ان کے زمانہ کے تقیہ کرنے والے اصحاب وتابعین وانصار ان کے تقیہ سے واقف ہوتے جیسا کہ عمار یاسر کے بارے میں ملاحظہ کیا جاچکا ہے ۔

کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی اجازت سے دشمنان ولایت کے سامنے کچھ باتیں کہدی تھیں صحابہ اور ولایت سے عقیدت رکھنے والے اس تقیہ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ معصوم کی اجازت سے کیا ہے اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی بے ادبی نہیں کی ہے اور اس سے اہم بات یہ ہے کہ عمار یاسر کا تقیہ اہل بیت رسولؐ سے دشمنی میں مشہور نہیں ہوا ہے۔ عمار یاسر کے بارے میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: جب مکہ والوں نے انہیں بیزاری پر مجبور کیا تھا اور خدا کی طرف سے ان کا دل مطمئن تھا تو خدا نے سورۂ نحل کی ۱۰۶ آیت ان کے بارے میں نازل فرمائی اور رسولؐ نے ان سے فرمایا: اے عمار اگر وہ تمہیں دوبارہ اس بات پر مجبور کریں تو تم وہی رویہ اختیار کرنا جو پہلے کیا تھا![1]

جب عمار یاسر سختیوں سے نکل آئے تو حق و حقیقتِ اہل بیتؑ سے دفاع کرنے میں شہادت پانے تک جانفشانی کی، لیکن حسن بصری کی ہمیں ایسی کوئی روش نظر آتی ہے۔ بلکہ اس نے پانچ ائمہؑ کے زمانہ تک دشمنی کی، ان سے بیزار رہا، اور حجاج بن یوسف ثقفی جیسے دشمن سے دوستی اختیار کی۔

اور حسن بصری جو یہ کہتے ہیں کہ میں علی بن ابی طالبؑ سے نہیں بلکہ ایک دوسرے علی سے بغض رکھتا ہوں۔

---

[1] اصول کافی مترجم ج۳ ص ۳۱۰ و ۳۱۱

اگر حقیقت یہی تھی تو چند صدی کے بعد امیر المومنین علیؑ کے کلام کی شرح لکھنے والے ابن ابی الحدید نے جو کہ خود بھی معتزلی تھا، حسن بصری کے بارے میں یہ کیوں لکھا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں علیؑ سے ان کی دشمنی مشہور تھی۔ اور پھر حسن بصری نے جو جملہ شرعی لحاظ سے بیان کیا اور اس سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے، ادفع التی ھی احسن بالسیئۃ۔ نقصانات کا، چھوٹی سی بدی کے ذریعہ تدارک کرو۔

یعنی اسلامی معاشرہ کے لیے عظیم الشان رہبر بلکہ اساس اسلام سے دشمنی کو چھوٹی سی برائی تصور کرتے ہیں!! اس شخص سے دشمنی کی، جس کی ولایت کے اعلان کی اتنی اہمیت تھی کہ جب رسولؐ اپنے کار رسالت کو انجام دے چکے تو ناگہاں آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا الرسول بلغ ما نزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ا،[1] اے رسولؐ اس پیغام کو پہونچا دیجئے جو اس سے قبل آپؐ پر نازل کیا جا چکا ہے اور اگر یہ کام انجام نہ دیا تو رسالت کا کوئی کام انجام نہ دیا۔ یعنی اگر علیؑ کی خلافت و ولایت کا اعلان نہ کیا انہیں خلیفہ وولی منصوب نہ کیا تو آپؐ کی ۲۳ سالہ زحمتیں بے کار ثابت ہونگی۔

یعنی نماز علیؑ کے بغیر، روزہ علیؑ کے بغیر، خمس علیؑ کے بغیر، حج علیؑ کے بغیر، جہاد علیؑ کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر علیؑ کے بغیر

---

[1] سورۃ المائدہ ص ۶۷

مختصر یہ کہ علیؑ کی سیاسی قیادت اور فقہی مرجعیت کے بغیر اسلام کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، یعنی علیؑ کی سرپرستی کے بغیر اسلام، سقیفہ اور امریکہ کے پیش کردہ اسلام کے برابر ہے۔

اور جب روز عید غدیر اس اہم منصب کا اعلان کر دیا گیا تو خدا نے آیۂ: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً[1] کے ذریعہ تائید کی مہر لگادی

کیا ان تمام باتوں کے باوجود اپنی جان بچانے کی خاطر جو کہ کمزور ایمان والوں کے لئے امتحان قرار پائے گی۔ حضرت علیؑ کی دشمنی کو معمولی بدی کہا جا سکتا ہے؟!!

اور اگر ان کی یہ روش مشخص تھی تو ان کے زمانہ کے ان لوگوں نے کہ جن پر ظالم حکومت کی سخت نظر تھی جیسے ابوذر غفاری، محمد بن ابی بکر قنبر، بلال حبشی، مالک اشتر، کمیل بن زیاد، حجر بن عدی، سعید بن جبیر، میثم تمار، ابی لیلی انصاری اور دوسرے صحابہ و تابعین نے حسن بصری کا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا۔ یہاں تک کہ جلاوطن ہوئے، اذیتیں برداشت کیں، مثلہ کئے گئے لیکن معاشرہ کی سیاسی و شرعی مرجعیت۔ جو کہ کتاب اللہ و عترتی کی مانند تفکیک پذیر نہیں ہے۔ سے جدا نہ ہوئے اور اس کی حمایت کرتے رہے۔

---

[1] سورۂ مائدہ آیت ۵۔

ان کے درمیان صرف حسن بصری کا یہ فریضہ تھا کہ وہ اپنی چھوٹی سی برائی انجام دیکر حضرت علیؑ کو برا بھلا کہکر اپنی جان کی حفاظت کریں۔ میرزا زین العابدین شیروانی جیسے اشخاص کا ایک گروہ ہے ہوئے مسئلہ کے لئے۔ جس کا تیسری صدی تک اسلام میں وجود نہ تھا۔ اپنی ریاست مضبوط بنانے کی خاطر ان لوگوں کا دفاع کرتے ہیں جنکے حالات معلوم ہیں اور ان ہی اشخاص مانند اسلام کی بیخ کنی کرتے ہیں۔

اور پھر تقیہ کے مفہوم کو پہلے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تاکہ تقیہ کے مطابق عمل کر سکیں، اگر یہ فرمایا ہے، جس کے پاس تقیہ نہیں ہے اسکے پاس دین نہیں ہے![1] اگر معصوم نے تقیہ کو روئے زمین پر پسندیدہ ترین چیز قرار دیا ہے![2]

اگر یہ فرمایا ہے: جس کے پاس تقیہ نہیں ہے اسکے پاس ایمان نہیں ہے[3] تو تقیہ کا زمانہ اور موقعہ و محل بھی بتایا ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔ انما جعلت التقیۃ لیحقن بھا الدم فاذا بلغ الدم فلیس تقیۃ، یعنی تقیہ صرف خونریزی روکنے کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن جہاں خونریزی لازمی ہے وہاں تقیہ نہیں ہے!

اس صورت میں، جب دشمن اپنے ہاتھ کہنیوں تک خون میں رنگین کر چکا ہو تو کیا پھر بھی تقیہ کیا جا سکتا ہے؟!

---

[1] اصول کافی مترجم ج ۲ ص ۳۰۷ [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۰۸ [3] ایضاً ج ۲ ص ۳۱۱

جب تاریخ کا بد ترین خونخوار حجاج بن یوسف ثقفی اصحاب و تابعین میں سے علمی شخصیتوں کا صفایا کر چکا ہو تو پھر تقیہ کا محل نہیں رہتا ہے۔

جب سانحۂ کربلا رونما ہو چکا ہو تو کیا میدان کربلا ہی میں حسین بن علیؑ کے انصار کو تقیہ کرنا چاہیے تھا اور جان بچا کر نکل جانا چاہیے تھا؟ محبت و عقیدت میں ڈوب کر دلیرانہ جنگ کرنی چاہیے تھی؟!

دوسرے استدلال کا جواب : زین العابدین شیروانی اسکے علاوہ لکھتے ہیں : دوسری وجہ کمزور شیعوں کے ایمان کو محفوظ رکھنے کی خاطر ائمہ نے ایسا کیا ہے۔ جیسا کہ یونس بن عبد الرحمان کی شان میں ہونے والی قدح کو اسی پر حمل کیا گیا ہے۔ کہ حسن بصری کے بعض عجیب وغریب کلمات کو اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر تھے![1]

جو کچھ حسن بصری سے سنا گیا ہے وہ معصومینؑ کے فرمان سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ معصومینؑ کا سارا کلام اسرار آمیز اور نا قابل فہم رموز و اشارات سے پر تھا اور ہے اور اس کے ادراک سے صرف کمزور شیعہ ہی قاصر نہیں تھے بلکہ کبھی تو اپنے خاص پڑھے لکھے سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔

میرزا شیروانی یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ گویا حسن بصری کی حقیقت کے سلسلہ میں معاذ اللہ ائمہؑ نے تقیہ کیا ہے۔ یعنی اسکی اسلئے مذمت کی ہے تاکہ کمزور شیعہ اسکی باتوں سے مانوس نہ ہو سکیں کہ گمراہ ہو جائیں گے۔ کیا مضحکہ

---

[1] حدائق السیاحۃ ص ۱۸۱۔

خیز بات کہی ہے۔

اس صورت میں شیروانی صاحب کے کلام کی اس طرح تصحیح کی جا سکتی ہے کہ معصوم نے اسلئے حسن بصری کی مذمت کی ہے تاکہ کمزور شیعہ اس کے کلام کو معیار نہ بنائیں۔ جبکہ یہ نتیجہ بھی حسن بصری کے انحراف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حسن بصری کی مذمت کی گئی ہے تاکہ ان کا باطل وزہریلا کلام ان لوگوں کے لئے معیار نہ بن جائے جو کہ پہچاننے اور پرکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور حسن بصری نے جس کلامی مکتب کی بنیاد رکھی وہ مکتب یقیناً شیعی کلامی مکتب سے مختلف ہے۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت کے متکلمین حسن بصری کو متکلمین کا امام تسلیم کرتے ہیں اور بہت سے کلامی فرقوں نے حسن بصری کی فکر سے متاثر ہو کر اپنے مکتب قائم کر لئے ہیں جو شیعی متکلمین سے بالکل جدا ہیں۔

حضرات معصومینؑ کا انداز فکر حسن بصری اور اسکی پیروی کرنے والوں کی فکر سے کلی طور پر جدا ہے اور جیسا کہ جناب شیروانی صاحب نے کہا ہے کہ بیشک حضرت علیؑ نے حسن بصری کی مذمت کی ہے اور اسے سامری قرار دیا ہے۔ لیکن اسلئے تاکہ کمزور شیعوں کا ایمان محفوظ رہ سکے یعنی اگر شیعوں میں سے بعض کمزور عقیدہ والے اسلامی معاشرہ کی فقہی قیادت و مرجعیت ــ جو کہ غدیر میں حضرت علیؑ کو عطا ہوئی تھی ــ کے سلسلہ میں حسن بصری کو اپنے لئے نمونہ سمجھتے تو ان کی وہی حالت ہوتی جو امت موسیٰؑ کی ہوئی تھی۔

اس لحاظ سے حسن بصری کے نظریات اور بعض کلمات سامری کے گوسالہ کے مساوی تھے یعنی جس طرح پیغمبر کی عدم موجودگی میں گوسالہ بچھڑے نے امت کو فریب دیا اور صراط مستقیم سے امت کو ہٹایا تھا اسی طرح حسن بصری کے کلمات بھی امت اسلامی کو قرآن مجید کے سیدھے راستے سے منحرف کرتے۔

۳ ایک گروہ نے مجبورًا حسن بصری کی شرم آور روداد کو تسلیم کیا لیکن کہتے ہیں کہ آخری عمر میں انہوں نے اپنے گذشتہ اعمال سے توبہ کر لی تھی اور حضرت علیؑ سے محبت کی سعادت حاصل کر لی تھی۔ اس گروہ کا جواب ہم رجال شناس علامہ حاج شیخ عبد اللہ مامقانی کی تحقیقات کے نتیجہ سے پیش کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں وہ ۔ حسن بصری ۔ حضرت علیؑ کی طرف جھک گئے تھے اور اپنے گذشتہ اعمال وافعال پر پشیمان ہو گئے تھے۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ا،، اگر اسکی کوئی حقیقت ہوتی تو متاخرین بھی اس سے استنباط کرتے جبکہ معاصرین نے جیسے، محدث قمی کہ جنہوں نے متاخرین کی رائے بھی مد نظر رکھی ہے۔ ایسا استنباط نہیں کیا ہے۔

۴ ایک گروہ نے بغیر کسی دلیل کے مطلق طور پر حسن بصری

ا۔ ۱۔ تنقیح المقال ج ا

سے دفاع کیا ہے جیسے سلطان حسین تابندہ لکھتے ہیں: حسن بصریؒ بھی بعض افراد نے طعن کیا ہے اور ان پر اعتراضات کئے ہیں اور انہیں قدریہ کا سرغنہ جانا ہے لیکن اہل طریقت اور عرفاء کا عقیدہ یہ کہ انہوں نے امیر المومنینؑ کو درک کیا ہے اور آپؑ سے کسب فیض کیا ہے آپؑ کے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں [1]

جبکہ ان ہی کے بقول اہل طریقت جیسے مجذوب علی شاہ نے [2] کبھی اشارے کے طور پر اور بعض نے کھلم کھلا طریقہ سے حسن بصری کی مذمت کی ہے اور تمام فرقوں نے ان کے بارے میں سوال اٹھائے ہیں [3]

اس کے علاوہ حسن بصری کا دفاع کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ملا علی القاری کی کتاب " درالاسرار المرفوعہ " کے صفحہ ۴۶۷ کا مطالعہ کریں موصوف نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ حسن بصری کو علی بن ابی ابی طالبؑ سے کوئی سروکار نہ تھا، اور اس موضوع کو ثابت کیا ہے اور کچھ عرصہ قبل جناب عبد الباقی گولپینارلی نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ سن کے حساب سے حسن بصری کی حضرت علی بن ابی طالبؑ سے ملاقات ناممکن ہے [4] البتہ ابھی تک کسی نے ایسی بات نہیں لکھی ہے۔

---

[1] گردش افغانستان و پاکستان ص ۱۱۱ [2] مراۃ الحق ص ۱۴۰ [3] مقدمۂ تحقیق در رسالۂ عرفانی از نجم الدین کبریٰ از ص ۵۸ تا ۷۰ تذکرۂ اقطاب اویسی ج ۱ ص ۵

[4] مولویہ بعد از ص ۲۵۲۔

صوفیہ کی شاخیں

صوفی فرقوں کی تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنید بغدادی کے نام کے بعد کچھ اور اسماء بھی آتے رہے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کسی فرقہ پر منتہی ہوا ہے۔

واضح رہے کہ آج تصوف اور صوفیوں میں فرقہ اور اسکی تشکیلات کے عنوان سے جو چیز نظر آتی ہے اسکی نہ صرف یہ کہ تشیع میں کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ تصوف میں جس چیز کو مبنا قرار دیا ہے وہ بے اساس ہے اور جو چیز اس قوم کے ایجادات میں شمار ہوئی ہے اسے اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں۔ فرقہ اور اسکی تشکیلات بھی صوفیوں کی ایسی بدعتیں ہیں کہ جنہیں متاخرین نے اپنے حالات صحیح رکھنے کے لئے وجود دیا ہے اور اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہجویریوں نے جنیدیوں، نوریوں اور محاسبیوں کے بارے میں خامہ فرسائی کی ہے اور یہ اس بات پر دال ہے کہ وہ جنید بغدادی یا نوری یا محاسبی کی پیروی کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے آپ کا مقصد پورا نہیں ہوتا ہے بلکہ ہجویری کی مراد وہ لوگ ہیں جو کہ جنید بغدادی یا نوری یا محاسبی وغیرہ کے پیرو تھے

بہر حال جنید بغدادی کے بعد معروفیہ کی شاخیں ابو علی رودباری کے وسیلے سے نعمت اللٰہیہ[1] اور ابو بکر شبلی کے وسیلے سے قادریہ[2] محمد ابن رویم کے وسیلے سے رفاعیہ[3] اور ابو بکر بن عجب شاذلی کے وسیلے سے شاذلیہ، اسی طرح جنید بغدادی کے بعد، ابو عثمان مغربی ابو علی رودباری، ابو علی کاتب، ابو القاسم گورگانی، ابو بکر نساج، احمد غزالی، احمد بلخی، شمس الائمہ سرخسی، بہاء الدین ولد برہان الدین ترمذی اور مولانا مولویہ کا سلسلہ جاری رہا[4]

ذہبیہ اغتشاشیہ صوفی حضرات بغیر کسی تاریخی ثبوت کے ایسی چیزوں سے فرقۂ صوفیہ معروفیہ کو ذہبیہ کہتے ہیں، جنہوں نے اسلامی اصطلاحات کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور یہ کہ اس فرقہ کو معروفیہ کیوں نہیں کہتے ذہبیہ کیوں کہتے ہیں، اس موضوع پر خیالی باتیں بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں، ان کو ہم علمی، تاریخی اور تحقیقی اعتراض کے طور پر یہاں خلاصہ کے طور پر قلم بند کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں چونکہ اس فرقہ کے پیروں کی کشف ہونے کے باتیں نکلی گئی ہے اسلئے انہیں سلسلۃ الذہب کہا گیا ہے[5]

---

[1] ولایت نامہ شاہ نعمۃ اللہ ولی، ص ۲۳۔ [2] صالحیہ ص ۳۳۴۔ [3] تذکرۃ الجواہر ص۔ [4] ریاض السیاحۃ ص ۳۔ [5] مولویہ بعد از مولانا ص ۲۸۳۔ [5] میزان الصواب، تالیف محمد اجمل القشری، جلد اول ص ۳۶۹۔

اس صورت میں، "الرسلسلۃ الذہبیہ" کہتے تو زیادہ مناسب تھا۔

نیز کہتے ہیں: چونکہ اس فرقہ کے پیر، علم کیمیاگری جانتے تھے اسلئے انکو ذہبیہ کہا جاتا تھا[1] کہتے ہیں اس فرقہ کے سربراہ وسالک و مرید کو سونے کی مانند پاک وصاف بناتے ہیں اور جب تک اس رتبہ پر پہونچا ہے اس وقت تک دستگیری کا اجازہ نہیں دیتے ہیں[2]

کبھی کہتے ہیں کہ اس فرقہ کو اسلئے ذہبیہ کہا گیا ہے اس فرقہ میں کوئی اہل سنت نہیں رہا ہے بلکہ اس کے تمام مشائخ و اولیاء امامی رہے ہیں[3] جبکہ جنید بغدادی، احمد غزالی، ابوالقاسم گرگانی، ابوبکر نساج اور ابو نجیب سہروردی کے بارے میں یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ مذہب اہل بیتؑ پر نہیں تھے۔

یہ خیال ظاہر کیا ہے چونکہ امام بن علی رضاؑ نے حدیث سلسلۃ الذہب بیان فرمائی ہے اور اس فرقہ کا سلسلہ آپؑ تک پہونچتا ہے اس لئے ذہبیہ کہتے ہیں[4]

یہ بھی کہتے ہیں: چونکہ طب الرضاؑ اور فقہ الرضاؑ تالیف حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ، مامون کے حکم سے سونے کے پانی سے لکھی گئی ہے۔

1- تذکرۃ الاولیاء منظوم راز شیرازی ص ۱۵۴ 2- قوائم الانوار بنام تمام الطلکہ ص ۲۶
3- میزان الصواب ص ۸۶۹ 4- میزان الصواب ۸۶۹۔

اسلئے اس فرقہ کو ذہبیہ کہتے ہیں ۱؎ لیکن فرقۂ ذہبیہ کے بارے میں ہر قسم کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ سے لفظ، ذہبیہ، کی وضع اور اسی طرح اسکی نام گذاری کے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہیں ہو سکی ہیں۔ بقول ڈاکٹر اسد اللہ خاوری کے، جو کہ فرقۂ ذہبیہ سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔ اسلام میں تصوف کے آغاز سے چوتھی صدی ہجری کے آثار جیسے شیخ ابو عبدالرحمان سلمی نیشاپوری متوفی ۴۱۲ھ کی طبقات الصوفیہ اور شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن ابی منصور کی منازل السائرین۔ خواجہ انصاری یا پیر ہروی پیدائش ۳۹۶ وفات ۴۸۱ھ اور حافظ ابو نعیم اصفہانی کی تذکرۃ الاولیاء، ابوالحسن علی بن عثمان غزنوی۔ متوفی ۴۶۵ھ کی کشف المحجوب، استاد ابوالقاسم قشیری ۳۷۶۔ ۴۶۵ھ کے رسالۂ قشیریہ وغیرہ میں کہیں لفظ ذہبیہ کا نشان نہیں ملتا بلکہ چوتھی صدی ہجری کیا پانچویں صدی ہجری میں بھی اس کا سراغ نہیں ملتا۔

یہ لفظ پہلی بار ابو المعالی، عبداللہ بن میانجی ہمدانی الملقب بہ عین القضاۃ ہمدانی کے اشعار میں نظر آیا ہے ایکسویں اشعار کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جو کہ اوصاف المقربین، کتاب میں شائع ہوئے ہیں۔ شاید یہ وجوہ تسمیہ اس انقطاع کی ترمیم کے لئے ہوں جو فرقہ ذہبیہ میں ہوتا رہا ہے۔

۱؎ میزان الصواب فی شرح فصل الخطاب ص ۸۶۹ ۲؎ ذہبیہ تصوف علمی، و آثار ادبی ص ۳۴،۳۵

ذہبیہ کا انقطاع

علمی وتحقیقی استدلال کے بعد ایسی بحث فضول اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہے لیکن ہم بحث کو اسلئے جاری رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ تشیع میں تصوف کی کوئی حیثیت ومقام نہیں ہے۔ چونکہ فرقۂ ذہبیہ کی بحث دیگر فرقوں پر مقدم ہے اس لئے ہم نے یہاں اس کا ذکر ذکر کر رہے ہیں

ذہبیہ میں پہلا انقطاع

امام رضاؑ سے معروف کرخی کی فیضیابی تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنید بغدادی کا سری سقطی سے اتصال نہیں تھا فرقۂ ذہبیہ کے سرداروں کی تعبیر میں یہ تیسرا انقطاع ہے فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کا گیارہواں خرقہ دار عماریاسر بدلیسی ہے۔ جسے صوفی حضرات بڑے ہی احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور صوفیانہ کتابوں میں ان کے بہت سے فضائل نقل کئے ہیں موصوف نے ۳۷ سال عمر گذارنے کے بعد ۵۸۲ھ میں انتقال کیا! ذہبیہ

۱؎ روضات الجنات وجنان الجنان ج ۲ ص ۳۲۲۔

فرقہ کا عقیدہ ہے کہ ان کے بعد فرقہ ذہبیہ اغتشاشیہ کی زمام شیخ نجم الدین کبریٰ نے سنبھالی۔

عمار یاسر بدلیسی اگرچہ نجم الدین کبریٰ کے اساتذہ میں سے تھے لیکن تصوف کے نقطہ نظر سے ان سے ان کی نسبت قابل قبول نہیں ہے

الف : پہلے اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ نجم الدین کبریٰ نے ان سے کس طرح استفادہ کیا ہے وہ خود فرماتے ہیں: علم خلوت و عزت میں نے شیخ عمار یاسر سے حاصل کیا! جبکہ صوفیوں کے رو سار میں انتساب اسوقت ہوتا ہے جبکہ خرقہ پہنا ہو وہ خرقہ وارشاد کی نسبت کو نجم الدین نے خود رد کیا ہے۔

ب : صوفیوں میں رائج اصطلاح کے اعتبار سے عمار یاسر بدلیسی نجم الدین کبریٰ کے پیر تربیت و پیر صحبت تھے۔ جیسا کہ حسین کربلائی نے اس نسبت کی طرف اشارہ کیا ہے۲ اس سے اہم بات یہ ہے کہ نجم الدین کبری نے اپنے اجازات میں عمار یاسر بدلیسی کو اپنا پیر خرقہ بتایا ہے لکھتے ہیں: وقد لبست خرقة تبرك من الشيخ ابي ياسر عمار بن ياسر ابن مطر بن سحاب البدليسي ...۳

---

۱ سلسلۃ الاولیا رسید محمد نور بخش درج در جشن نامہ باسری کاربن ص ۴۸

۲ روضات الجنان وجنات الجنان ج ۲ ص ۳۲۳ ۳ ایضاً ج ۲ ص ۳۰۸

بلکہ سیف الدین باخرزی نے بھی نجم الدین کے واسطے سے اپنے خرقہ اور صحبت کی نسبت عمار یاسر بدلیسی کی طرف دی ہے[1] اور علاء الدین سمنانی نے بھی تینوں واسطوں سے اپنے شیخ صحبت، عبد الرحمان اسفرائنی کا سلسلہ نجم الدین کبریٰ تک پہونچایا ہے اور ان سے شیخ عمار تک پہونچایا ہے[2]۔ سید محمد نور بخش[3] اور معصوم علی شاہ نائب الصدر[4] نجم الدین کبریٰ اور عمار یاسر بدلیسی کے درمیان صحبت کا اتصال جانتے ہیں۔

ج : فرقۂ ذہبیہ کے پیر مجد الدین بغدادی نے اپنے روسا کی فہرست میں عمار یاسر بدلیسی کا نام بیان نہیں کیا ہے[5]۔ اگر مجد الدین فرقہ کے رکن ہیں تو ان کے قول میں کیوں تحریف کی ہے اور انکی بات کو کیوں تسلیم نہیں کیا ہے۔

نجم الدین کے علاوہ، مجد الدین بغدادی[6]، سیف الدین باخرزی[7] علاء الدین سمنانی[8]، شیخ شہاب الدین سہروردی، کمال الدین حسین خوارزمی سید علی ہمدانی، سید محمد نور بخش، شیخ اسماعیل سیسی، ابو المفاخر باخرزی، سید محمد گیسو دراز کے فرزند و جانشین سید اکبر حسینی، عبد الرحمان جامی، حافظ حسین

---

[1] الشیخۃ، نسخۂ خطی، دانشگاہ تہران نمبر ۲۱۴۲ [2] تذکرۃ المشائخ [3] سلسلۃ الاولیاء۔ جشن نامہ ہانری کاربن ص ۲۸ [4] ترجمہ تحفۃ البرقی مسائل العشر ص ۱۹۷ [5] ایضاً [6] سرگذشت سیف الدین باخرزی ص ۵ [7] عرفان اسلامی ص ۱۵۳ [8] روضات الجنان و جنات الجنان ج ۱ ص ۳۴۲۔

کربلائی[1]، عبداللہ یافعی[2]، ابی افلاح عبدالحی[3]، علامہ میر سید محمد باقر خوانساری[4]، مولوی غلام سرور، محمد دارالشکوہ، شیخ محمد طبسی، حکیم محمد مظفر، ملا سلطان گنابادی، محمد جعفر کبوتر آہنگی، مجذوب علی شاہ، مولانا احمد قال فریدی، معصوم علی شاہ نائب الصدر، عبدالحسین خاتون آبادی، شیخ عباس قمی، علامہ محمد قزوینی، محمد تقی منصور علی شاہ، نعمت اللٰہی، ڈاکٹر محمد امین ریاحی، حسین بدر الدین مسعود قاسمی، محمد کاظم امام، علی اکبر دھخدا، یہانتک کہ اسد اللہ خاوری، جو کہ ذہبیہ سے عقیدت رکھتے ہیں ان کا بھی عقیدہ ہے کہ نجم الدین کبریٰ نے اسماعیل قصری سے خرقہ حاصل کیا ہے۔

۵ : فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کی تحریروں میں جو یہ قطع واتصال ہے اسکی تائید فرقۂ ذہبیہ کے پیر حاج میرزا اردبیلی معروف بہ وحید الاولیاء نے بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں: عمار یاسر بدلیسی قدس سرہ جو کہ اپنے زمانہ میں اس سلسلۂ مبارک کے رکن تھے۔ کے بعد جانشین معین نہ ہونے کی وجہ سے سلسلہ میں آج کی مانند فتور پیدا ہو گیا۔ تعجب ہے کہ دور حاضر کے ذمہ دار افراد اپنے مفاد کی وجہ سے وحید الاولیاء کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کے نظریات کو قبول نہیں کرتے!!

---

۱ شذرات الذہب ج ۶ ص ۷۰ ۲ روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ۳ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۳ و ۳۵ ۴ سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۴ ۵ درویش محمد طبسی ص ۲۲۷۔

ذہبیہ کا دوسرا انقطاع

فرقۂ ذہبیہ کے بیسویں پیر اور رئیس خواجہ اسحاق ختلانی کے شاگردوں میں دو افراد صوفیوں کے مشاہیر میں نظر آتے ہیں۔ سید محمد نور بخش اور سید عبداللہ برزش آبادی لکھتے ہیں: خواجہ اسحاق نے رویاءِ صادقہ اور الہام کے بموجب سید محمد قہستانی کو نور بخش کا لقب دیا ہے۔ اور اپنے پیر و مرشد سید علی ہمدانی کا خرقہ انہیں پہنایا اور ان کی مسند ارشاد پر بٹھایا اور یہ کہا: ما آنرا بختیم و آر دبیز او بختیم۔ نیز کہا جو سلوک کا شوق رکھتا ہے وہ سید سے رجوع کرے اگرچہ وہ ہمارے مرید ہیں لیکن حقیقت میں ہمارے پیر ہیں اور ان سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میں مصطفےٰ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور اس آیت کی تلاوت کی "والذین یبایعونک انما یبایعون اللہ"۔ سید محمد نور بخش نے بھی ارشاد کے فرائض انجام دیئے مگر جب سید عبداللہ برزش آبادی نے یہ خبر سنی تو کہا: خواجہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو ہم خواجہ سے الگ ہیں، خواجہ مکاشفہ کے ذریعہ سمجھ گئے اور کہا: ذھب عبداللہ۔

یعنی عبداللہ ہماری بیعت سے نکل گئے[1]! اس ترتیب سے فرقۂ ذہبیہ کے سرداروں کا اتصال دوبارہ ٹوٹ گیا۔ جیسا کہ میرزا زین العابدین شیروانی[2]، معصوم علی شاہ نائب الصدر[3] اور سلطان حسین تابندہ گنا آبادی نے اس انقطاع کی تصریح کی ہے[4]! چونکہ یہاں سے فرقہ ضوابط کے مطابق جاری نہ رہا اس لئے اس میں لفظ اغتشاشیہ کا اضافہ کر دیا۔

تیسرا انقطاع

فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کا ستائیسواں شیخ درویش محمد کارندھی، معروف بہ پیر پالاندوز ہے[5]

بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل پارہ دوز تھا، جو پالان دوز میں بدل گیا ہے۔ جبکہ شیخ محمد کارندھی ان ہی مشخصات کے ساتھ فرقۂ ذہبیۂ نور بخشیہ میں شیخ محمد مشہدی کے نام سے مسند ریاست پر فائز تھے[6] ایسا صوفیوں کے کسی فرقہ میں نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ فرقوں کے پیر اپنی حقانیت کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو باطل کہتے اور دوسرے جھگڑوں میں مبتلا رہتے تھے۔

---

[1] ارصاف المقربین ص ۶۲ [2] مجالس المومنین ج ۲ ص ۱۴۴ [3] بستان السیاحۃ ص ۲۲۳ [4] طرائق الحقائق ج ۱ ص ۲۸۵ [5] سبع المثانی ص ۶۵ [6] ریاض السیاحۃ صورت شجرہ جو تھے کے پیچھے۔

ذہبیہ میں اغتشاش

صوفی حضرات اپنے سیّد و سردار کی اجازت کے بغیر اس فرقہ کو جو کہ دیگر مستقل تشکیلات قبول کرنے کا موجب ہوتا تھا اسے فرقہ میں اغتشاش کہتے ہیں۔ جو سرکشی کر کے مستقل تشکیلات کو وجود میں لاتا تھا تو اس کے نو ایجاد فرقہ کو، اغتشاشیہ،، سے یاد کرتے اور اسے بے بنیاد و غیر معتبر قرار دیتے تھے۔

سیّد عبداللہ برزش آبادی نے اپنے پیر خواجہ اسحاق ختلانی ـ جو کہ صوفیوں کے نزدیک پیری و مریدی کا رابطہ قطع کرنے کا اختیار رکھتے تھے کے حکم کی نافرمانی کر کے نیا فرقہ ایجاد کیا اور اسے فروغ دیتے رہے، اس نو تاسیس فرقہ کو تصوف کے سربراہ اور تذکرہ نویس،، ذہبیہ اغتشاشیہ،، کہتے تھے۔ برزش آبادی کی یہ تحریک بغیر کسی ہنگامہ کے آگے بڑھتی رہی یہاں تک کہ اس زمانہ میں سید قطب الدین محمد تبریزی طرح اس کے ۳۲ ویں پیر ہیں

۱۔ اصول تصوف ص ۶۶۔

تصوف میں۔ شیخ احمد احسائی کی فعالیت ختم ہو جانے اور احمد احسائی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے۔ جو کہ رکن گری وہابیت کے فتنہ کا سرچشمہ ہیں۔ نئے صوفیوں کو برسرکار لایا گیا جنہوں نے اسلامی معاشروں میں استعمار کے ایجنٹوں کے احکام نافذ کئے؟

دوسرا اغتشاش کا مسئلہ بھی وجود میں آیا وہ اس طرح کہ سید قطب الدین تبریزی کے شاگرد جناب محمد بن رفیع جیلانی ساکن محلہ بید آباد اصفہان[2] نے اپنے پیر کے برگزیدہ کی پرواہ کی اور محمد ہاشم درویش شیرازی[3] کا اتباع نہ کیا اور خود ایک فرقہ ایجاد کرنے کا اقدام کردیا[4] فرقہ ذہبیہ اغتشاشیہ سے ان کی اس علیحدگی سے ایک دوسرے اغتشاش سید صدر الدین کاشف دزفولی اور ان کے بعد حاج سید محمد رضا دزفولی اور ان کے بعد سید ظہیر الاسلام دزفولی اور پھر سید اسد اللہ گوشہ گیر دزفولی[5] نے جاری رکھا۔ فرقہ اویسیہ اپنی روش کے مطابق بغیر کسی ثبوت کے ہر شخص کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے چنانچہ شیخ ابو الفضل عنقا کو ظہیر الاسلام دزفولی کا برگزیدہ کیا ہوا بتاتے ہیں[6]۔

البتہ جس اجازہ کو ظہیر الاسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں جو کہ

1۔ ذہبیہ تصوف علمی، آثار ادبی ص ۳۲۵ 2۔ ماثر الکلاطین ص ۲۱۷ 3۔ ذہبیہ تصوف علمی آثار ادبی ص ۳۲۵ 4۔ میزان الصواب ص ۳ د م 5۔ ذہبیہ تصوف علمی، آثار ادبی ص ۳۲۵ 6۔ سراج السالکین یا چراغ رہروان تالیف سید احمد موسوی رملی ص ۸۹۔

شیخ ابوالفضل عنقا کے لئے لکھا گیا ہے[1] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفضل عنقا کے نزدیک وہ صوفی ہے، لیکن اجازہ کے آخر میں ۔ جو اجازہ نویسی کی اصلاً سنت نہیں ہے۔ خلافت وجانشینی کے بارے میں تحریر ہے اوپر اور نیچے کی عبارت اور دستخط میں یکسانیت ومطابقت نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اگر ابوالفضل عنقا رخلافت کا اجازہ رکھتے ہیں اور عبدالقادر جعفری سے قطعی طور پر ایسا اجازہ حاصل نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کے پاس ایسی کوئی سند ہوتی تو، اجازۂ ظہیر الاسلام کی مانند اسے بھی طبع کرتے ۔ تو انہیں اپنے فرقہ کو ظہیر الاسلام کے توسط سے محمد سید آبادی سے اور ان کے توسط سے سید عبداللہ برزش آبادی سے منسوب کرنا چاہئے. اور انہیں منجملہ معروفیہ کی شاخ شمار ہونا چاہئے ۔

ذہبیہ میں تیسرا اغتشاش فرقۂ ذہبیہ کے ۳۵ ویں[2] پیر میرزا ابوالقاسم رازشیرازی کے انتقال کے بعد ان کے مریدوں میں سے دو افراد — کہ جن کے بارے میں خود مرحوم نے لکھا تھا: ان کے حالات بہت اچھے ان کا سلوک مطلوب تھا۔ دونوں نے مسند ارشاد کا اثبات کیا[3] لیکن پھر دونوں ہی اپنے دعوے سے منحرف ہو گئے ۔

---

[1] انوار قلوب السالکین ص ۲۹ [2] ذہبیہ تصوف علمی آثار ادبی ص ۳۶۴ بحوالہ الانوار معروفیہ ص ۶۴۷ [3] ذہبیہ تصوف علمی آثار ادبی ص ۳۹۶ ۔

اور فرقہ کی ریاست وزنام سید جلال الدین مجد الاشراف کے ہاتھ میں آئی لیکن ان کے انتقال سے ایک اور اغتشاش وجود میں آ گیا۔

جس طرح سید عبداللہ برزش آبادی نے اپنے پیر خواجہ اسحاق ختلانی کی کے حکم کی نافرمانی کی اور سید محمد نوربخش کو قبول نہ کیا اور اپنا الگ فرقہ بنایا[1] اسی طرح خاج میرزا اردبیلی نے اپنے پیر کے بھائی سید محمد رضا کے خلاف قدعلم کیا اور اپنے قطب ہونیکا دعویٰ کیا۔

سید جلال الدین مجد الاشراف کے وصیت نامہ کی دوسری کاپی خود میرزا احمد اردبیلی کی تحریر میں درج ذیل مطالب کو شامل ہے۔

"سواد دستخط مبارک جناب مستطاب، سند العارفین اکمل الموحدین والکاشفین وفخر الاولیار الواصلین وقدوۃ العرفار الکاملین قدوس آشیان مجد الاشراف قدس سرہ العزیز کہ بافتخار حضرت مستطاب معارف ومفاخر الکتاب عمدۃ العرفار الکاملین وزبدۃ العلمار المتالہین جناب میرزا محمد رضا متولی، باشی رحمۃ اللہ مرحوم فرمودہ اند"[2]

اس کے علاوہ میرزا احمد وحید الاولیار نے بھی فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ میں انقطاع کی طرف اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں: جب عمار یاسر بدلیسی قدس سرہ جو کہ اپنے زمانہ میں سلسلہ کے رکن تھے جانشین متعین نہ ہونیکی بنار پر آجکی طرح سلسلہ میں تفرقہ واقع ہوا ہے[3] حوالہ اگلے صفحہ پر

---

[1] پہلے بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے [2] یہاں تک خود میرزا وحید الاولیار ہیں۔

ملاحظہ کیجئے کہ میرزا احمد وحید الاولیاء کا عقیدہ ہے کہ حاج سید جلال الدین مجد الاشراف نے کسی کو اپنا جانشین معین نہیں کیا تھا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ میرزا احمد اردبیلی نے جانشین ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ مجد الاشراف لکھتے ہیں: تمام اولیاء اللہ اس فرقہ کے ۳۲ رسالہ افراد کے علاوہ ... سب ہی اولیاء اللہ ہیں لیکن شیخی اور پیش قدمی کی صلاحیت نہیں رکھتے !

جناب ڈاکٹر اسد اللہ خاوری ۔ جو کہ فرقۂ ذہبیہ اغتشاشیہ کے عقیدت مند ہیں اور ان کی والدہ سید جلال الدین مجد الاشراف کی بھانجی ہیں ۔ نے فرقہ کے رؤساء کے شجرہ کو حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ سے معنعن نقل کیا ہے اور سید جلال الدین مجد الاشراف پر لے کر ختم کر دیا ہے [۲]

اس کے علاوہ حاج میرزا احمد اردبیلی معروف بہ وحید الاولیاء کے پاس جو اجازہ تھا جس کی طرف انہوں نے خود بھی اشارہ کیا ہے ۔ وہ لوح جنت الاسمار لکھنے کا تھا کہ جسکو موصوف مجد الاشراف کے مرنے کے بعد اطمینان سے اسے چاہنے والوں کو دیدیا ۔

تعجب ہے کہ جناب احسان استخری نے حاج میرزا احمد اردبیلی سے عقیدت کی بناء پر بغیر کسی دلیل کے لکھدیا ۱۳۱۸ھ میں شیراز میں وارد

۱۔ ذہبیہ تصوف علمی آثار ادبی ص ۴۱۲ ۲۔ شرحیت در تعریف سلسلۂ ذہبیہ درج در مجموعۂ خاتمہ ص ۹۱

ہونے کے بعد انہوں نے نائب الولایۃ کا لقب پایا اور اپنے مرشد قطب زمانہ جناب مجدالاشراف کے وصی و خلیفہ مقرر ہوئے[1] جبکہ یہ دعویٰ حاج میرزا احمد اردبیلی وحید الاولیاء کے لحاظ سے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اسد اللہ خاوری نے بھی بیان کیا ہے ۔ حاج سید محمد رضا کے لئے قبول کیا ہے جیسا کہ حاج شمس الدین پرویزی لکھتے ہیں : مجدالاشراف کے انتقال کے بعد ایران کے فرقۂ ذہبیہ کے تمام فقراء نے جناب سید محمد رضا کی بیعت کی[2]

ذہبیہ اغتشاشیہ میں چوتھا اغتشاش

حاج میرزا احمد وحید الاولیاء کے وہ بے بنیاد دعوے جن کی طرف موصوف نے خود اشارہ کیا ہے مجدالاشراف نے انہیں اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا[3] فرقۂ ذہبیہ کے اس پیر کا زمانہ بھی ختم ہوا اور وہ بروز بدھ ۲۶ صفر ۱۳۷۵ھ کو دنیا سے چلے گئے حاج حب حیدر کو مسند پر بٹھایا گیا۔ ڈاکٹر جناب احسان اللہ استخری نے کسی کا نام لئے بغیر وحید الاولیاء کے بعد رئیس کی طرف اشارہ کیا ہے

یعنی اس سلطان کے بعد اس کے کاروبار اور بازار کی رونق ختم نہیں ہوئی ہے اور یہ متاع برباد نہیں ہوئی ۔

---

[1] اصول تصوف ص ۵۵ [2] سلسلہ ذہبیہ کے قطب کی تعریف میں ایک رسالہ کی شرح سے ہے درج در مجموعہ خاطر [3] اوصاف المقربین تالیف حاج میرزا احمد اردبیلی ص ۶۲۔

فرزانہ اولیاء میں سے ایک مرد ارشاد کے لئے اٹھا اور سالکین کی مسند ہدایت پر متمکن ہو گیا ادام اللہ ظلال ولایتہ ...![1] ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احسان استخری نے انہیں تسلیم کیا ہے اور محمد خواجوی[2] ، سید محمد جعفری[3] ، جناب احمد خویش نویس[4] اور غلام رضا چراغ وغیرہ نے محمد علی حب حیدر کو حاج میرزا احمد اردبیلی کا جانشین جانا ہے۔

مبنائے تصوف کے لحاظ سے ذہبیہ اغتشاشیہ

علاوہ اس کے کہ فرقۂ ذہبیہ کی شیعی اسلام میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن صوفیوں کے رؤساء کے درمیان جو چیز قانون واتصال کے عنوان سے حجیت کی حامل ہے اور اس سے فرقہ کو انقطاع سے الگ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مبنا اس کے بارے میں صدق کرتا ہے۔ ایک فرقہ ہے جو جنید بغدادی عمار یاسر بدلیسی، سید عبداللہ برزش آبادی اور میرزا احمد وحید الاولیا و کا ان کے رؤساء سے اتصال ختم ہو گیا ہے اور آج جو چیز ڈاکٹر گنجویان تک پہونچی ہے، صوفیوں کے نقطۂ نظر سے اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

1۔ اصول تصوف ص ۵۵۲ حاشیہ 2۔ مشارب الاذواق حاشیہ

3۔ مناہیج الانوار المعرفہ ص ۴۷ 4۔ تذکرۂ خواجہ محمد بن صدیق کجانی ص ۱۰۸ کے بعد۔

نعمت اللٰہیہ

معروفیہ کی ایک شاخ، جو کہ صوفیوں کے اعتقاد کے مطابق ہمارے زمانہ تک چلی آرہی ہے، فرقہ نعمت اللٰہیہ وہ ہے جو شاہ نعمت اللہ ولی کی طرف منسوب ہے اور ولی سے پہلے کے رہنما جنید بغدادی کی طرف نسبت دیتے ہیں اور جنید سے سری سقطی سے اور ان کے بعد معروف کرخی سے سلسلہ جوڑتے ہیں۔

صوفیوں کے اس معروفی گروہ نے، ان ناقابل انکار حقائق کے مقابلہ جو کہ کسی فرقہ کی تاریخ میں موجود نہیں ہیں، ایسی دلیلیں قائم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ابھی تک اپنی پوری جد وجہد کے باوجود اس بات کو ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ معروف کرخی علی بن موسیٰ الرضاؑ کے ذریعہ مسلمان ہوئے تھے اور نہ انکی دربانی کے مسئلہ کو ثابت کر سکے ہیں۔ جنید بغدادی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انکا تعلق محمد بن علی قصاب سے ہے سری سقطی سے نہیں! اور یہ کہ وہ حضرت حجۃ بن الحسن العسکری کے نائب میں شمار نہیں ہوتے بلکہ وہ اہل بیتؑ کے مذہب سے بھی الگ تھے یہ ساری چیزیں لاینحل مسئلہ کی صورت میں باقی ہیں۔

نعمت اللٰہیہ شیعوں کے روسا ابھی تک کوئی ایسا جواب تلاش نہیں کر سکے ہیں جس کی تاریخ بھی تائید کر دے اور مسلّم قرار پائے۔

ایران میں نعمت اللٰہیہ کا زوال

نعمت اللٰہی صوفیوں اور تاریخی مطالعہ رکھنے والوں کا عقیدہ ہے کہ صفویوں کے عہد میں صفوی سلاطین خود اخلاقی، دینی اور عرفانی مبانی کے معتقد نہیں تھے بلکہ ان کا اظہار کرتے تھے اور مذہب وعرفان سے اپنے سیاسی مقاصد کے ارتقاء اور اپنی حکومت کی بقا کے لئے فائدہ اٹھاتے تھے [1] اور یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ افکار کلی طور پر فراموش کر دیئے گئے تھے۔ مختصر یہ کہ اس عہد میں چند صدی قبل تصوف وعرفان نے لوگوں کے درمیان اپنی حیثیت گنوادی تھی اور ان کی جگہ بے پروائی، غیر ذمہ دارانہ مداحی، طفیلی بننے اور اتحاد کی چھاچھ [2] فراہم کرنے میں تبدیل ہو گئے تھے [3]

خلاصہ یہ کہ، تکایا، اور درویشوں کی خانقاہیں اس طرح ویران اور منہدم ہوگئی تھیں کہ آج پورے ایران میں ان عمارتوں کا نام بھی سننے میں نہیں آتا ہے [4]

---

1. تاریخ سلسلہ ہائی نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۱۳ 2. آج یہ چیزیں منجملہ فرقہ رفاعی کی رسومات میں سے ہیں 3. تاریخ انشعابات سلسلہ ہائی نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۱۶ 4. دو رسالہ در تاریخ جدید ایران ص ۲۲۔

اور یہ کچھ صفوی سلاطین کے بدرفتار مقربین کی وجہ سے ہوا تھا[1] کہ قطب الدین محمد تبریزی۔ متوفی ۱۱۷۳ھ۔ کے بعض اشعار ہیں جو ایسے ماجرے کی تائید کرتے ہیں[2] اور حاجی زین العابدین شیروانی مست علی شاہ۔ نعمت اللہی کے رئیس۔ کا خیال ہے تقریباً ستر سال تک ملک ایران فقر طریقت سے خالی رہا اور کسی کے کان نے طریقت کا نام نہیں سنا اور کسی کی نگاہ وچشم نے فقر نہیں دیکھا[3] جبکہ اس زمانہ میں۔ جس کا ذکر حاجی شیروانی کرتے ہیں۔ صوفیہ ذہبیہ کبرویہ نوربخشیہ کے دو فرقے امیر سید محمد نوربخش سے اپنی نسبت درشتہ صحیح کررہے تھے اور ذہبیہ اغتشاشیہ جو کہ اپنا سلسلہ سید عبداللہ برزش آبادی تک پہونچاتے ہیں۔ خراسان وشیراز میں مجالس منعقد کررہے تھے اور مرید بنارہے تھے۔

ایران میں نعمت اللہیہ کے رئیس نہ ہونے کو حاجی شیروانی نے اس طرح بیان کیا ہے: ایران میں طریقت کا نام عنقا وکیمیا کی مانند ہوگیا تھا[4] اور یہ سلسلہ ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۰ھ[5] تک جاری رہا، اور اسی زمانہ شاہ نعمت اللہ ولی کے بعد بارہویں پیر شاہ رضا علی دکنی نے اپنے شاگردوں میں سے دو آدمیوں،، میر عبدالحمید معصوم علی شاہ اور شاہ طاہر دکنی کو ایران میں رسوم کے احیاء اور فرقۂ نعمت اللہی کی بنیاد رکھنے کے لئے بھیجا۔

---

[1] دو رسالہ در تاریخ جدید ایران ص ۳۲ [2] لطائف العرفان ج ۱ ص ۱۹۳ [3] ریاض السیاحۃ ص ۶۵۴ و ۶۵۵ [4] ایضاً [5] رہبران طریقت از سلطان گنا آبادی ص ۳۰۶

نعمت اللٰہی فرقے کے سسٹم میں تبدیلی

حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ سے معروف کرخی کے انقطاع اور جنید بغدادی کا سری سقطی سے اتصال ختم ہو جانے کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں نعمت اللٰہیہ میں بھی اولین انقطاع ریاستی موسّس و بانی نعمت اللٰہیہ کے انتقال کے بعد ہوا ہے جسکی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔

اسی زمانہ میں محمد شاہ بہمنی نے نعمت اللہ ولی کے لئے اتنا گراں قیمت ہدیہ بھیجا تھا کہ اسپر ستر ہزار تومان مالی ٹیکس لگا تھا۔ اور ان کے پوتے نے شاہزادہ کے عنوان سے سلطان احمد شاہ بہمنی، بادشاہ دکن کی بیٹی سے شادی کی تھی اور شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ ولی اور ان کی اولاد بڑے دنیوی عہدوں پر فائز ہوئے اور حیثیت والے بن گئے۔ بلکہ دونوں بھائیوں میں سے ایک صاحب تو شاہی اور حکومتی امور میں مداخلت کی فکر رکھتے تھے لیکن بادشاہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے دوسرے بھائی اپنی حد سے آگے نہ بڑھے۔

---

۱ طرائق الحقائق ج ۳ ص ۲۹۳۔

اور بادشاہی امور میں مداخلت نہ کی تو ان مصائب میں مبتلا نہ ہوتے[1]

اس بادشاہی جاہ وحشم نے برہانُ الدین شاہ خلیل اللّٰہ کے والد کو تصوف کے راستے سے ہٹا دیا اور یہ چیز نعمت اللّٰہی خانقاہ نشین پیر کو دربار میں لے آئی۔ علاءالدین شاہ احمد بہمنی بادشاہ دکن کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہر چیز متاثر ہوئی۔ یہاںتک کہ نعمت اللّٰہی صوفیوں کے راس ورئیس صوفی کا تصوف بھی متاثر ہوا۔ اور جب تک فرقہ کی زمام نسلاً بعد نسل شاہ نعمت اللّٰہ کی اولاد میں رہی نعمت اللّٰہی فرقہ کے رؤسا رعیت پر حکومت کرتے رہے کہ شاہ نعمت اللّٰہ ولی کے زمانہ سے انہیں اوقاف اور خزانہ کا مالک بنا دیا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ غیر صوفی مورخین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ شاہ نعمت اللّٰہ ولی کے انتقال کے بعد فرقۂ معروفیہ نعمت اللّٰہیہ صوفی رجحان سے فیوڈل پارٹی میں تبدیل ہو گیا اور شاہ علی رضا دکنی کے زمانہ تک اسی حالت میں رہا، مو خر الذکر کو اس کی تعمیر نو کی فکر ہوئی۔

اور نعمت اللّٰہی صوفیوں کے فکری اعتقاد کا فیوڈل کی حکومت میں تبدیل ہو جانے کی بہترین دلیل یہ ہے کہ صوفی فرقہ کے رؤسا میں فرمان نویسی کو اسی روز سے اہم سمجھا جاتا ہے جس دن سے خانقاہ کو منظم شکل ملی تھی۔

1۔ طرائق الحقائق ج ۳ ص ۱۰۲۔

کیونکہ خلافت و جانشینی کا موضوع مسلک تصوف کے ضروریات میں سمجھا جاتا ہے اور اس پر صوفیوں کے تقریباً تمام سلسلے متفق ہیں!

جیسا کہ جنید بغدادی نے بھی ابو محمد جریری کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا[2] اور ابو الحسن خرقانی، ابو محمد سعید ابو الخیر کے بارے میں لکھتے ہیں: میں تمہیں اپنا ولی عہد مقرر کرتا ہوں[3] اور زبان سے ایسے کلمات ادا نہیں کرتے تھے۔ جیسے شیخ الورئ کہف الدین اسماعیل قصری نے نجم الدین کبریٰ سے کہا: تمہارا کام ختم ہوا اب تم خوارزم جاؤ اور دنیا والوں کو خدا کی طرف بلاؤ۔ اس سے انکی مراد یہی ہے[4]

البتہ یہ عہد تحریری صورت میں بھی آجاتا تھا جسے ارشاد نامہ یا اجازۂ خلافت کہا جاتا تھا، اجازت ناموں کی کاپیاں تصوف کے متون میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

نمونہ کے طور پر، رضی الدین علی لالا[5] سعید الدین حموی[6] سیف الدین باخرزی[7]، شیخ محمد لاہیجی[8]، شیخ حیرتی باشی[9]، ابو عبد اللہ محمد، شیخ عماد الدین فضل اللہ مشہدی[10] کے اجازت نامے نقل کئے ہیں۔

---

[1] تاریخ خانقاہ در ایران ص ۲۵۷ [2] تذکرۃ الاولیاء طبع منوچہری ص ۵۰۵
[3] کشف المحجوب ص ۲۰۴ و ۲۰۵ [4] طرائق الحقائق ج ۲ ص ۱۰۶ [5] روضات الجنان و جنات الجنان ج ۲ ص ۳۰۵ [6] ینبوع الاسرار فی نصائح الابرار ص ۲۶ [7] دو رسالۂ عرفانی از نجم الدین کبریٰ ص ۲۵۰ [8] دیوان و رسائل اسیری لاہیجی ص ۳۳۹ [9] روضات الجنان و جنات الجنان ص ۳۹۶ [10] مجالس المومنین ص ۳۲۰ و ۳۲۱

یہاں تک کہ شیخ عبداللہ یافعی شاہ نعمت اللہ ولی کے استاد نے اپنے زمانہ کے چھ مشائخ سے اجازات حاصل کئے تھے[1]۔ تو پھر شاہ نعمت اللہ نے ان رسائل کے مالک ہونے کے باوجود کہ جنہیں چار جلدوں میں طبع کیا ہے۔ اپنے بیٹے اور اپنے جانشین کے لئے کیوں اجازہ نہیں لکھا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ صوفیوں کا وہ سردار کہ جس نے بادشاہت کی طریقہ سے حکومت کی ہو اور جس کے بارے میں لکھا گیا ہو کہ ان کے بے شمار مرید و معتقد تھے وہ اپنے بعد ہونے والے رئیس کے نام اجازہ نہیں لکھے گا؟ جہاں ان کے تمام رسائل محفوظ ہیں اگر انہوں نے اپنے بیٹے برہان الدین شاہ خلیل کو اجازہ لکھا ہوتا تو وہ بھی ضرور محفوظ ہوتا اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شاہ نعمت اللہ کے بیٹے کے پاس ایسا اجازہ نہیں تھا جو ان کے بیٹے کی جانشینی پر دلالت کرتا ہو۔ شاہ نعمت اللہ کے بعد جو چیز جاری رہی وہ اوقاف و خزانہ کی سرپرستی تھی اور اہم ترین موضوع یہ ہے بیسویں سے ۲۶ رویں پیر تک کے حالات معلوم نہیں صرف اسماء موجود ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایک زمانہ کو انہوں نے صرف نام سے پر کرنا چاہا ہے ورنہ شاہ نعمت اللہ ولی اس شہرت کے باوجود انکے جانشینوں کو گمنام کر دیا جائے جبکہ ان سے پہلے کے رؤسا کے مشخصات مکمل طور پر مرقوم ہیں! ایسا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شاہ نعمت اللہ۔ جنکا تصوف شہرت کے اوج پر پہونچ گیا اور انکی کوئی بات مخفی و پوشیدہ نہ رہی۔ سب کے حالات محفوظ ہوتے

---

[1] زندگی شاہ نعمت اللہ ص ۱۵۔

نعمت اللٰہیوں کا ایران میں اعتبار نہیں

تصوف میں فرقہ کی سربراہی کے کچھ مخصوص احکام و قوانین اور آداب و سنن ہیں تصوف میں ان کی اہمیت ہے اور ان پر خاص طور سے توجہ دی جاتی ہے۔ اسی زمانہ میں کہ جب متصوفین نے خانقاہ کے داخلی مقامات کے طبقات اور مناصب معین کئے اور اختیارات تقسیم کئے تھے فرقہ کی سربراہی کا مسئلہ اس کے تمام اختیارات کے ساتھ معین ہو گیا اور پیر کے انتخاب کا لائحۂ عمل ۔ اور فرقہ کو جاری رکھنا ۔ کہ جسکی آجتک رعایت کی جاتی ہے پاس کر دیا گیا ۔ منجملہ ان مسائل کے کہ تصوف میں جنکی رعایت کرنے کو واجب سمجھا جاتا ہے اس فرقہ سے بے توجہی متصوفہ کے قوانین کی ڈگر سے الگ ہٹ جاتا ہے ۔ فرقہ کی ترویج کے لئے اجازہ دیا جاتا ہے ۔ ایسے اجازہ کے حامل کے اختیارات رعیت دپیر اور جمع آوری کرنے میں محدود ہیں ۔ سید معصوم علی شاہ دکنی بھی اذن یافتہ لوگوں میں سے ایک ہیں جو کہ نعمت اللٰہیہ فرقہ کے رئیس وقت کے حکم سے ، رسوم کے احیاء [1]

---

[1] تاریخ سلسلہای نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۱۸ ۔

اور نعمت اللّٰہیہ فرقہ کی تاسیس و ترویج[1] کے لئے ایران بھیجے گئے[2]!

معصوم علی شاہ دکنی کے ساتھ طاہر علی شاہ بھی مامور ہوئے تھے[3]۔ فرقہ وارانہ ایک محدودیت ہوتی ہے کہ صوفیوں کے تمام فرقوں میں آج اسکی ضرور رعایت کی جاتی ہے اگر ایسی محدودیت پر عمل اور توجہ نہ ہو تو فرقہ کے پیر کے حکم سے تقرر کا پروانہ سرکشی کے عنوان سے لغو ہو جاتا ہے اور مامور کو معاشرۂ تصوف سے نکال دیا جاتا ہے۔

یہ محدودیت کچھ ایسی ہے کہ تبلیغ پر مامور انسان کو صرف عوام کو اپنی طرف راغب کرنا اور انہیں فرقہ کے سردار کی خدمت میں پہونچانے کا اختیار ہوتا ہے اور اگر وہ اس کے برخلاف عمل کرے گا، یعنی لوگوں کو اپنی پیروی کی دعوت دے گا، خود اسکی کھوپڑی میں رئیس بننے کی فکر ہو گی تو رئیس وقت سے اسکا ارتباط و اتصال منقطع ہو جائے گا اور فرقہ میں اغتشاش پیدا ہو جائیگا۔

معصوم علی شاہ اور طاہر علی شاہ کو بھی انہیں اختیارات کے ساتھ مامور کیا گیا تھا۔ انہیں نعمت اللّٰہیہ فرقہ کے رئیس وقت شاہ علی رضا کے تابع رہنا چاہئے تھا جبکہ ان میں سے ہر ایک شاہ علی رضا کی حیات میں ایران میں مستقل طور پر دستگیری کرتے تھے[4]!

---

[1] سیری در تصوف و عرفان ایران از مجموعۂ عبد الصمدؒ [2] ریاض السیاحۃ ص ۶۵۴ و ۶۵۵۔

[3] تاریخ سلسلہ ھائی نعمت اللّٰہیہ در ایران ص ۲۳۔ [4] ایضاً ص ۲۱۔

اسی وجہ سے ایران میں فرقۂ نعمت اللّٰہیہ کا۔ معصوم علی شاہ کے زمانہ سے۔ بظاہر نعمت اللّٰہیہ کا اصلی سلسلہ دکن سے منقطع ہوگیا [1] تعجب کی بات یہ ہے کہ شاہ طاہر دکنی، اور معصوم علی شاہ دکنی کے مرنے تک انکے پیر و مرشد شاہ علی رضا ہی رہے [2] یعنی فرقہ کے اصلی رئیس ہندوستان میں رتق و فتق میں مشغول تھے۔ اور ایران میں معصوم علی شاہ کے برگزیدہ نور علی شاہ اصفہانی تبلیغ پر مامور۔ اور آجکل خانقاہی اصطلاح میں ان کے اختیارات شیخ مجاز کی حد تک تھے۔ اور فرقۂ نعمت اللّٰہیہ کے رئیس کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ اور ٹھیک اسی زمانہ میں فرقہ کے اصلی رئیس شاہ علی رضا دکنی اور ان کے بعد آجتک ان کے جانشین۔ ہندوستان میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔ اس صورت میں جو کچھ نعمت اللّٰہیہ کے عنوان سے ایران میں رائج ہے وہ اغتشاشی ہے جیسے معصوم علی شاہ دکنی نے رواج دیا ہے کیونکہ صوفیوں کے نقطۂ نظر سے ایران کے نعمت اللّٰہیوں کے رؤسا کا اصلی مرکز۔ جو کہ ہندوستان میں تھا سے تعلق منقطع ہوگیا۔ اور ایران میں اس فرقہ کی ریاست کا دعویٰ کرنے والوں اور شاہ علی رضا کے درمیان کوئی رابطہ نہ رہا اور یہ بنیادی مشکل اہل علم و محققین سے پوشیدہ نہ رہی جیسا کہ صدوقی سُہا اس واقعہ کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللّٰہیہ در ایران ص ۲۲ [2] ایضاً ص ۲۲۔

اصل میں ایران کے قفقار کا ارتباط شاہ علی رضا دکنی کی حیات ہی میں منقطع ہو گیا تھا اور یہ بات تاریخی ثبوت سے خالی نہیں ہے [1] مختصر یہ کہ معصوم علی شاہ دکنی شیخ تھے نہ کہ قطب، اس کے باوجود انہوں نے خلیفہ معین کر دیا... اس سے تو سلسلۂ نعمت اللٰہیہ سے انقطاع کی بو آتی ہے [2]

نعمت اللٰہیہ میں اغتشاش معصوم علی شاہ دکنی کا ۱۲۱۱ھ یا ۱۲۱۲ھ-[3] میں انتقال ہوا۔ ایران کے نعمت اللٰہیہ صوفیوں کے ہندوستان سے ربط ختم ہو جانے سے فرقۂ معروفیہ نعمت اللٰہیہ میں اہم اغتشاش پیدا ہوا۔ میرزا محمد علی نور علی شاہ طبسی اصفہانی، فرقۂ نعمت اللٰہیہ کے پیران پیر۔ رئیس کل۔ شاہ علی رضا دکنی کی حیات ہی میں منصب ریاست پر پہونچ گئے۔ انکے بعد حاجی محمد حسین زین الدین حسین علی شاہ خوانساری اصفہانی انکے جانشین ہوئے اور جب ۱۲۳۴ھ میں کربلا میں انکا انتقال ہو گیا تو حاجی محمد جعفر قرہ گوزلوی، مجذوب علیشاہ ہمدانی رئیس بنے [4]

لیکن حسین علی شاہ کے انتقال کے بعد مجذوب علی شاہ کبوتر آہنگی اور حاج ملا محمد رضا ہمدانی کوثر علی شاہ کہ دونوں کے پاس نور علی شاہ کا اجازہ تھا۔

---

[1] و [2]۔ دو رسالہ در تاریخ جدید تصوف ایران ص ۳۰ [3] پیران طریقت از جواد نوربخش ص ۵۹ [4] پیران طریقت از سلطان گنآبادی ۱۹۶۔

ریاست کے سلسلہ میں دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ مگر جب ۲۲، ذی قعدہ ۱۲۳۹ھ میں مرض وبا میں مجذوب علی شاہ کا انتقال ہو گیا۔ جبکہ کوثر علی شاہ و صدر الممالک اردبیلی و حاج محمد خان ان کے چچا وہاں موجود تھے انہوں نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا، قطب منصوب کرنے کے سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی![1] احتضار کے وقت صرف یہ کہا تھا: میری بیماری وبا ہے، میں مرجاؤں گا، میں نے صندوق میں ایک کپڑا رکھ چھوڑا ہے اس کا کفن دینا اور سید حمزہ کے مقبرہ میں دفن کرنا اور میری نماز جنازہ جناب میرزا نصر اللہ پڑھائیں گے اس کے علاوہ میری کوئی وصیت نہیں ہے۔[2]

کوثر علی شاہ حسب سابق نور علی شاہ اصفہانی کے اجازہ کی بنا پر مسند ریاست پر باقی رہے[3] لیکن جب حاجی زین العابدین شیروانی مست علی شاہ کو مجذوب علی شاہ کبوتر آہنگی ہمدانی کے مرنے کی خبر ملی — جیسا کہ دلستان السیاحۃ میں لکھا ہے۔ تو کہا: مرحوم نے تبریز روانہ ہونے سے قبل انہیں بلایا اور سلسلہ کے فقراء کی سرپرستی انہیں سپرد کی اس لئے موصوف نے کوثر علی شاہ سے تجدید عہد نہ کیا اور انہیں تسلیم نہ کیا اور فرقہ نعمت اللّٰہیہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔[4]

---

[1] سیری در تصوف و عرفان از محمود عبد الصمد ص ۹۸ و ۹۹ [2] تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللّٰہیہ در ایران ص ۷۰ [3] ایضاً ص ۷۲ [4] ایضاً۔

اس سلسلہ میں کیوان قزوینی منصور علی شاہ کا خیال ہے کہ اس سیاح شیروانی صاحب کتاب بستان السیاحۃ نے قطبیت کا دعویٰ غلط کیا ہے بالکل ایسے جیسے خلافت غصب کی تھی اور خود کو مست علی کا لقب دیا تھا! حجت بلاغی لکھتے ہیں: مجذوب علی شاہ کے بعد قطب سید حسین استر آبادی ہیں۲...

نعمت اللٰہیہ اغتشاشیہ میں انقطاع

معصوم علی شاہ نے صوفیوں کی سنت اور ان کے قانون کے خلاف عمل کیا تھا یعنی فرقۂ نعمت اللٰہیہ کے ۲۸ ویں رئیس، اپنے پیر شاہ علی رضا دکنی۔ جس نے انہیں ایران بھیجا تھا۔ کی اجازت کے بغیر نور علی شاہ اصفہانی کو ایران میں فرقہ کا رئیس مقرر کر دیا۔

اس سے ایران کے نعمت اللٰہی رؤسار کی ریاست کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ لیکن اس خودسری کے بعد حاجی زین العابدین شیروانی مست علی شاہ کے زمانہ میں ایک اغتشاش کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور موصوف بغیر کسی اجازہ کے مسند ریاست پر بیٹھ گئے جس سے فرقۂ نعمت اللٰہیہ میں پہلی بار انشعاب پیدا ہو گیا ۱۲۵۲ھ میں حاجی شیروانی عالم باقی کی طرف روانہ ہو گئے تو حاجی زین العابدین، معروف بہ مرزا کوچک، الملقب بہ رحمت علی شاہ شیرازی نے۔ جو کہ ۱۲۰۷ھ میں کاظمین میں پیدا ہوئے تھے،

۱؎ مقامات العرفا، ص ۱۶۶ ۲؎ کیوان نامہ ج ۲ ص ۱۰۸، ۱۱۱۔

اور دس سال کی عمر سے شیراز میں زندگی گذار رہے تھے اور مجذوب علی شاہ ہمدانی کے زمانہ میں سے فرقہ نعمت اللہیہ میں ان کا ذکر تھا۔ جانشینی کا دعویٰ کر دیا۔ جبکہ رحمت علی شاہ کے اجازہ کے سلسلہ میں نہ مولف کو طرائق الحقائق میں کوئی ثبوت ملا ہے اور نہ دوسری جگہ کوئی مطلب ملا ہے معلوم نہیں کہ مرحوم رحمت علی شاہ کس سے دستگیری کا اجازہ حاصل کیا ہے [1]

البتہ رحمت علی شاہ خود اسطرح قصہ نقل کرتے ہیں: ہمدان میں جس کمرہ میں انہیں ٹھہرایا گیا تھا، اور جہاں وہ عبادت میں مشغول تھے، صبح وسویرے جناب مجذوب علی شاہ دروازہ سے نکلے اور فرمایا بیٹا! بحمد اللہ تمہارے مجاہدات وریاضیات خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو گئے ہیں، مقصد کا خزانہ مل گیا ہے اور اسکی کلید کنجی۔ یہ کاغذ ہے، اسے لیکر فوراً سوار ہو جاؤ اور اس پُر خوف و خطر راہ سے نہ گھبراؤ، جہاں کہیں بھی حاجی شیروانی کو پانا یہ رقعہ انہیں دیدینا اور باطنی طور پر ہمیشہ انکے ساتھ رہنا، انہیں تنہا نہ چھوڑنا تمہارا یہ کام گویا کہ رحمت کا طواف ہے۔ رحمت علی شاہ ایک ہفتہ میں قمشہ اصفہان پہونچے، حاجی شیروانی ابھی ابھی اہل وعیال کے ساتھ کاروانسرائے میں اترتے تھے، بیٹھ بھی نہیں پائے تھے کہ انہوں نے سلام کیا اور وہ رقعہ انہیں دیا، پڑھا تو کہا سب کچھ تمہارے سپرد کر دیا ہے اور کچھ نہیں لکھا ہے سرائے سے پیدل باہر چلے گئے [2]!

اگر مذکورہ باتیں صحیح ہیں تو اہمیت کی حامل ہیں، کیونکہ اس لحاظ سے رحمت علیشاہ مجذوب علیشاہ کے جانشین ہیں۔

---

[1] تاریخ نعمت اللہیہ در ایران ص ۱۱۷ [2] طرائق الحقائق ج ۳ ص ۳۸۹۔

نعمت اللٰہیہ سے سختی اٹھالی گئی

جن حضرات نے فرقۂ نعمت اللٰہیہ کے بارے میں قلم اٹھایا ہے ان سب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شاہ نعمت اللہ ولی کے مرنے کے بعد نعمت اللٰہیہ فرقوں کے سربراہوں پر بڑی سختی کی جاتی تھی۔ لہذا انہوں نے ہندوستان کے بادشاہ کے یہاں پناہ لے لی جبکہ کریم خان زند کے زمانہ میں ذہبیہ، کبرویہ، نوربخشیہ اور ذہبیہ اغتشاشیہ پر ایران میں کسی قسم کی سختی نہیں تھی وہ اپنے کاروبار کو اچھی طرح چلا رہے تھے۔ صرف فرقۂ نعمت اللٰہیہ اور اس کے پیر کچھ وجوہ کی بنا پر ہندوستان چلے گئے اور دکن کے بادشاہوں کے سایہ میں رہ کر بغیر کسی سختی و زحمت کے زندگی بسر کی۔

یہ سختی فتح علی شاہ کے زمانہ تک اسلئے نظر آتی ہے کہ وہ تصوف کے مخالف تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد جب محمد شاہ کے ہاتھ میں حکومت آئی حالات کلی طور پر بدل کر صوفیوں کے حق میں ہو گئے اور صوفیوں پر لطف و عنایات کا بادل برسنے لگا![1]

---

1. تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۲۰۔

وہ نہایت ہی اہم موضوعات کو نعمت اللہی تصوف کی تاریخ سے فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جس سے فرقۂ نعمت اللہیہ کی تاریخ میں کوئی اہمیت نہ ہے۔

شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد کا اولین ارتباط ہندوستان کے بادشاہوں، یعنی برطانیہ کی پرورش گاہ، سے برقرار ہوا اور دوسرا ارتباط نعمت اللہیوں کے دوسر برآوردہ اشخاص۔ حاج میرزا آغاسی و میرزا نصر اللہ کا محمد شاہ قاجار سے ہوا گذشتہ اوراق میں ہم اسکی تفصیل بیان کرچکے ہیں۔ جب محمد شاہ تخت حکومت پر بیٹھا تو حاج میرزا آغاسی استعمار کا ایجنٹ اور فرابانی کے قائم مقام کی شہادت کا سبب بنا اور صدر اعظم بن گیا اور میرزا نصر اللہ اردبیلی جو کہ سلسلہ کے مشائخ میں سے ایک تھا اسے صدر الممالک کا عہدہ ملا[1] اعتماد السلطنت نے ۱۲۵۱ھ ق کے وقائع میں تاریخ منتظم ناصری میں لکھا ہے: فرابانی کے قائم مقام کی شہادت کے بعد محمد شاہ قاجار کی طرف سے جو فرامین صادر ہوتے تھے وہ صدر الممالک کے مشورہ سے ہوتے تھے۔

جیسا کہ فرقۂ نعمت اللہی کے پیروں کے معتقد کوثر علی شاہی نے بھی تحریر کیا ہے: جب حاج میرزا آغاسی کو عہدہ مل گیا اور میرزا نصر اللہ اردبیلی کو ۱۲۵۱ھ میں صدر الممالک کا عہدہ دیا گیا تو محمد شاہ نے صدر الممالک کے

---

[1] تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللہیہ در ایران ص ۱۱۱۔

کے کہنے پر فارس کی ذمہ داریاں رحمت علی شاہ کے سپرد کر دیں اور اسے نائب الصدری کے لقب سے نوازا [1]۔ محمد شاہ قاچار نے میرزا آغاسی کے لحاظ میں حاجی زین العابدین شیروانی پر بھی عنایتیں کیں اور شیراز میں ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور شیراز سے باہر ایک گاؤں انہیں ہدیہ کے طور پر دے دیا جس کی سالانہ آمدنی اس زمانے میں ہزار تومان تھی اور مست علی شاہ شیروانی نے اپنی آخری زندگی عیش و آرام سے بسر کی [2]۔

حاج زین العابدین شیرازی رحمت علی شاہ کے بیٹے معصوم علی شاہ لکھتے ہیں: رحمت علی شاہ کے نام نائب الصدری کے فرمان جاری ہونے کے بعد فارس کے علماء و اعیان نے ان سے منھ موڑ لیا اور پہلے کے برخلاف کافر کہنے لگے [3]۔

میرزا آغاسی۔ جو کہ حسین علی شاہ کے خلفاء میں سے ایک اور ایران میں استعمار کا مشہور ایجنٹ تھا۔ کے اثر و رسوخ اور اس کے یار غار میرزا نصر اللہ اردبیلی کی تدبیروں سے سلسلہ نعمت اللہیہ ایران میں نئے مرحلہ میں داخل ہوا۔ علاوہ اس کے کہ علماء [4] و حکام اس کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے [5] ان میں اکثر لوگ یا تو بتدریج فقر میں داخل ہو گئے یا ظاہراً فقیر بن گئے [6]

---

[1] سیری در تصوف و عرفان ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص ۱۰۴ [3] طرائق الحقائق ج ۳ ص ۲۹۱

[4] سیری در تصوف و عرفان ص ۱۰۲ [5] البتہ بعض لوگوں نے ڈر کے مارے مخالفت چھوڑ دی تھی، بعض حمایت کرتے اور بعض اپنی مخالفت پر باقی رہے [6] تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللہیہ در ایران ص ۲۱۔

رحمت علی شاہ کے بعد

نعمت اللٰہیہ کے بے اعتبار فرقہ نے معروف کرخی کے زمانے سے رحمت علی شاہ کے عہد تک بظاہر محفوظ روسار کے درمیان مکرر اتصال کے ذریعہ انقطاع نہیں ہونے دیا تھا۔

رحمت علی شاہ کی صلح جو تدبیر نے خط و کتابت کے ذریعہ حاجی شیروانی کے مخالفوں کو ملاقات پر، اور منکروں کو رضامند ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے بھی موصوف کی تصدیق کر دی اور مجذوب علی شاہ کے انتقال کے بعد فرقہ نعمت اللٰہیہ میں جو تفرقہ پھیل گیا تھا ان پر سب جمع ہو گئے[1] لیکن رحمت علی باوجودیکہ اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ ان کے بعد والے طبقہ میں کوئی خلافت کے لائق نہیں ہے بہت سے لوگ جیسے محمد کاظم اصفہانی ملا حسن کاشی اور میرزا آقا چار جو کہ ادھر کافی عرصہ سے خدمت میں حاضر رہتے تھے خود کو خلافت کا مستحق و اہل سمجھتے تھے[2]

اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کی طرف دیوان بیگی شیرازی نے حدیقۃ

---

[1] حدیقۃ الشعراء ج ۲ ص ۱۰۶۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۶۳۔

الشعراء میں اشارہ کیا ہے۔ رحمت علی شاہ کے، ماہ صفر ۱۲۷۸ھ میں انتقال کرنے کے بعد ان کے چچا حاج محمد شیرازی، الملقب بہ منصور علی شاہ، نے شیراز میں اور حاج محمد کاظم طاؤس العرفاء الملقب بہ سعادت علی شاہ نے اصفہان میں اپنی ریاست کا دعویٰ کر دیا اور پھر کافی دنوں کے بعد حاج میرزا حسن اصفہانی نے۔ کہ جنہوں نے منور علی شاہ کو تسلیم کیا تھا۔ سرکشی کی اور صفی علیشاہ لقب اختیار کیا اور رحمت علیشاہ کے بعد اپنی قیادت کا دعویٰ کیا۔

تاریخ سلسلہ ھای طریقۂ نعمت اللٰہیہ در ایران کے مولف ڈاکٹر مسعود ہمایونی نے۔ فرقۂ نعمت اللٰہیہ کی عشرہ کے اک موڑ پر کہ جہاں رحمت علی شاہ کے ذریعہ اتحاد پیدا ہو گیا تھا اور نائب الصدری کے فرمان نے بھی مخالفوں کو خاموش کر دیا تھا۔ ایک عجیب و غریب مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے کہ جنہوں نے رحمت علی شاہ کے مرنے کے بعد اپنی قیادت کا دعویٰ کیا تھا۔ لکھتے ہیں:

یہ واقعہ نائب الصدری۔ اس بات کا باعث ہوا کہ بے ایمان، مفاد پرست اور موقعہ کی تلاش میں رہنے والوں میں سے ایک گروہ اثر و رسوخ بڑھانے اور جاہ و ثروت جمع کرنے کے لئے فقراء میں داخل ہو گیا اور بظاہر فقر کی طرف مائل ہو گیا اور اس نے بتدریج اس وحدت کو ختم کر دیا جو عالم فقر و بے نیازی کا لازمہ تھی۔ فقراء کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا نتیجہ میں فقرا مختلف سلسلوں میں تقسیم ہو گئے۔

اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہر سلسلہ کے فقراء اپنے سلسلہ کے پیشوا کو ناجی اور دوسروں کو گمراہ کہنے لگے اور اس بات سے غافل رہے کہ عرفان و تعصّب میں منافات ہے۔

چونکہ بے رنگی اسیر رنگ شد موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد
رنگ را چون از میان برداشتی موسیٰ و فرعون دارند آشتی [1]

ڈاکٹر ہمایونی۔ جو کہ فرقۂ نعمت اللٰہیہ کے روسار کے درمیان حقیقی اتحاد قائم ہو جانے اور ہمارے درمیان[2] کے فرق کے مٹ جانے کے آرزومند ہیں۔ رحمت علی شاہ کے انتقال کے بعد ریاست کے دعوے داروں کو، بے ایمان، مفاد پرست اور فرصت طلب قرار دیتے ہیں کہ جنہوں نے اثرورسوخ بڑھانے اور جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے فقراء سے ربط و ضبط بڑھا لیا تھا اور بظاہر فقر کی طرف مائل ہو گئے تھے[3]

ان دعویداروں کے اسما درج ذیل ہیں

۱۔۔۔ میرزا ہدایت اللہ ذاکر علی شاہ شیرازی [4]

۲۔۔۔ محمد کاظم زین الدین طاؤس العرفا سعادت علی [5]

۳۔۔۔ خاج محمد منور علی شاہ شیرازی [6]

---

[1] تاریخ سلسلہ ھای نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۲ [3] تاریخ سلسلہ ھای نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۲۱ [4] سلسلہ ھای صوفیہ ص ۲۲۶ [5] پیران طریقت تالیف سلطان گنا آبادی ۲۳۰ [6] پیران طریقت تالیف جواد نوربخش۔

۴ـــــ صابر علی شاہ نصیر آبادی

۵ـــــ محمد حسن زرگر اصفہانی

۶ـــــ میرزا ابو الحسن کرمانی نعمت علی شاہ

۷ـــــ محمد حسن نطنزی کاشانی عبد علی شاہ [1]

ہم اپنی بحث کو فرقۂ نعمت اللّٰہیہ اغتشاشیہ کی ریاست کے انہیں دعویداروں سے مختص کرتے ہیں کہ جن کا اس زمانہ میں وجود خارجی نہیں ہے و ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اجازہ کو تسلیم نہیں کرتا اور اسے جعلی قرار [2] دیتا ہے۔

حدیقۃ الشعراء کے مولف سید احمد دیوان بیگی۔ متوفی ۱۳۱۰ـ رحمت علی شاہ کے معاصر

مونس علی شاہ

تھے اور اس زمانہ میں جو کچھ ہوا اسے اچھی طرح دیکھا ہے ان کا خیال ہے کہ رحمت علی شاہ کے زمانہ میں : مدتوں تک منور علی شاہ کے مقام طریقت کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ بیشک رحمت علی شاہ یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کے بعد والے طبقہ میں کوئی بھی خلافت کے لائق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ اسکے دعویدار تھے اور خود کو خلافت کا مستحق اور اہل سمجھتے تھے [3] رحمت علی شاہ نے و اسکے باوجود کسی کی اعتقاد کی خاجی محمد آقا ـ منور علی شاہ کو فقر کی دعوت دی...

---

[1] تاریخ سلسلہ ہای نعمت اللّٰہیہ در ایران ص ۱۲۱ [2] ایضاً [3] حدیقۃ الشعراء ج ۲ ص ۱۰۶۲ و ۱۰۶۳

اور خلافت تک پہونچ گئے یعنی خلافت کے مستحق یہ تھے رحمت علی شاہ کے مرنے کے بعد جو فقراء شیراز میں تھے انہوں نے انکی اطاعت کرلی، جو اختلاف رونما ہوا تھا وہ محمد کاظم کا تسلیم کرنا تھا[1] محمد منور علی شاہ کی قیادت کا آغاز جانشینی کا دعویٰ کرنیوالوں کی مخالفت سے ہوا منور علی شاہ کی حمایت کرنیوالے ان دو اجازوں سے استناد کرتے تھے جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ رحمت علی شاہ کی تحریر ہے ان میں ایک ۲۵ رشوال ۱۲۷۳ھ کو اور دوسرا ۲۲ رشعبان ۱۲۷۷ھ کو لکھا گیا تھا[2] البتہ حاج محمد کاظم اصفہانی سعادت علیشاہ کے حامیوں کا عقیدہ ہے کہ جناب رحمت علی شاہ کے انتقال کے بعد منور علیشاہ نے خود کو سعادت علیشاہ سے کامل تر شمار کیا اور انکو خلافت کا زیادہ سزاوار جانا اپنے ظاہری فضل کو اولویت کا سبب سمجھا اور ایک فرمان رحمت علیشاہ کے چچا کی تحریر سے تنظیم کیا[3] کافی دنوں بعد اس چیز کو جناب سلطان حسین تابندہ، رضا علیشاہ نے رقم کیا کہ جن لوگوں کو تحریر شناسی کی مہارت ہے اگر وہ اس تحریر میں غور کریں تو اس اور دیگر تحریروں میں معمولی سا فرق پائیں گے اسطرح جناب حاج محمد منور علیشاہ کے اجازہ کو جعلی ثابت کیا ہے۔

منور علی شاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے حاج علی معروف

---

[1] پیران طریقت ص ۸۸ و ۹ تالیف نور بخش [2] رہبران طریقت در سلطان گنا آبادی ص [3]

[3] نابغۂ علم و عرفان ص ۲۸۷۔

منور علی شاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے حاج علی معروف
بہ وفا علی شاہ شیرازی نے قیادت سنبھالی اور ان کے بعد سید اسماعیل
اجاق صادق علی شاہ کرمانشاہی مسند نشین ہوئے مختصر یہ کہ علی ذوالریاستین
اول کے بیٹے وفا علی شاہ نے کہ جن کا نام عبد الحسین۔ معروف مونس
علی شاہ۔ تھا اپنے فرقہ کی قیادت سنبھالی۔

مونس علی شاہی میں انقطاع

ان اہم ترین مسائل میں کہ جن پر مکمل طور پر توجہ رکھنا ضروری ہے فرقۂ نعمت اللّٰہیہ اغتشاشیہ کی سرنوشت کا موضوع ہے کہ میرزا عبد الحسین ذوالریاستین، مونس علی شاہ شیرازی نے اسے کس سند سے جاری رکھا۔ اس کے جزئیات کا سراغ لگانا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ دنیا کے بندے معنویت کے نام پر مظلوم و مسکین صورت بنا کر دنیا کمانے اور ریاست طلبی پر ایک دوسرے سے کس طرح ٹکراتے ہیں، ان میں سے ہر ایک فرقہ کی ریاست کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ذوالریاستین کا ارادہ

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اصل موضوع تمہید کریں کہ کیا میرزا عبد الحسین ذوالریاستین معروف بہ مونس علی شاہ نے اپنا کوئی جانشین معین کیا ہے اور تحریری صورت میں فرقہ کی سربراہی اس کے سپرد کی ہے؟! اس کا جواب وہ خط ہے جو انہوں نے اپنے عقیدت مند فقیر محمد کے نام لکھا ہے

وہ ہر سوال کرنے والے کا بہترین جواب ہے۔ لکھتے ہیں:

مشفق مہربان، محب الفقراء والاخوان جناب فقیر محمد دام توفیقہ، آپ کا خط، جو آپ نے ۲۱/۱۰/۲ تاریخ کو لکھا تھا دو سوریال کے ساتھ موصول ہوا فقیر کی مزاج پرسی کی ہے، بحمد اللہ یہ جوابی خط لکھتے وقت تک بخیر ہوں اور اخوان الصفا کے کتابخانہ کے کمرہ میں خوشی و مسرت کے ساتھ دعا گو ہوں۔ ہاں ادھر چند روز سے سردی بڑھ گئی ہے جس سے زکام ہو گیا تھا، ختم ہو گیا ہے جیسا کہ آپ نے سنا ہے میں نے اپنے مرنے سے متعلق ایک بات کہی تھی میرا نظریہ ہے کہ ہر چیز سے زیادہ موت انسان سے نزدیک ہے، اسے غافل نہیں رہنا چاہئے اور مخلوق و خالق اعضاء و جوارح سے اپنا حساب صاف رکھنا چاہئے۔ اپنے امور و کام کا آج حساب کر لو، کہ خیر و شر سے فرصت ہے اور یہ دیکھو کہ تمہیں کیا حاصل ہوا ... ابھی تک میں وصیت نامہ نہیں لکھ سکا ہوں بعض لوگوں نے تحریراً اور شفاہی طور پر سوال کیا ہے کہ تمہارا وصی اور وکیل کون ہے؟ میں نے جواب دیا: تمام امور میں فقیر کا وکیل نعم الوکیل ہے، ہر روز نماز کے بعد پڑھتا ہوں، حسبی اللہ نعم الوکیل، نعم المولیٰ و نعم النصیر... لیکن چونکہ اس سلسلہ میں فقیر کو ناس الحجج کا حکم نہیں ہوتا ہے کہ اپنے بعد فلاں کو اپنا وصی قرار دو اس وقت تک جو شخص بھی فقیروں کی طرف کسی چیز کی نسبت دیتا ہے تو وہ محض جھوٹ و افتراء ہے [1]

---

[1] مقامات العرفاء ص ۵۰۹

دوسری جگہ جب ذوالریاستین سے ان کے جانشین کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو انہوں نے کہا: فرقۂ نعمت اللٰہیہ منور علی شاہی کی سربراہی مجھ پر ختم ہوگئی[1]!

ذوالریاستین کے انتقال کے بعد جنجال حاج میرزا عبدالحسین

ذوالریاستین، ملقب بہ مونس علی شاہ ابن وفا علی شاہ کے۔ جو کہ ۱۲۹۰ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے تھے اور ۸۲ سال کی عمر میں ۱۳۷۲ھ وفات کو تہران میں انتقال کیا تھا۔ جنازہ کو ان کی وصیت کے مطابق کرمانشاہ کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ ان کے مرنے کے بعد۔ چونکہ سربراہ کوئی معین نہیں تھا اسلئے۔ فرقۂ نعمت اللٰہیہ اغتشاشیہ منور علی شاہی کے دعویداروں میں جھگڑا شروع ہوگیا۔

۱۔ مہر علی یزدان شریف

۲۔ درویش خلیل بن درویش

۳۔ عزیز اللہ خدمت گزار

۴۔ سید ابو الفضل قوام شہیدی توفیق علی شہدی

۵۔ میرزا علی اصغر بن عبدالحسین ذوالریاستین زادہ

۶۔ محمد بن علی اصغر نوادہ ذوالریاستین

1۔ مقامات العرفا ص ۵۱۳۔

۷ ــــــ سید حبیب اللہ دستا لشگر

۸ ــــــ ابوطالب پدرام

۹ ــــــ سروان عبداللہ فرزند کرم علی

۱۰ ــــــ سید جواد صفا لواسانی

۱۱ ــــــ مدیرالممالک طالب علی شیرازی

۱۲ ــــــ درویش ابراہیم دماوندی

۱۳ ــــــ جلال الدین بہشتی آل آقا نصرت علی شاہ شیخ المشائخ

کرمانشاہی

۱۴ ــــــ سید عبدالحجت بلاغی حجت علی نائینی

۱۵ ــــــ درویش شکراللہ بن درویش غلام حسین معروف بہ مشتاق علی

۱۶ ــــــ سید علی فردوس منصور علی شاہ نجفی

۱۷ ــــــ میرزا زین العابدین نعمت اللہی ابن سید عباس صابر علی

شاہ یا قلعہ ای اصفہانی

۱۸ ــــــ میر سید علی برقعی

۱۹ ــــــ سید ابوطالب معصوم زادہ کیائی

۲۰ ــــــ سید ابوالفضل کمالی سبزواری

۲۱ ــــــ ڈاکٹر جواد نوربخش کرمانی [۱]

---

[۱] دو رسالہ در تاریخ جدید تصوف ایران ص ۹۳

چونکہ میرزا عبدالحسین ذوالریاستین نے یہ وصیت نہیں کی تھی کہ ان کے بعد قوم کا سربراہ کون ہوگا لہذا مذکورہ اشخاص نے جانشینی کا دعویٰ کیا۔

انتخابی فعالیت ہر چند جو معروف کرمی کے زمانہ سے ابھی تک ہوا ہے وہ صوفیوں کے دستورات و قوانین کے برخلاف تھا اور معصوم علی شاہ دکنی کے عہد سے جو شخص بھی فرقۂ نعمت اللّٰہی کا سربراہ بنا ہے وہ شورش و اغتشاش کے ذریعہ بنا ہے۔ یہانتک کہ کوثر علی شاہ بھی صوفیوں کے رسوم کے مطابق سربراہی تک پہونچے تھے۔ لیکن ان تمام باتوں سے زیادہ کہیں شرم کی بات وہ بے بنیاد دعوے ہیں جو کہ ذوالریاستین کے انتقال کے بعد ہوئے ہیں جیسے امام رضاؑ کی طرف انتساب وغیرہ اور ایک گروہ مونس علی شاہ کے بعد سربراہی کے منصب کو حاصل کرنے کے لئے فعالیت میں مشغول ہوا کہ جس کے مال کی فراوانی اور حکومت سے رسم و راہ ہوگی نیز بے ایمانی اور بے اعتقادی میں سب سے آگے ہوگا وہ تصوف کا سربراہ ہوگا۔ چنانچہ جناب نور بخش کی تابڑتوڑ فعالیت اور اس کے ساتھ اطلاعات کی بے لاگ حمایت و خدمت اس کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

پہلا قدم : جناب جواد نور بخش صاحب نے فرقۂ نعمت اللّٰہیہ دغنشاشیۂ منور علی شاہی کی سربراہی حاصل کرنے کے لئے ذوالریاستین کے انتقال سے پہلے ہی مقدمات فراہم کرلئے تھے۔

موصوف نے مقصد کے حصول میں خاندانی تعلقات کو بھی موثر سمجھا لہذا حاج میرزا علی اصغر بن حاج میرزا عبد الحسین ذوالریاستین، مونس علی شاہ کی زوجہ کی بیٹی سے شادی کر لی [1]

دوسرا اقدام : جب تین ۳ شوال سنہ ۱۳۷۲ھ کو مونس علی شاہ کا جنازہ کرمانشاہ لے گئے اور ان کی تدفین وغیرہ کے مراسم ختم ہو گئے تو بغیر کسی دستخط کے روزنامہ اطلاعات کے شمارہ ۸۱۴۰ میں شائع کیا گیا : جناب ڈاکٹر نوربخش کرمانی، فقید سعید، قطب العارفین حضرت ذوالریاستین نعمت اللہی کے جانشین کل تہران آئے ہیں اور خانقاہ میں تشریف رکھتے ہیں [2]

تیسرا اقدام : میرزا عبد الحسین مونس علی شاہ کے انتقال کے بعد پیری کے عہدہ پر پہونچنے کے لئے جناب نوربخش صاحب نے جو بہترین کام انجام دیا وہ ۴۵ ہزار تومان میں نعمت اللہی منور علی شاہی خانقاہ کی خریداری تھی۔ یہ پینتالیس ۴۵ ہزار تومان جناب نے مونس علی شاہ کے ورثا سے حاصل کئے تھے [3] ان کے لئے راستہ بالکل ہموار وصاف وستھرا تھا معتدبہ رقم کی پگڑی ان کے قبضہ میں تھی [4]

چوتھا اقدام : مونس علی شاہ کی تدفین اور ترحیم کی مجالس کے

---

[1] مقدمات العرفا ص ۴۹۶ [2] روزنامہ اطلاعات دوشنبہ ۲۶/۴/۲۲ شمارہ ۸۱۴۰ [3] سلسلہ ہای صوفیان در ایران ص ۲۱۳ [4] مقامات العرفا ص ۴۹۶۔

بعد نور بخش صاحب نے باثر لوگوں کو ٹیلیگراف اور خطوط ارسال کئے اور انہیں اپنی قیادت و سربراہی کی طرف دعوت دی. منجملہ ان کے ایک ٹیلی گراف۔ جس کا نمبر ۴۹۶ تھا۔ اس پتہ پر ارسال کیا: تہران خیابان برق۔ برق اسٹریٹ۔ دواخانہ... جناب... آپ نے جو کچھ میرے بارے میں ذوالریاستین سے سنا ہے اسے پورے شہر میں پھیلا دیں[1]

حاج حسینی صاحب کو درج ذیل مضمون کا خط لکھا: عزیزم جناب حسینی صاحب اس خط کی نقل میں نے جناب ستانشگر اور جناب ذوالریاستین کو ارسال کی ہے، جناب ستانشگر حقیر کے موافق ہیں، تشویق کیجئے. ان کے لئے میں نے چار صفحات پر مشتمل خصوصی خط لکھا ہے تاکہ شب جمعہ حاضرین کو سنائیں اور خط کی نقل کے علاوہ کچھ مدارک بھی پیوست ہیں جو قاطع دلیل ہیں، اول ضمیمہ خط سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میں ہی ان کے نزدیک اس لائق تھا، اور بس اسکے لئے علاوہ اور بھی مدارک ہیں، جیسے میرے پاس ان کی زندگی ہی میں تلقین ذکر کا اجازہ تھا اور کسی کے پاس نہیں ہے. سارے مدارک انشاء اللہ تہران پہونچکر دکھاؤں گا تاکہ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہو پیوستہ خط کی نقل لے کر سب میں تقسیم کردیں اور سب کو یہ بات باور کرائیں ادھر خط میں مجھے اس سے مطلع کرتے رہیں ۲

---

۱ سلسلہ ھای صوفیانہ ایران ص ۲۱۹ ۲ ایضاً ص ۲۲۰۔

تعجب ہے کہ نوربخش جیسے افراد عوام کو اس قدر بے شعور سمجھتے ہیں!!

اور پھر نوربخش صاحب جو چیزیں اپنی قیادت کو ثابت کرنے کے لئے رجوع کی ہیں یقیناً ان سے مونس علی شاہ بھی واقف رہے ہوں گے اگر وہ نوربخش صاحب میں قیادت کی صلاحیت ولیاقت محسوس کرتے تو اپنے فرقہ کے ماننے والوں کو اس سے آگاہ کرتے۔

دوسرا خط: اسی زمانہ میں جناب نوربخش صاحب نے ہم سے ایک خط تہران ارسال کیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: برادر عزیزم آج کل میں تمہارے اقدامات اور فداکاریوں کا منتظر ہوں، درج ذیل نکات کا اپنی فعالیت میں لحاظ رکھنا۔

۱ــــ نرمی اختیار کرو

۲ــــ کوئی کچھ بھی ہے سنی ان سنی کردو

۳ــــ بات کے پابند رہو

۴ــــ مستقل طور پر دوستوں کے ساتھ خانقاہ جایا کرو

۵ــــ اگر ہو سکے تو اطلاعات کے ہفتہ وار ضمیمہ میں تم خود یا جو بھی انجام دے سکے۔ مونس السالکین کی سوانح حیات کو چھپوادو اور اس کے خاتمہ پر اس مضمون کا اضافہ کرو جیسا کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں فرمایا تھا اور جمہور فقراء کا عقیدہ ہے کہ ڈاکٹر جواد نوربخش کرمانی جو فی الحال ہم میں ادارۂ حفظان صحت کے سکریٹری ہیں۔ ضرور بالضرور چند اخبارات میں یہ چیزیں شائع کرانے کی کوشش کرو۔

خصوصاً ہفتہ وار اطلاعات میں طبع کراؤ تاکہ اس کی اہمیت سمجھی جائے اور حکیم الٰہی سے پتے حاصل کر کے پورے ایران اور تہران میں پہونچا دُو اس کام کو جلد از جلد انجام دینے کی کوشش کرو، جناب میرزا علی اصغر خان سے بھی رابطہ قائم کرو اور انہیں یہ بات باور کراؤ کہ اگر تم میرزا زین العابدین[1] کی طرف داری کریں گے اور ان کا ساتھ دیں گے تو فقیر آپ کے خاندان سے نکل جائے گا۔ جناب ذکائی صاحب سے کہئے کہ وہ بھی انہیں سمجھائیں۔ دوسرے یہ کہئے کہ اگر انہوں نے فلاں کو انتخاب کیا ہے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے بعد جناب محمد آپ کے صاحبزادہ کی نوبت ہے نیز کہئے کہ تہران کی خانقاہ کے اخراجات موصوف ہی برداشت کرتے ہیں، اگر پیسے کی ضرورت ہو تو مجھے ٹیلی گراف کر دیجئے میں بھیجدوں گا، ہر ہفتہ خط لکھ کر مجھے حالات سے مطلع کرتے رہیے جس چیز کے بارے میں میں نے کہا ہے اسے ٹیکسی کر کے فوراً تقسیم کر دیجئے اور اصل تحریر کسی کو نہ دکھایئے مخلص ڈاکٹر نور بخش[2]

پانچواں قدم : ڈاکٹر نور بخش جس شخص کو بھی اپنے لئے ضرر رساں یا خیر خواہ سمجھتے فوراً اس سے ملاقات کرنے یا اس کے پاس کسی کو بھیجنے کا منصوبہ بناتے تھے۔

---

[1] یہاں حاج میرزا زین العابدین اصفہانی مراد ہے۔ [2] سلسلہ ھای صوفیان ایران ص ۲۲۱ و ۲۲۲۔

کسی سے معلوم ہوا کہ حاج احمد شکریہ ساکن رشت ، اس علاقہ کے سبھی لوگ ان کا احترام کرتے ہیں، انہوں نے مرحوم حسن مہری کے گھر مرحوم ذوالریاستین سے ملاقات کی تھی یہیں مونس علی شاہ سے یہ سوال ہوا تھا کہ کیا آپ اس سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، یا تحریری طور پر کسی کو جانشین معین کر دیا ہے یا ابھی یہ مسئلہ مد نظر ہے؟ مونس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ بات کا موضوع ہی بدل دیا[1]

یہ خط میرزا عبد الحسین ذوالریاستین مونس علی شاہ کے انتقال کے بعد وجود میں آیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ جناب جواد نوربخش صاحب نے قیادت کے رقیبوں کو کس طرح میدان سے نکال دیا اور خود سربراہ بن بیٹھے ہیں۔

چھٹا قدم : نوربخش صاحب نے اسی پر اکتفا نہ کی، کیونکہ ان خطوط اور ٹیلی گرافوں کے ذریعہ وہ سب پر خصوصاً رقیبوں پر اپنی قیادت ثابت نہیں کر سکے تھے لہذا یہ طے کیا کہ فرقہ کے نمایاں لوگوں کی ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ اسطرح نوربخش کی قیادت کو مستحکم بنایا جا سکے۔ مجلس منعقد ہوئی اور اس کی کاروائی اس طرح شروع ہوئی۔

بسمہ تعالیٰ

برادران ایمانی اور دوستان روحانی پر مخفی نہ رہے کہ

---

[1] سلسلہ ھای صوفیان ایران ص ۲۱۹۔

کہ سلسلہ نعمت اللّٰہیہ[1] آغاز اسلام سے آج تک سلوک کے

مراحل اور اس سے مربوط طریقے قطب سلف سے جانشین

خلف کی طرف سینہ بہ سینہ اور دست بدست تفویض ہوتے

رہے ہیں لہذا حضرت قطب العارفین وملجاء السالکین جناب

میرزا عبدالحسین ذوالریاستین نعمت اللّٰہی مونس علی شاہ نے

نیز جلالتمآب و محامد انتساب جناب ڈاکٹر جواد نور بخش کرمانی[2]

کو اپنا جانشین منصوب کیا ہے. لہذا تمام بھائیوں کو اس

کی اطلاع دی جاتی ہے ان کی اطاعت سبھی بھائیوں

پر فرض ہے.

ساتواں قدم: نور بخش کے طرفداروں نے اس سیاست و تدبیر اور اس نقشہ سے ہی کام آگے نہیں بڑھایا بلکہ دوسرے فرقوں کے سربراہوں سے بھی حمایت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا لہذا انہوں نے اس قصد سے میرزا علی اصغر جواد نور بخش کی اہلیہ کی ماں کے شوہر- خود نوربخش کے ساتھ فرقہ خاکساریہ کے سربراہ خواجہ مطہر علی شاہ کے پاس جانے اور ان سے تائید حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا جب مطہر علی شاہ کے سامنے انہوں نے مسئلہ پیش کیا تو انہوں نے جواب دیا: اول تو زمانۂ قدیم

---

1. اس موضوع پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے 2. جو ٹیلیگرام اور خطوط پہلے نقل ہوئے یا بعد میں نقل ہونگے وہ ان کی

بھلے خاکسار کامل اہلِ حق کے سامنے اخروٹ توڑتا تھا! کیا یہاں تک نوبت آئی ہے؟ کہ جو سلسلہ کے قطب کیخلاف ثبوت فراہم کیا جائے؟ دوسرے سلسلہ کے قطب کو سید ہونا چاہئے غیر سید میں قطبیت کی صلاحیت نہیں ہے۔

جب میرزا اصغر علی، ذوالریاستین زادہ اور جواد نور بخش تہران کی خانقاہِ مطہریہ سے ناامید لوٹے تو اسی وقت شیراز میں مقیم درویش شکراللہ کرمانی سے دستخط لینے کے لئے گئے۔ اس سے درویش شکر اللہ کو بہت غصہ آیا تو مذکورہ دونوں افراد قطبیت سے ہٹ کر یہ کہنے لگے آپ ہمیشہ مرحوم کے یہاں رہتے تھے اور ہماری کوشش یہ ہے کہ یہ ڈھیڑھ سو سالہ فقر ہاتھ سے نہ جائے کہ میرے باپ کی میراث ہے[1]

شکر اللہ سے نور بخش کا عہد

درویش شکر اللہ ان پڑھ تھے اور قیادت کے دعویداروں میں سے تھے اور اپنی ستر سالہ کمائی سے فرقہ کے اکثر افراد کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ جس زمانہ میں میرزا علی اصغر اور ان کے بیٹے محمد ذوالریاستین اور نور بخش درویش شکر اللہ سے حمایت حاصل کرنا چاہتے تھے، اسی زمانہ میں وہ مونس علی شاہ کے چہلم کی مناسبت سے ایک رسالہ مرتب کر رہے تھے۔

درویش شکر اللہ سے ان لوگوں نے تائید حاصل کر لی لیکن انہوں

---

[1] مقامات العرفا ص ۵۱۷ و ۵۱۸۔

سے بھی اس بات کے پیش نظر کہ کہیں نور بخش منزلِ مقصود پر پہنچ کر استقلال کا دعویٰ نہ کریں ان سے یہ عہد لیا:

بسمہ تعالیٰ

میں گواہی دیتا ہوں کہ مرحوم قطب العارفین حضرت حاج ذوالریاستین نعمت اللّٰہی محمد ذوالریاستین نعمت اللّٰہی ۔ موصوف اپنے پوتے ۔ کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے یہ چند کلمات لکھ کر سرورگرامی جناب درویش سکر اللہ ۔ مشتاق علی ۔ کی خدمت میں پیش کر دیجیے تاکہ سند رہے اور فقیر کو حق اور اس کے اولیاء کی خدمت کے سوا کوئی غرض نہیں ہے ۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ڈاکٹر نور بخش ۱۷/۳/۱۳۳۲ [1]

نور بخش کی مخالفت

کچھ دن گذر جانے کے بعد نور بخش اور ان کے حلیف اس نتیجہ پر پہونچے کہ جتنے بھی اقدامات کئے گئے ان میں سے کوئی بھی مخالفت کو کم نہ کرسکا مزید براں بعض حلیف نور بخش کے پس پشت ان کے خلاف بولتے تھے اور کبھی کبھار سرکاری جرائد میں بھی کوئی بیان آجاتا تھا۔

---

[1] مقامات العرفاء ص ۲۹۴

جیسا کہ حاج رضا احسان پیر نعمت اللٰہی نے اپنا اعتراض نامہ روزنامہ اطلاعات اور روزنامہ قانون شمارہ ۹۱ سال ۲۳ کو اس طرح لکھا:

۱۔ اخبار میں اطلاع دینے والوں کے دستخط کیوں نہیں دیئے گئے۔

۲۔ نور بخش نے اپنی بم کی سرکاری ملازمت کو کیوں چھوڑ دیا اور تہران اور کرمانشاہ میں دھوکہ بازی میں کیوں مشغول ہیں!

۳۔ جناب نور بخش علمی اور عملی لحاظ سے ان دعوؤں کے لائق نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں کمال دھگان نے "ورفع شبہ" کے عنوان سے ایک مضمون روزنامہ پارس کے شمارہ ۴۴۶ شیراز میں شائع کیا۔

مدیر محترم: روزنامہ پارس کے شمارہ ۸۱۴۰ میں ایک کالم نظر سے گذرا کہ جس میں ڈاکٹر نور بخش کو قطب العارفین مرحوم حاج ذوالریاستین کا جانشین گردانا ہے۔

اول تو مرحوم نے اپنی زندگی میں بارہا میرزا زین العابدین نعمت اللٰہی اصفہانی کو اپنی جانشینی کے لائق قرار دیا تھا۔ دوسرے میں اور دیگر احباب جو ڈاکٹر نور بخش کو نزدیک سے جانتے ہیں انہوں نے کبھی موصوف کو اہل طریقت کی پیشوائی کے لائق نہیں سمجھا ہے۔ یہ سطریں میں نے دوسروں کی آگہی کیلئے لکھی ہیں۔ خاک راہ درویشان، کمال دھگان!

۱۔ مقدمات الرشاد ص ۵۲۲ از روزنامہ پارس شمارہ ۱۴۳۶ سال یازدہم۔

مونس علی شاہ کے پوتے کا خط

محمد ذوالریاستین کہ جنہوں نے نوربخش کے عہد نامہ کے بعد خاموشی اختیار کر لی تھی مرور ایام سے ان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ نوربخش نے جو عہد کیا تھا۔ اسے انہوں نے قیادت سنبھالتے ہی فراموش کر دیا ہے اور عنقریب محمد بن علی اصغر ابن مونس علی شاہ کو بھی فرقۂ نعمت اللّٰہیہ منور علی شاہی کا پیر تسلیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے عدالت میں دو درخواستیں نوربخش کے خلاف دیں [1] اور ان کے دادا کے بعد جس شخص نے بھی سربراہ بننے کی کوشش کی اس کے واقعات کو حرف بحرف لکھدیا۔ منجملہ ان کا ایک جواب نامہ ہے جو کہ نوربخش کے عہد نامہ لکھنے کے ساڑھے چار سال بعد جناب سید عبدالحجت بلاغی کو اسطرح لکھا ہے:

حضور باہر النور محضر الظہور، محب شفیق جناب بلاغی دام اقبالہ بالتقدیم عرض سلام۔ آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، حالات سے آگاہ ہوا آپ نے ڈاکٹر نوربخش اور حضرت خدایگانی

---

[1] مقامات العرفا ص ۴۸۸۔

کے بعد ان کی جانشین کے بارے میں حقیر کا نظریہ معلوم کیا ہے تو عرض کرتا ہوں جو مدارک میرے پاس ہیں ان سے اور دیگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نوربخش کے دعوے کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جب تک کوئی ذوالریاستین کے دستخط نہیں دکھائے گا اور وہ بھی ۱۲ر۱۰ر۳۱ کے بعد ہوں۔ اسوقت تک ان حضرات کے قطبیت کے کسی دعوے کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ۱۲ر۱۰ر۳۱ کا تحریر کردہ مرحوم کا ایک کاغذ میرے پاس ہے کہ جمیں انہوں نے یہ ذکر کیا ہے جو بھی میری طرف کوئی نسبت دے گا وہ جھوٹ ہے باقی خدا، علی مولا۔

ذوالریاستین زادہ نعمت اللّٰہی ۱۲ر۱۰ر۳۱[1]

محمد ذوالریاستین کا یہ کہنا کہ اگر ۱۲ر۱۰ر۳۱ کے بعد کا کوئی مدرک کسی کے پاس ہے تو وہ اسے پیش کرے قبول ہے کیونکہ نوربخش صاحب نے جس خط سے غلط فائدہ اٹھایا ہے وہ میرزا عبدالحسین ذوالریاستین کا خط ہے جو کہ انہوں نے ۲ر۱۰ر۳۱ کو اپنے کرمان و رفسنجان و زابدان کے مضافات میں بسنے والے مریدوں کے نام لکھا تھا اور اسمیں لکھا تھا کہ فقیر نے بھی ان سے نوربخش سے تقاضہ کیا ہے کہ فرصت کے وقت مضافات

---

[1] مقامات العرفا ص ۲۹۱۔

کی خانقاہوں میں جو سرکشی ہوتی ہے اور نواقص نظر آتے ہیں، انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس خط میں جو چیز قابل توجہ ہے وہ فقط آس پاس کی خانقاہوں کی سرکشی ہے وہ بھی اسوقت کے لئے جب خالی ہوں۔ اس سے فرقہ کی سربراہی ثابت نہیں ہوتی ہے۔

فرقہ نعمت اللٰہی مونس علی شاہی کی تغیر ماہیت

جب جواد نور بخش نے زمام سنبھالنے کے بعد اپنے کئے ہوئے عہد پر عمل نہ کیا اور دوسری طرف تمام رقیبوں سے بھی۔ انتقال کرنے یا ضعیفی کی وجہ سے۔ میدان خالی ہوگیا تو اب موصوف کے خلاف جو شخص بھی آواز بلند کرتا تھا اسی، کو شاہ کی اطلاعات کے ذریعہ، راستے سے ہٹا دیتے تھے یہاں تک کہ ذوالریاستین زادہ کو بھی ایکسیڈنٹ کر کے قبرستان پہونچادیا اور خود دشمنان حقہ کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن گئے۔ اہم بات یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی خدمت نے تصوف کو استعمار کی خدمت پر ابھارا اور "یا علی مدد" کی جگہ "یا حق" آگیا" صوفیوں کی شکل وشمائل کو یکسر ترک کر دیا اور فرعونوں کی صورت اختیار کرلی تاکہ غیر مسلموں کی نظروں میں عزت حاصل کرسکیں۔

جب نوبت یہاں تک پہونچ گئی تو، فرقہ کے ماننے والوں کی پراگندہ طور پر آواز بلند ہونے لگی یہ فرقہ نعمت اللٰہی کی تغیر ماہیت کے بارے میں تھیں۔

جیساکہ جناب سرہنگ صحرابی[1] نے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے اور جناب پرویز ایلخانی کو لکھا ہے: میری اور ان لوگوں کی نظر میں۔ جو کچھ کھلانا بنے ہیں۔ سلسلہ سیاسی مداخلت، حق گوئی و حق جوئی اور ریا کاری سے پرہیز سب پر لازم ہے، امید ہے کہ درج ذیل سوالات کے جواب عنایت کریں گے۔ اطمینان رکھو کہ میں تمہارا اور ڈاکٹر جواد نوربخش کا اس مولا کے سامنے گریبان پکڑوں گا جس کے حق و ناحق کا سب کو اقرار ہے

۱ـــــ ہمارا خیال یہ تھا کہ بہترین، اخلاق فضائل کے حامل اور مومن افراد ہی چراغِ فقرا اپنے گھر میں روشن کر سکتے ہیں افسوس کہ ہم ان کے اور پیر کے دستور کیخلاف ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

۲ـــــ ہم یہ سمجھتے تھے کہ اگر کوئی دھوکہ بازی ریاکاری کا گنجائش نہیں ہے، بدقسمتی سے معلوم ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کہ مقام شیخ المشائخی پر پہونچ گئے ہیں لوگ ان کی عزت و احترام بھی کرتے ہیں

۲۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ اگر کوئی دھوکہ بازی ریاکاری کا پتلہ ہے تو عرفان میں اکی ایمان اور یا وہ افراد کی سلسلہ نعمت اللٰہی میں کوئی حیثیت نہیں ہے تعجب ہے ان کی یہ حیثیت ہے کہ وہ چراغ روشن کرنے کا حکم دیتے ہیں اور انکی خواہش پر پہلے پیر کا حکم لغو اور ان کا جدید دستور نافذ ہوتا ہے۔

---

[1] در خرابات ص ۸۷۔

۴ ہمیں پورے طور پر یقین ہوگیا تھا کہ اگر عام لوگ خطا کے مرتکب ہوتے ہیں یا ان سے چوک ہو جاتی ہے لیکن پیر طریق اور اسکے معاون صرف حق دیکھنے، حق سننے، حق کہنے اور حق پر عمل کرتے ہیں یہ بھی غلط ثابت ہوا...

نوشتہ سہرابی ۳/۱/۱۳۷۲

جواب میں ایلخانی پور لکھتے ہیں: سلام علیکم جناب سرہنگ سہرابی صاحب، جناب کا خط موصول ہوا چونکہ جواب مانگا ہے لہذا تحریر کرتا ہوں۔ بندہ کیا حکم کرسکتا ہے خدا کا حکم صحیح ہے۔ خدا کی بارگاہ میں درویشوں کی دعا ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ اے اللہ! ہمارے دوستوں کو، خوش اور دشمنوں کی اصلاح فرما ہمارے پیر کا قول ہے درویش کی نہ کوئی حکایت ہے اور نہ شکایت۔ مولوی کہتے ہیں:

تسلیم شرط ہے راہ دراز نہیں۔ اور حافظ کہتے ہیں

سرکش مشو کہ چون شمع از غیرتت بسوزد

دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا

ازخدا داں خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

حقتعالیٰ فرماتا ہے: لاحول ولا قوۃ الا باللہ

فقیر ناچیز پرویز ایلخانی ۱/۲/۷۲

تہران کی خانقاہ کے سربراہ کے جواب میں چند نکات اہمیت کے حامل ہیں۔ کہ جن کا اسلام خصوصاً تشیع میں کوئی مقام نہیں ہے۔ جن کی طرف معمولی سا اشارہ بھی قارئین کو تحقیق پر ابھار سکتا ہے اور حقیقت تک پہونچنے میں انکی مدد کر سکتا ہے۔

ا۔۔۔ خط لکھنے والے نے سہنگ سہرابی کو بندہ اور نوربخش کو خدا کیوں لکھا ہے؟ کیونکہ کوئی بھی اعتراض کر سکتا ہے کہ چونکہ تم بندہ ہو جو بھی حکم دیں تمہیں اطاعت کرنی ہے۔

۲۔۔۔ جس چیز پر اعتراض کیا تھا بجائے اسکے درویشوں کی دعا کا سہارا لیا کر اے اللہ ہمارے دوستوں کو خوش اور ہمارے دشمنوں کی اصلاح فرما۔ یعنی فروع دین کی دو اہم اصل (امر با لمعروف اور نہی عن المنکر سے بے اعتنائی کرنے اور عمل نہ کرنے کو مورد سوال قرار دیا ہے۔

۳۔۔۔ درویش کی حکایت ہے نہ شکایت۔ یعنی جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسکے بارے میں کچھ نہ کہو ہمارا کھیل نہ بگاڑو! یعنی جو بلا بھی کسی پر ٹوٹے تم داد و فریاد نہ کرو اور اگر تم پر بھی آپڑے تو تم بھی شکایت نہ کرو۔

۴۔۔۔ مولوی کے کلام۔ شرط تسلیم است نے راہ دراز۔ سے استناد کرنا یعنی اعتقادی، اخلاقی اور انسانی ضوابط کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہمارے قول وفعل کے مقابلہ میں سراپا تسلیم ہونا چاہیئے۔

۵۔۔۔ دشمن و دوست کے اختلاف کو خدا کی طرف سے سمجھنا چاہیئے۔ یعنی تم جو کچھ شرع، اسلام، انسانیت اور فرقہ، نعمت اللٰہی کے خلاف دیکھو

اسے خدا کی طرف سے سمجھو، ہماری طرف سے نہیں۔

انشعابات منور علی شاہی

اس صورت میں جو انشعابات حاج محمد منور علی شاہی کے بعد فرقۂ نعمت اللٰہیہ اغتشاشیہ منور علی شاہی میں وجود میں آئے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے نمونہ کے طور پر دو افراد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱ــــــ چراغ مہر علی یزدان شریف، ذوالریاستین کے بعد جو سربراہی کے دعویدار ہوئے وہ ایک قبر پر اشک بہاتے ہیں۔

۲ــــــ جناب مظاہری معروف بہ بلبل شاہ نے درویش شکر اللہ کے اس گھر کو خانقاہ بنالیا جس میں وہ رہتے تھے اور درویش شکر اللہ کے دیوان کی ابتدا میں انہیں مونس علی شاہ سے پہلے کے رہبر کے عقیدتمندوں میں شمار کیا ہے جبکہ خود درویش شکر اللہ نے میرزا عبد الحسین مونس علی شاہ کے بعد قیادت کا دعویٰ کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ معروف کرخی، جنید بغدادی، اور معصوم علی شاہ دکنی کی خودسری، میرزا زین العابدین شیروانی کی کوثر علی شاہ کے خلاف شورش، اور میرزا زین العابدین شیرازی مست علی شاہ کا اجازہ سے خالی ہونا یہ سب ماجرے تصوف کے قوانین کے لحاظ سے باطل ہیں اور رضا علی شاہ دکنی وہ حاجی شیروانی اور رحمت علی شیرازی کا نعمت اللٰہیہ صوفیوں کے سربراہوں سے رشتہ منقطع ہے اور جو کچھ ہوا ہے اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نعمت اللّٰہیہ اغتشاشیہ گنآبادیہ

ہم پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجذوب علی شاہ کبوتر آہنگی کے انتقال کے بعد حاجی زین العابدین شیروانی نے خودسرانہ سربراہی کا دعویٰ کیا جبکہ ان کے پاس کوئی اجازہ نہیں تھا۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد نے بھی وہی کیا جو اپنے استاد سے سیکھا تھا اور جانشینی کا دعویٰ کیا اور نائب الصدری محمد شاہ قاجار کے فرمان اور خود موصوف کی ذاتی تدبیروں نیز میرزا آغاسی صدر اعظم و میرزا نصر اللہ اردبیلی صدر الممالک کی حمایتوں سے اس کا راستہ ہموار ہو گیا۔ اور جناب کو سکون ریاست مل گئی، لیکن رحمت علی شاہ کے انتقال سے پرسکون فضا میں تکدر پیدا ہو گیا اور ان کی جانشینی کے سلسلہ میں ایک گروہ کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ سید احمد دیوان بیگی صاحب حدیقۃ الشعراء اس کے چشم دید گواہ ہیں انہوں نے اس کے تمام جزئیات کو قلم بند کیا ہے[1]۔

لکھتے ہیں: رحمت علی شاہ کے انتقال کے بعد، شیراز کے تمام فقراء نے حاج محمد منور علی کو تسلیم کر لیا اور ان کی اطاعت کر لی ہے اور اختلاف محمد کاظم کی قیادت کے بارے میں رونما ہوا ہے[2]۔ حوالہ اگلے صفحہ پر

پھر جن لوگوں نے محمد منور کو تسلیم نہیں کیا تھا انہوں نے محمد کاظم اصفہانی سے تجدید عہد کیا ہے۔ اور انہوں نے جانشینی کا دعویٰ کیا ہے کچھ دنوں کے بعد حاج میرزا حسن صفی نے بھی قیادت کا دعویٰ کر دیا۔ جناب محمد کاظم کو دعویدار بہت برا بھلا کہتے ہیں اور علماء اور ظاہرین افراد بھی انہیں اذیت پہونچاتے ہیں [1]

سعادت علی کے اجازات کا تجزیہ

فرقہ نعمت اللٰہیہ

انشعاب سلطان

علی شاہی معروف بہ گناآبادی کے ذمہ داروں اور سربراہوں نے جواد نوربخش کے دعوے کو سند کے لحاظ سے بے اعتبار سمجھا اور محمد کاظم زین الدین اصفہانی معروف بہ سعادت علی شاہ کے اجازات سے توسّل کیا تاکہ اپنی حقانیت اور جواد نوربخش کے باطل ہونے کو ثابت کرسکیں۔

اگر وہ جداگانہ طور سے یہ اقدام کرتے تو صوفیوں کے شعار کے برخلاف ہوتا کیونکہ وہ کہتے ہیں: فقیری ترک قیل وقال ہے،، لہذا انہوں نے جناب عبد الغفار کی تالیف۔ محمد کاظم اصفہانی کی سوانح حیات۔ سعادتیہ۔ کو بہانہ بنایا اور اس پر چالیس صفحات کا مقدمہ لکھا تاکہ مجلہ صوفی۔ طبع لندن۔ کا جواب ہو سکے۔

---

[1] حدیقۃ الشعراء ج ۲ ص ۹۳-۱۰۶۴ [2] ایضاً۔ اگلے صفحہ کا حوالہ

[1] رسالہ سعادتیہ مقدمہ ص ۱۵۔

اوّل : یہ اجازہ شوال المکرم ۱۲۷۱ھ کے اواخر میں لکھا گیا ہے اسمیں آیا ہے : اصفہان میں جو بھی طریقۂ حقہ کا طالب ہے اسے وہ ذکر انفاس و اوراد تعلیم دیئے جائیں جو کہ مشائخ سے عظام کے دست بدست اور سینہ بہ سینہ آئے ہیں اور جمعہ کی شبوں میں جب اسکے اسباب فراہم ہوں تو اس نہج سے ضرورت پوری کی جائے جو ان تک پہونچا ہے۔[1]

اسی اجازہ کے حاشیہ پر - جو کہ ربیع الاول ۱۲۷۲ھ میں - لکھا گیا ہے دوبارہ تاکید کی جاتی ہے کہ اصفہان یا دوسری جگہوں کے حق کے طلبگاروں کو اجازت ہے ذکر انفاس و ذکر حیات اور اوراد کی ، جس طرح ان تک پہونچے ہیں ایسے ہی طلاب کی استعداد کے مطابق تعلیم دیں !

تجزیہ

جیسا کہ اجازہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اول تو یہ کہ ایک دستور ہے جو رحمت علی شاہ نے اپنے ان مریدوں کے لئے لکھا تھا جو اصفہان میں تھے اور پھر جیسا کہ آج بھی صوفیوں کے فرقوں میں رواج ہے کہ اس قسم کے اجازات کی دوسری جگہوں پر کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے خصوصاً جہاں پہلے سے کوئی صاحب اجازہ موجود ہو۔

ہمارے اس مقصد کی تائید حاشیہ پر مرقوم تحریر کرتی ہے۔

---

[1] رسالۂ سعادتیہ ص ۳۰

ابتدا ہی میں لکھا ہے کہ " دوبارہ تاکید کی جاتی ہے کہ اصفہان یا دوسری جگہوں کے ــ جہاں بھی تم ہو ــ طلاب کو سکھاؤ

دوسرے دونوں اجازات میں محمد کاظم صاحب کو جن امور کے انجام دینے کا اختیار دیا گیا تھا وہ جمعہ کی شبوں میں امکان کی صورت میں واجبات کی تلقین ہے۔

دوسرا اجازہ : اجازہ کی تحریر وہی ہے جو نابغۂ علم و عرفان میں ص ۲۶ کے بعد اور رسالۂ سعادتیہ کے مقدمہ کے ص ۳۱ پر درج ہے فرقۂ نعمت اللہیہ گنا آبادیہ کے پیرو سربراہ، محمد کاظم تمباکو فروش اصفہانی معروف بہ طاؤس العرفاء اور ملقب بہ سعادت علی شاہ کو میرزا زین العابدین شیرازی رحمت علی شاہ ــ کا حقیقی و حتمی جانشین سمجھتے ہیں۔

دوسرے اجازہ کا تجزیہ : اجازہ میں جس چیز پر سب سے پہلے انسان کی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے: ۱۲۷۶ھ کا ماہ شوال ہے. جناب معارف اکتساب عوارف انتساب، مجاہد و مکارم و مشائخ القاب آقا محمد کاظم معروف بہ زین الدین طاب ثراہ کہ حلیۂ اوصاف حمیدہ...

اجازہ نامہ کا یہی فقرہ ــ کہ جس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ رحمت علی شاہ نے محمد کاظم اصفہانی کے لئے اجازہ لکھا ہے ــ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اجازہ محمد کاظم اصفہانی کے انتقال کے بعد لکھا گیا ہے۔

کیونکہ موصوف کے نام کے بعد لفظ " طاب ثراہ " لکھا ہے جو کہ دنیا سے اٹھ جانے والوں کے لئے لکھا جاتا ہے جیسا کہ جناب سلطان حسین تابندہ، رضا علی شاہ، نے بھی حاج شیخ عبداللہ حائری کے نام کے بعد ان کے انتقال کے بعد " طاب ثراہ " لکھا ہے[1] اسی طرح رسالۂ سعادتیہ میں، رضا علی شاہ کے نام کے بعد طاب ثراہ[2] اور سلطان علی شاہ کے نام کے بعد بھی طاب ثراہ لکھا گیا ہے[3]

اس صورت میں جو اجازہ رحمت علی شاہ کی طرف سے محمد کاظم تمباکو فروش اصفہانی کے لئے لکھا گیا ہے وہ اس "طاب ثراہ" کے لحاظ سے جو کہ محمد کاظم معروف بہ زین الدین کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ موصوف کے انتقال کے بعد مرتب ہوا ہے۔ لکھنے والے نے جان بوجھ کر یا بھولے سے طاب ثراہ لکھ دیا ہے۔ اجازہ میں دوسری جو چیز نظر آتی ہے وہ محمد کاظم کو دیا گیا لقب ہے۔ اجازہ کو دیکھئے لفظ سعادت نہ صرف ٹھیک پڑھنے میں نہیں آتا ہے بلکہ سعادت سے مشابہ بھی نہیں ہے لیکن علیشاہ اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے اور ذہن کا یہ سامنہ آدمی کو ایسے مطالب کی طرف لیجاتا ہے کہ لکھنے والے نے اجازہ رحمت علیشاہ اور محمد کاظم اصفہانی دونوں کی موت کے بعد لکھا ہے اور جان بوجھ کر لقب نویسی میں ایسا کیا ہے کہ سعادت علیشاہ نہ بنے اور حقیقت کے متلاشی ان کی نظر پہچان لے کہ اجازہ گڑھا ہوا ہے۔

---

[1] نابغۂ علم و عرفان ص ۲۷۰ [2] رسالۂ سعادتیہ چاپ و انتشارات حقیقت ص ۱ [3] حوالہ اگلے صفحہ

نعمت اللّٰہیہ اغتشاشیہ صفی علی شاہ

حاج میرزا حسن اصفہانی ملقب بہ صفی علی شاہ بن محمد باقر اصفہانی فرقۂ نعمت اللّٰہیہ کے رہبروں میں سے ایک ہیں یہ ۳ رشعبان ۱۲۵۱ھ ق کو اصفہان میں پیدا ہوئے ۲۱ رسال کی عمر میں ۱۲۷۲ھ میں شیراز گئے اور میرزا کوچک رحمت علیشاہ کی مریدی اختیار کی۔

رحمت علی شاہ کے مرنے کی خبر یزد یا[1] بقولے بمبئی میں شائع ہوئی صفی علی شاہ کو بہت رنج ہوا۔ پہلے انہوں نے حاج محمد کاظم اصفہانی سے تجدید بیعت کی۔ لیکن جب ان کی توقعات پوری نہ ہوئیں تو حاج محمد (منور علی شاہ) کے پاس گئے ان کی طرف سے مجاز ہو گئے اور ہندوستان کا رخ کیا، کچھ لوگوں کی دستگیری کی[2] منور علی شاہ تجدید بیعت کے بعد صفی کے حالات میں تبدیلی آئی اور زبدۃ الاسرار — جو کہ مدتوں سے تعطلی کا شکار تھی — کے کام کو دوبارہ شروع کیا۔

۱ـ اگلے ص کا حوالہ رہبران طریقت و عرفان ص ۲۵۶ سطر ۲ طبع سوم ۲ـ حدیقۃ الشراع ۲ ۱۰۲۳ ۳ـ ایضاً ج ۳ ص ۳۴۳ و ۳۴۶ ۴ـ نابغۂ علم و عرفان ص ۴۸۹ ـ

ایک زمانہ تک ہندوستان میں قیام کرنے کے بعد کربلائے معلیٰ گئے، اور وہاں سے ایران آگئے، جیسا کہ خود کہتے ہیں: اس زمانہ میں اس سلسلہ کی قطبیت پر مشائخ کے درمیان سخت رسّہ کشی تھی، یہ چیز فقیر کو پسند نہیں تھی۔ میں کہتا تھا کہ فقر ترکِ ہنگامہ ہے نہ کہ ارشادنامہ کا غذ سے میں نے علیٰحدگی اختیار کی اور دوبارہ ہندوستان چلا گیا۔[1]

پیر فاضل ما زندیق جاہل صفی نے درویشی اختیار کرنے اور رحمت علی شاہ کی اطاعت کرنے کے بعد کرمان کا قصد کیا، اور انہیں وہیں فرمان ملا کہ ہندوستان روانہ ہو جاؤ، شاہ نعمت اللہ ولی کی قبر کے پاس چالیس روز قیام کی اجازت ملی اور رحمت علی شاہ کے حکم سے وہیں زبدۃ الاسرار کی تنظیم میں مشغول ہوئے۔ چالیس روز گذر جانے کے بعد ہندوستان چلے گئے، اور رحمت علی شاہ کے مرنے کی خبر سن کر ایران واپس آگئے، اور رحمت علی شاہ کے بعد قیادت کے سلسلہ میں جب ہنگامہ تھا، اس وقت پہلے محمد کاظم اصفہانی سے اور پھر محمد منور علی شاہ سے تجدید عہد کیا اور پھر زبدۃ الاسرار کی تنظیم و ترتیب میں مشغول ہوئے اس موقع پر کچھ اشعار کہے اور ان میں حاج محمد کاظم تمباکو فروش کو زندیق و جاہل اور حاج محمد منور علی شاہ کو فاضل قرار دیا۔

---

[1] تاریخ سلسلہ ھای نعمت اللّھیہ در ایران ص ۱۵۲

ہندوستان واپسی

یہ اشعار کہنے کے بعد زبدۃ الاسرار کا سلسلہ شروع رکھتے ہوئے شیراز پہونچے اور منور علی شاہ کی منزل میں باریاب ہوئے ان کے لئے ایک نظریہ قائم کیا، چند ماہ ان کے پاس قیام کیا اسی اثنا میں بمبئی سے نواب علی شاہ نے منور علی شاہ سے تقاضہ کیا کہ ارشاد کے لئے کسی شخص کو ہندوستان بھیجئے۔ منور علی شاہ نے بھی میرزا حسن اصفہانی کو صفی علی شاہ کا لقب دیا اور اجازہ دیا اور جناب بوشہر سے کے راستہ کشتی کے ذریعہ بمبئی پہونچ گئے اور اپنے فرائض منصبی کو انجام دینے لگے!

کچھ مدت کے بعد کہ جس کے بارے میں خود کہتے ہیں کہ اس کا ذکر نا مناسب نہیں ہے۔ ہندوستان میں رہنا مشکل ہوگیا اور واپس آکر امام رضاؑ کے روضہ پر پہونچے؟

---

۱ دو رسالہ در تاریخ تصوف ایران ص ۶۲ ۲ تاریخ سلسلہ ہائی نعمت اللّٰہیہ در ایران۔

قیادت پر جھگڑا

صفی علی شاہ ۱۲۸۸ میں وارد دار الخلافہ ہوئے، شروع میں محلۂ حیات شاہی میں گھر لیا ۱۲۹۴ میں ان کے ایک مرید شاہزادہ سلطان محمد میرزا سیف الدولہ بن عضد الدولہ نے انہیں خانقاہ بنانے کے لئے دو ہزار ہاتھ زمین کا ایک قطعہ دیا۔ چنانچہ اسی سال وہاں ایک بڑی خانقاہ تعمیر کرادی گئی جو آج خانقاہ صفی علیشاہ کے نام سے مشہور ہے۔[1]

سید احمد دیوان بیگی صاحب حدیقۃ الشعراء نے لکھا ہے: حسد کرنے والے تمام سلسلوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض فقراء نے صفی علیشاہ کو بہت چڑھایا لیکن ناکام رہے مایوس ہو کر شیراز گئے' اور حاجی محمد ۔ جو کہ زندگی بھر علم کے حصول اور محراب و منبر کے مسائل میں رہے ۔ کو بعض باتیں بتائیں اسی چغلخوری کے نتیجہ میں پیر و مرید میں نزاع ہو گیا نوبت یہانتک پہونچی کہ منور علی شاہ نے میرزا حسن صفی علی شاہ کے بارے میں کہا:

---

[1] تاریخ سلسلۂ نعمت اللٰہیہ در ایران ص ۱۵۲۔

جس شخص نے بھی صفی علی شاہ سے کوئی چیز کسب کی ہے اسے چاہئے کہ وہ کاشان جاکر حاجی ملا حسن۔ عبدالعلی شاہ سے تجدید عہد کرے اس نفسیاتی معاملہ میں صفی نے باوجودیکہ خود کہتے تھے کہ مسند فقر ترک ہنگامہ راست نہ کاغذ ارشادنامہ۔ صوفیوں میں ایک ہنگامہ برپا کردیا![1]

صفی نے اپنے مجموعۂ اشعار۔ زبدۃ الاسرار۔ میں محمد کاظم اصفہانی طاؤس العرفاء کو ابوجہل، بچھڑا اور زندیق وغیرہ کہا تھا اب وہ انہیں سے روابط بڑھا رہے ہیں، اور حاجی منور سے بھی اسطرح جدا ہو گئے۔ اور جس صوفی کا کسی سے اتصال نہ ہو نجیب الدین رضا کے بقول اسکی مثال، گدھے کی سی ہے[2] اور ملا علی گنج آبادی کے بقول "پیشاب کی سی ہے"[3] دوسری طرف فرقۂ نعمت اللہیہ اغتشاشیہ کے ان دو مدعیوں کے بغیر صفی اپنے قول کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔

اسی لئے انہوں نے اجازہ پر اکتفا نہ کی اور دوسرا راستہ اختیار کیا اور کہا: مرشد منصوص کو قوت قدسیہ اور حیات قلبیہ کا حامل ہونا چاہئے کاغذ ارشاد کافی نہیں ہے۔[4]

یہاں تک انہیں یہ معلوم ہوا کہ میرزا علی آقا صدر العرفاء بن مست علی

---

۱ حدیقۃ الشعراء ج ۲ ص ۱۰۳۲ و ۱۰۳۴ ۔ ۲ رسالۂ سعادتیہ ص ۲۶ ۔ ۳ سبع المثانی ۲۵۴ ۔ ۴ رسالۂ سعادتیہ ص ۸۴۔

شیروانی تہران آئے ہیں اور سراج الملک کے یہاں قیام پذیر ہیں، فوراً ان سے ملاقات کی اجازت طلب کی، انہوں نے بھی اجازت دیدی حاجی میرزا حسن نے بہت زیادہ احترام کیا اور کہا: آپ اپنی خانقاہ میں کیوں نہ داخل ہوئے؟ صدر العرفاء نے پوچھا تھا کہ آپ کی خانقاہ کہاں ہے؟ عرض کیا تھا: وہی چراغ جو آپ کے والدین نے روشن کیا تھا، جواب دیا وہ چراغ گنا آباد میں روشن ہے، اسوقت حاجی میرزا حسن نے پوچھا کہ آپکا اجازہ کس بزرگ تک پہونچتا ہے؟ تھوڑے تامل کے بعد جواب دیا، خواب میں صدر العرفاء کو دیکھا تھا بہت خوب: اب ہمارا تمہارا کوئی ربط نہیں ہے[1] اے کاش کوئی صدر العرفاء سے یہ کہدیتا کہ گنا آباد اور تمہارا اور تمہارے والد مست علی شاہ کا سلسلہ کس بزرگ پر منتہی ہوتا ہے۔ حاجی شیروانی نے بھی تو شورش کر کے قیادت حاصل کی تھی نہ کہ مجذوب علیشاہ کی اجازت سے۔

صفی علی کا حملہ جب حاج محمد منور علی شاہ نے میرزا حسن صفی علی شاہ کو، اپنے عہدہ سے معزول کر دیا تو دشمنوں نے صفی کو رسوا کرنا شروع کر دیا۔

حاج محمد کاظم اصفہانی کے ماننے والوں کے اعتراضات کا کچھ تو جواب

---

[1] نابغۂ علم و عرفان ص ۲-۳۵۲۔

دینا تھا لہذا صدر العرفاء سے ملاقات کے بعد کہنے لگے میں نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو خواب میں دیکھا ہے خواب ہی میں میں نے آپؑ سے اجازہ لیا ہے اور آپؑ نے میرے دوش پر خرقہ ڈالا ہے چونکہ یہ باتیں صوفیوں کے قواعد و ضوابط کے خلاف تھیں اس لئے ان کا خوب مذاق اڑایا گیا۔

خاج محمد منور علی شاہ کے ماننے والوں کے حملہ کا جواب بہت مشکل کام تھا کیونکہ بے ربط جواب سے کام اور زیادہ بگڑ جاتا۔

مثلاً سید ہدایت اللہ، متولی بقعہ شاہ نعمت اللہ ولی، کو خط میں لکھتے ہیں: اگر کوئی یہ پوچھے کہ تمہارے پاس اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ سلسلہ امامؑ سے متصل ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہی دلیل ہے جو اتصال امامت پر تمہاری دلیل ہے، اس سے مد مقابل اثبات کریگا کیونکہ منکر کیلئے کوئی بھی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی [1]

دوسری جگہ دشمن کی حمد و ثنا کرتے ہیں تاکہ محمد منور کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور انکے پیروکار کامیاب نہ ہوں اسی لئے محمد تقی محلاتی کے جواب میں لکھتے ہیں: اس باب میں لکھا ہوا ارشاد نامہ، مستند ہے یا نہیں؟ اگر سند ہے تو آپ کیا کہتے ہیں کہ حاجی محمد طاؤس العرفاء کے لکھے ہوئے کو کیوں قبول نہیں کیا؟

---

[1] دیوان صفی ص ۱۶۔

صفی کے بعد دعویدار

جب سے باضابطہ صوفیوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا ہے اسی وقت سے انکے سکریٹری صدر وغیرہ بھی منتخب ہونے لگے ہیں چنانچہ جب ان کا کوئی صدر مر جاتا ہے تو چند لوگ اسکی جانشینی کا دعویٰ کرتے ہیں عوام بھی زندہ باد مردہ باد کا نعرہ لگاتی ہے صفی علی شاہ کے مرنے کے بعد دو اشخاص نے میرزا حسن صفی علی شاہ کی جانشینی کے بارے میں شہرت پائی۔

ناصر الدین شاہ کے داماد ظہیر الدولہ علی پر زیادہ عنایات تھیں لہذا جانشینی کے مسئلہ میں انہوں نے سب سے زیادہ شہرت پائی اور جو صفی نے اجازہ لکھا تھا اس سے بھی استناد کیا جاتا تھا۔

ظہیر الدولہ خداوند کی جان و مال کی حفاظت کے ساتھ ان کی عزت و عافیت میں اضافہ فرمائے اور انہیں اوراد کی وہ طلاب کو تلقین کریں اور فقیر کی روح کو شاد فرمائیے۔ والسلام من اتبع الھدیٰ۔

مندرجہ بالا اجازہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صوفیوں کے لحاظ سے یہ اجازہ تلقین ذکر کا اجازہ ہے جانشینی کا نہیں ہے۔

جو اجازہ ظہیر الدولہ حاج مستشار علی کو دیا ہے صفائی آج تک اس سے اپنی قیادت پر استدلال کرتی ہے جبکہ یہ بھی تلقین ذکر کا اجازہ ہے وہ یہ ہے: برادر با ایمان برابر جناب مستشار علی دام ارشادہ کو، تلقین کرتے رہیے مولیٰ سب کو خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے التماس دعا [1]

ایسے ہی مستشار نعمتی نے جو اجازہ میرزا محمود صفائی سنگری کے لیے لکھا ہے وہ وہ بھی تلقین ذکر ہی کا اجازہ ہے [2] اور شیخ محمود سنگری کے بعد ایک جگہ بڑے عارف جناب عباس منظوری منظور علی شاہ نے ایک خط میں سنگری کے بیٹے منصور صفائی کو لکھا ہے کہ منصور و عارف کسی کو بھی فرقہ نعمت اللٰہیہ اغتشاشیہ صفی علی شاہی میں سربراہ کے عنوان سے داخل نہیں کر سکتے۔ اہم بات یہ ہے کہ میرزا حسن صفی علی شاہ کا جب محمد منور علی شاہ اور محمد کاظم اصفہانی، سعادت علی شاہ سے اتصال ٹوٹ گیا تو تصوف کے قوانین کے لحاظ سے اس فرقہ کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔

صوفیوں کا نظریہ ہے کہ جن کے پاس صرف تلقین ذکر کا اجازہ تھا فرقہ کی سربراہی کا نہیں اور وہ سربراہ بنے تو انکا کوئی اعتبار نہیں [3]

---

[1] اسرار تصوف [2] ہم نے تکرار کی وجہ سے خلاصہ پیش کیا ہے مترجم [3] صاحبدلان ج ا ص ۱۴۵

فرقۂ نعمت اللّٰہیہ کوثریہ

نور علی شاہ اصفہانی نے ایک اجازہ مجذوب علی شاہ کبودر آہنگی کے لئے لکھا تھا حاج ملا محمد رضا ہمدانی ملقب بہ کوثر علی شاہ کو پیر دلیل منتخب کیا تا کہ ظاہر و باطن کے لحاظ سے اس مسلک کے سالکوں کی ہدایت و راہنمائی اور احکام خدا کا اجراء کریں ۔[1]

اگرچہ مجذوب علی شاہ نے مرتے وقت کسی کو اپنا جانشین معین نہیں کیا تھا۔ لیکن ملا محمد رضا ہمدانی نے فرقۂ نعمت اللّٰہی کی قیادت کا دعویٰ کیا اور حاجی شیروانی نے انہیں تسلیم نہیں کیا تھا اور فرقۂ نعمت اللّٰہیہ کے ماننے والوں میں بطور غلط مشہور تھا کہ فرقۂ کوثریہ حسب سابق جاری ہے اگر بفرض محال وہ اپنی سابقہ سنت پر جاری بھی ہے تو بھی صوفیوں کے قواعد و ضوابط کی رو سے اسپر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں ۔

حاج ملا محمد رضا ہمدانی مجذوب علی شاہ کے پیر دلیل تھے لہذا مجذوب علی شاہ کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہ رہی ۔

---

[1] ماخذوان مس ۳۰۵

تصوف کی عمر میں کسی زمانہ میں بھی کوئی شخص کسی بھی زمانہ میں پیر دلیل ہونے کے اعتبار سے منصب ریاست پر نہیں بیٹھا ہے مگر یہ کہ پیر دلیل شیخ کے منصب کے لئے چن لیا گیا ہو۔

مجذوب علی شاہ نے محمد بن عبدالرحیم جاسبی[1] اور اسی طرح سید حسین شاہ استرآبادی[2] کو اجازہ دیا تھا جو کہ صحیح ہے اگرچہ یہ اجازات بھی معروف کرخی کے امام رضا سے پہلے مرنے کی وجہ سے بے اعتبار ہیں۔ لیکن یہ بات ثابت کرنے کیلئے کہ مجذوب علی شاہ نے کسی کو جانشینی کے طور پر منتخب نہیں کیا تھا۔ لہٰذا پیر دلیل ملا محمد رضا ہمدانی ریاست کے اجازہ حکم پیدا کر لیتے ہیں اور دوسرے دونوں اجازات کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

فرقۂ نعمت اللٰہیہ کا خاتمہ فرقۂ کوثریہ کے آخری سربراہ محمد حسن مراغہ ای معروف بہ مجبوب علی شاہ تھے جنہوں نے حاج معین الغلام کے انتقال کے بعد ایک اجازہ کی مدد سے قیادت حاصل کر لی تھی ۲۲ سال کی فرقہ داری کے بعد ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ میں ۹۶ سال کی عمر میں مر گئے اور اپنے نجی گھر میں دفن ہوئے۔

---

1 طرائق الحقائق ج ۳ ص ۵۰۷ 2 دو رسالہ در تاریخ جدید تصوف ایران ص ۸۱ اور اس سے آگے

ان کے بعد علی اصغر ملک نیا معروف بہ ناصر علی اہل آذربائیجان ۔ جو قالین وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔ خانقاہ اور اس کے اوقاف کے متولی ہوئے اور تھوڑے دنوں کے بعد محمد حسن مراغہ ای کی جانشینی کا دعویٰ کیا۔ لیکن ملا رضا ہمدانی کے پاس مجذوب علی شاہ کا جو اجازہ تھا وہ پیر دلیل کا تھا اور کسی کا نہیں۔ پیر دلیل کا اجازہ رکھنے والے کو فرقہ کی سربراہی نہیں مل سکتی۔ لہذا فرقہ نعمت اللہیہ کوثریہ بھی اس اعتبار سے ساقط ہے۔

فرقۂ نعمت اللہیہ شمسیہ مجذوب علی شاہ ہمدانی نے جو اجازہ سید حسین استرآبادی کے لئے لکھا تھا وہی اجازہ ملا رضا ہمدانی، کوثر علی اور حاجی شیروانی مست علی کے اجازۂ پیر دلیلی کو باطل کرتا ہے اور یہی فرقۂ سید حسین استرآبادی کے اتصال کو بھی معصوم علی شاہ دکنی کے زمانہ سے قطع کرتا ہے۔ کیونکہ معصوم علی شاہ دکنی نے نور علی شاہ کو اپنے پیر شاہ علی رضا دکنی کی حیات ہی میں سربراہی کے لئے انتخاب کر لیا تھا جبکہ وہ آجکل کے صوفیوں کی اصطلاح میں چلتے پھرتے شیخ تھے اور انہیں ایسے امور کا اختیار نہیں تھا۔ بہرحال اس فرقہ کی سربراہی، فرقۂ نعمت اللہیہ کے آخری سربراہ سید حسین حسینی تہرانی نعمت اللہی بن سید محمد رضا ملقب بہ شمس العرفاء کے ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ کو انتقال کے بعد موقوف ہو گئی۔ البتہ شمس العرفاء کے بعد سید عبدالحجت بلاغی اور میر سید علی برقعی نے قیادت و سربراہی کا دعویٰ کیا تھا۔

لیکن ان دونوں کے مرنے کے بعد اس فرقۂ نعمت اللٰہی کی بساط بھی پلٹ گئی ۔

ہم کوئے تصوف سے کیوں گزرے

ہم نے صوفیوں میں جو چیز دیکھی ہے وہ بظاہر دلفریب اور باطنی لحاظ سے عجیب و غریب ہے اس کوچۂ تصوف کے باشندے جو کہ سب کو قیل و قال ترک کرنے کی دعوت دیتے تھے، ریاست کو ایک ہنگامہ سمجھتے ہیں ۔ اور یہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ وہ کس طرح ہنگامہ بپا کرتے تھے اور ارشاد نامہ کو بہانہ بنا کر ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے تاکہ منصب سربراہی پر متمکن ہو سکیں ۔

ارشاد نامہ کو فرقہ کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کی اساس جانتے تھے اور جس کے پاس یہ نہیں ہوتا تھا اسے غاصب سمجھتے اور اسکے خلاف شورش کرتے تھے جبکہ خود ان کے پاس اجازہ نہیں تھا بلکہ حق غصب کئے بیٹھے تھے ۔ بساط باطل پر ایک باطل پرست آدمی بیٹھتا ہے اور وہ خوش فہم لوگ جو کہ شیطان اور اپنے نفس کے شر سے بچنے کے لئے ان کے پاس پناہ لیتے ہیں، انہیں قرآن کے سیدھے راستہ سے منحرف کرکے اپنے شیطانی راستہ پر لگاتا ہے

یہ انسانی صورت کے ابلیس جو سب کو ترک ہنگامہ کی تلقین کرتے ہیں خود منصب ریاست و سربراہی کے لئے خوب ہنگامہ کرتے ہیں ۔

سید عبداللہ برزش آبادی ۔ ذہبیہ اثنا عشریہ کے مقتدا

نے اپنے مرشد، خواجہ اسحاق ختلانی سے صرف اسلئے علٰحدگی اختیار کر لی تھی کہ انہوں نے اپنے بعد سید محمد نور بخش کو ریاست کیوں سپرد کی ہے۔ خود کہتے ہیں: اپنے ولی نعمت کی مخالفت کی، ان سے اپنا راستہ جدا کیا اور خود اپنی قیادت و رہبری کا دعویٰ کیا، اور پھر کچھ دنوں کے بعد محمد سید آبادی نے اپنی چودھراہٹ کے لیے باطل سے اپنی راہ جدا کی اور خود نے بھی باطل کی بنیاد رکھی کہ جس پر دونوں نے عمارتیں قائم کیں۔

آخر کار میرزا احمد اردبیلی معروف بہ وحید الاولیاء نے۔ اس گمان کے تحت کہ مجد الاشراف ذہبی اغتشاشی کے سید محمد رضا سربراہ ہو جائیں گے اپنی قیادت کا دعویٰ کیا اور ایک باطل کے مقابلہ دوسرے باطل کی بنیاد رکھی تاکہ ڈاکٹر گنجویان کے لئے راستہ ہموار کر سکیں، اسی طرح ایک باطل دوسرے کیلئے مقدمہ بن گیا۔ تاکہ ظاہر سازی اور جھوٹی دینداری سے بڑی شہرت حاصل کریں جیسا کہ آج ذہبیہ اغتشاشیہ نے حاصل کر رکھی ہے۔

صوفیوں کے کوچہ میں، میں نے دیکھا کہ درویشوں کے لباس میں برطانیہ اور روس کے جاسوس ایران آئے۔ اسی زمانہ میں معصوم علی شاہ وارد ایران ہوئے اور نور علی اصفہانی کے دل میں ایک فتنہ کا بیج بویا اور اسکے بعد معصوم علی شاہ کے لگائے ہوئے پودے کی پرورش کیلئے روس اور برطانیہ نے محمد شاہ کا دربار مخصوص کیا۔

کوئے صوفیاں میں، میں ایک صوفی کی دوسرے سے

مخالفت اور دیانت حقہ کے خلاف صوفی کی روش سے واقف ہوا۔ صوفی کی استعمار کے سایہ میں استعمار کی خدمت کے لئے پرورش کی جاتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے جاہ و جلال میسر ہو جائے تو ان کے لئے مشکلات کھڑی کرے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے صوفی کو لاتے ہیں تاکہ دونوں انسانی دیانت کی بنیاد پر ایک دوسرے پر سبقت حاصل کریں چنانچہ ملا رضا ہمدانی کوثر علی شاہ کے بارے میں جیسے متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ نور علی اصفہانی کے بعد خود کو علی الاطلاق رئیس و سربراہ سمجھتے ہیں تو فوراً حاجی زین العابدین مست علی شاہ کو سربراہی کے جام سے مست کرتے ہیں اور انہیں کوثر علی شاہ کے مقابلہ میں لاتے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں فتنہ قائم کرنے کیلئے میرزا آغاسی صدر اعظم اور میرزا نصر اللہ اردبیلی کو صدر الملک اور رحمت علی شاہ کو فرقہ نعمت اللّٰہیہ اغتشاشیہ کی سربراہی اور صوبۂ فارس کی ۱/۱۰ دس آمدنی دی لیکن انہوں نے جو آرام کی فضا اپنے لئے قائم کی تھی اس سے وہ خود ہی خوف زدہ ہو گئے۔ اسلئے رحمت علی شاہ کے انتقال کے بعد نعمت اللّٰہی گروہوں میں خاندانی جنگ بھڑکائی اور محمد منور علی شاہ کو مناسب سربراہ قرار دیکر بساط باطل پر بٹھا دیا۔ اور دوسری طرف محمد کاظم اصفہانی کو ندیم سلطان بنا کر منور علی شاہ کا رقیب بنا دیا۔ ان کے لئے ایک اجازہ بھی تیار کر دیا، اسی اجازہ میں طاب ثراہ کا لفظ نقل ہوا ہے تاکہ آئندہ کوئی فتنہ کھڑا کیا جاسکے۔

سعادت علی شاہ اصفہانی بالکل ان پڑھ تھے، اس کے باوجود

انہوں نے ملا سلطان محمد گنا آبادی کے لئے ایسا غائبانہ اجازہ لکھا ہے
اور اس بات کے پیش نظر کہ کبھی سرکشی نہ کرے اور اپنے مستقل ہونے کا
اعلان نہ کرے اسلئے مرزا عبدالحسین کو ان کے ساتھ لگا دیا تاکہ اتفاق کے
ساتھ سربراہی کریں، لیکن گنا آبادیوں کی سیاست اور انحصار طلبی اور رقیب
پروری سے خوف خصوصا وہ رقیب جیسے سعادت علی شاہ نے بنایا ہو
لھذا انہوں نے ایسی چال چلی کہ جس کے بعد کوئی عبدالحسین کا نشان
نہ پا سکے گا۔

ناگہاں بغیر کسی دلیل کے ایک روحانی زادہ کو۔ کہ جس نے اپنے
پدری وخاندانی راستہ کو چھوڑ کر اپنا الگ راستہ اختیار کرلیا تھا اور عراق میں
برطانیہ کے سفارتخانہ سے ۰۰ ے روپیہ ماہانہ وظیفہ لیتا تھا۔ لسے ملا سلطان حسین
گنا آبادی کا حامی وعقیدتمند بنا دیا اور شیخ عبداللہ حائری کے نام سے
حاج رحمت علی شاہ، جو کہ صرف گنا آبادیہ میں سربراہوں میں شمار ہوتے
تھے، تہران میں فرقہ کا اتباع کرنے والوں کا صدر بنا دیا اور وہ نور علی
گنا آبادی کو درک کرنے پر مامور ہوئے جو کہ تصوف اور والد سے قطعی متاثر
نہیں تھے، تعجب ہے کہ اسی باپ کے بعد جانشین ہو گئے اور جس تصوف
کو تسلیم نہیں کرتے اسی کے سربراہ اور جس باپ کو قبول نہیں کرتے
اسی کے جانشین بنے۔

اسی زمانہ میں انہوں نے ایک ایسا کام کیا کہ کیوان قزوینی
منصور علی شاہ اس ناانصافی سے ۔ جو کہ صوفیوں میں ہونے والی ناانصافیاں

میں سے ایک تھی۔ عاجز آ گئے تو انہوں نے راز سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا اور اسرار کو طشت از بام کر دیا، میرزا ہادی خان حائری بن حاج شیخ عبد اللہ حائری رحمت علی شاہ۔ جو کہ پہلوی خاندان کے زمانۂ حکومت میں وزیر، اور صالح علی شاہ پھر رضا علی شاہ کی سربراہی کے طرف دار تھے۔ خود جمعہ کے دن میرے پاس آئے اور مجھ سے نقل کیا کہ کیوان نے اس طرح مخالفت کا آغاز کیا ہے اور ملا سلطان گن آبادی سے کہا: میں نے ۱۲ سال خدمت کی ہے اور اپنے اندر ظہور قائم ! کے سوا اور کوئی چیز محسوس نہیں کی ہے، تم نے کہا اس میں ایک سال کا اور اضافہ کرو، میں نے کر دیا پھر بھی بات نہ بنی موصوف ایک رات میں اپنے اعتراض کی تکرار کرتے ہیں!؟ ملا سلطان نے انہیں انگوٹھی دی اور حکم دیا کہ امام زمانہ سے توسّل کرو اور اس انگوٹھی کو کنوئیں میں ڈال دو۔ کیوان ملا سلطان کے حکم پر عمل نہیں کرتے۔ چند روز کے بعد ملا سلطان کیوان سے کہتے ہیں کل رات میں امام زمانہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے یہ فرمایا اور تائید کے طور پر وہ انگوٹھی بھی مجھے دی جو کنوئیں میں ڈال دی تھی اور پھر وہ انگوٹھی کیوان کو دیتے ہیں۔ کیوان انگوٹھی لے لیتے ہیں اور پہلی انگوٹھی سے ملا کر دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں بنانے والا کتنا ماہر ہے کہ اس انگوٹھی میں اور جو آپ نے مجھے دی تھی سر مو فرق نہیں ہے۔! یہیں سے کیوان، فرقۂ گن آبادی سے متنفر ہو جاتے اور اپنی الگ روش اختیار کرتے ہیں۔

---

۱ استوار نامہ ص ۶۵ ۲ کیوان نامہ ص ۱۵۱-۱۹۶۔

کوے صوفیان میں

اس زمانہ میں نذورات اور نیاز کے سلسلہ میں میرزا حسن اصفہانی صفی علی شاہ کی اپنے پیر حاج محمد منور علی شاہ سے چل گئی تو انہوں نے جناب کو تہران کی خانقاہ سے باہر نکالدیا۔ بدعت پر بدعت کا اضافہ کیا سنت شکنی کر کے پیر کی اطاعت سے باہر نکل گئے اور مستقل طور پر خود رئیس بن بیٹھے۔

کوے صوفیان میں، میں نے دیکھا کہ تجربہ کار افراد جنہوں نے صوفیوں کے سربراہ کی جوانی سے بڑھاپے کی منزل تک خدمت کی ہے، اگر انہوں نے مدارج طے نہیں کئے تو اس میں خانقاہ کی غلطی ہے اور پھر جو مدارج طے نہیں کر سکا ہے اسے اپنے ماننے والوں کا رہبر کیوں بنایا ؟ ۔جیسے میرزا محمد صادق غازی، نیاز علی، حاج شیخ عبداللہ حائری، رحمت علی، کیوان قزوینی، منصور علی اور میرزا علی بن مست علی شاہ کو برطرف کیا اور ملا علی گن آبادی کو۔ جو کہ تصوف اور صوفی گری کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے لیکن چونکہ فرقہ کے پیر کے بیٹے تھے۔ تلاش کر کے پیر مسلک بنالیا !!

یا شیخ عبداللہ حائری کے ہوتے ہوئے کہ جنہوں نے دو

پیروں کا زمانہ درک کیا تھا اور خاجہ عماد سبزواری، ہدایت علی، شیخ محسن سرکستانی
صابر علی و مجتہد سلیمانی، وفا علی، شیخ اسداللہ گلپایگانی، ناصر علی اصفہانی
کے امام جمعہ فیض علی کو ۔ کہ جن میں سے ہر ایک اسی سال کے اوپر تھا
برطرف کیا اور ۲۹ سالہ جوان صالح علی چونکہ پیر کے بیٹے تھے لہذا ان
کی اطاعت پر مجبور کیا یا صوفی املشی عزت علی کے یا محقق خراسانی کے مرتے
ہوئے رونق علی کے بیٹے کو اسلئے فرقہ کا سربراہ بنا دیا کہ اسکے آباؤاجداد
فرقہ کے پیر تھے ۔

کوئے صوفیاں میں، میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر نوربخش منصب ریاست
تک پہونچنے کے لئے پانی کی طرح پیسہ خرچ کرتے ہیں، دوسروں کے
حقوق پامال کرتے ہیں، جھوٹ بولتے اور اطلاعات کے افراد سے مدد لیتے
ہیں، ذوالریاستین کے بیٹے کو فریب دیتے ہیں اور پھر ایکسیڈنٹ کرا کے
انہیں راستہ سے ہٹا دیتے ہیں، کوئے صوفیاں میں، میں نے دیکھا کہ
ڈاکٹر نوربخش کے مطیع و فرمانبردار سیناٸی شیخ روشن علی منصب ریاست حاصل
کرنے کیلئے حق و حقیقت کا بہانہ بنا کر اپنے پیر کے خلاف شورش بپا کرتے
ہیں اور تضعیفی کے زمانہ میں شہر بہ شہر پھرتے ہیں تاکہ فرقہ کے متبعین کو اپنی
سربراہی کی طرف دعوت دیں ۔

کوئے صوفیاں میں، میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر نوربخش نے اپنے
متبعین کو ابھار کر سیناٸی کو شیراز میں کس طرح راستہ سے ہٹایا تاکہ کوئی
رقیب اور نزاع کرنے والا نہ رہے ۔

اور دیکھا کہ سینائی روشن علی شاہ کے پسماندگان میں سے ہر ایک ان کے بعد کے لوگوں کے ایمان کے لئے بلا قرار پایا۔

میں نے کوئے صوفیان میں خاکسار کے زمانہ میں دیکھا کہ میر طاہر اپنے پیر مظہر علی کے خلاف کیسے قیام کرتے ہیں اور اپنے لئے جعلی مسند بناتے ہیں اور حاجی مظہر کے ماننے والے انہیں میر طاہر کے بجائے میر باطل کہتے ہیں یہی میر طاہر جو حاجی مظہر کے سخت دشمن تھے ان کے انتقال کے بعد عزادار بن جاتے ہیں اور یہ افسوس و تاثر اسلئے ظاہر کرتے ہیں تاکہ منصب ریاست حاصل کرسکیں. لیکن مصباح نام کا ایک آدمی درمیان میں آجاتا ہے وہ اپنی زلف وریش درست کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں حاجی مظہر کا منھ بولا بیٹا ہوں ، اور وہ اسطرح بغیر اجازہ کے رئیس فرقہ بن جاتا ہے ، اور خانقاہ مظہریہ کے ذمہ داران چالیس روز تک لوگوں کو اس بہانہ سے۔ کہ حاج مظہر کا وصیت نامہ پڑھکر سنائیں گے۔ سرگرداں رکھتے ہیں جبکہ وہ جانتے تھے کہ وصیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

کوئے صوفیان کے اس محلہ میں ، میں نے دیکھا کہ محمد مداحی میر انفعل باطل میر طاہر سے نزاع کے لئے کھڑا ہوتا ہے چنانچہ طاہر سے اپنی راہ جدا کی ، باطل در باطل کو رونق دی ، اور لوگوں کے ایمان کے عوض اپنی چودھراہٹ قائم کی۔

صوفیان کے کوچہ کے دوسرے کوچہ میں ، میں نے اسی خاکسار کے خاندان میں سے ایک کو حاجی مظہر کے مطیع و فرمانبردار اور عابد و زاہد [illegible]

شاہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی پیر در ئیس معین نہیں ہوا ہے لہذا وہ کہتے ہیں میرے والد کے پاس حاج بہار کا اجازہ تھا پس اس لحاظ سے میں بھی فرقہ کا رئیس ہوں اور ان سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ جب تم رئیس کے بیٹے اور خود پیر ہو تو پھر تم نے حاجی مطہر کی اطاعت کیوں کی تھی۔ تمہاری اس اطاعت سے وہ اتصال باطل ہو جاتا ہے۔

کوئے صوفیان کے دوسرے گوشہ میں ایک قبرستان کے مجاور کے بیٹے کو دیکھا کہ چونکہ اسکا باپ ظہیر الدولہ کے مقبرہ کا مجاور تھا اور اس قبرستان کے امور کو انجام دینے پر مامور تھا وہی اسکی روزی روٹی کا ذریعہ تھا، ایک بوڑھی عورت کے ساتھ عمر گذارنے کو اپنی سربراہی کا بہانہ بناتا ہے اور رضا مقبرہ دار کے بیٹوں عباس واحد صفائی کہ جنکے پاس کچھ نہیں تھا وہ اس باطل کو حاصل کرنے کیلئے ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ جسکو میرزا حسن صفی علی شاہ نے ایجاد کیا تھا اور ظہیر الدولہ کے زمانہ میں وہ انجمن اخوت کے نام سے فراماسونری برطانیہ کی خدمت کررہا تھا۔ تاکہ عزت و تمکنت کے ساتھ ننگ وعار کی روٹی کھائیں۔

کوئے صوفیان کے دوسرے کوچہ میں، میں نے ایک آدمی دیکھا کہ جسکی ریاست کے پائے نہیں تھے نہ قادریہ اسکی حمایت کرتے تھے نہ صفی علی شاہیہ مدد کرتے تھے آخر کار انہوں نے بھی تصوف میں پہلی بدعتوں کی طرح ایک بدعت کرڈالی پہلے انہوں نے اپنی دکان کے لئے " یا بزید " کا بورڈ بنانے کا آرڈر دیا۔ پھر یہ سوچکر کہ لوگ پوچھیں گے کہ تمہارے اور " بایزید بسطامی "

کے درمیان تو دسیوں صدیوں کا فاصلہ ہے اسے کس طرح پر کروگے ؟
چونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لہذا اپنے خاندان "کے عارف" کا
سہارا لیا اور "عارفیہ" نام کا ایک نیا فرقہ ایجاد کیا وہ بھی بغیر دوکان کے
کوئے صوفیاں میں آ کھڑے ہوئے ہیں اور اب اپنی دوکان کے چمکنے کے
منتظر ہیں

کیا واقعاً ان تمام عیاریوں اور مکاریوں کے باوجود — جو صوفیوں
کے سربراہوں نے سربراہی کا منصب حاصل کرنے کی غرض سے کی ہیں
ابھی بیان کردہ، جو ہم نے بھی سنی ہے دیکھی نہیں ہے حقیقت کا کہیں سراغ
مل سکتا ہے ؟

یعنی سربراہی کے سلسلہ میں اس حیلہ گری اور جنگ وجدل کے
باوجود کیا کوئے صوفیاں میں کہیں تزکیہ وتہذیب نفس کی گنجائش ہے ؟

وہ شخص کہ جس نے اس دیار میں عرصۂ دراز گذارا ہے وہ کوئے
صوفیاں سے کبیدہ خاطر ہو کر کیوں نکلتا ہے، ارشاد وہدایت میں کوئی نزاع
نہیں ہے لیکن عہدہ اور ریاست کے مفادات اور معبودانہ تعظیم وتکریم نے حق و
باطل کا جنجال کھڑا کردیا۔

اونٹ کی شکایت

میں کوئے صوفیاں میں، آخری رات کے لمحات بسر کر رہا تھا
اور خدا سے لو لگائے ہوئے تھا کہ میری سعادت کی صبح طلوع
ہو اسی اثنا میں میری نظر "اعظام العزا رندی" کی کتاب میں اونٹ کی شکایت ۔ شکایت شتری ۔ پر
پڑی یقیناً یہ ہر اس شخص کی زبان ہے کہ جس سے آدم نما بہائم کی خدمت لی جائے۔

حدیث سے دفاع

ترجمہ

اضواء علی

السنۃ المحمدیۃ

تالیف

محمود ابوریہ

مترجم

نثار احمد زین پوری

تاریخ اسلام

۱

سیرت رحمۃ للعالمین

۲

سیرت امیر المومنین و معصومین

مؤلف

اہل قلم کی ایک جماعت

ترجمہ و تصحیح

نثار احمد زین پوری

وسیلة الخادم الی المخدوم

در شرح صلوات

چہاردہ معصوم

مؤلف

فضل اللہ بن روزبہان خنجی اصفہانی

مترجم

نثار احمد زین پوری

بکوشش رسول جعفریان

اصولِ دین

خدا رسولؐ امام اور معاد

شناسی

تالیف

اہل قلم کی ایک جماعت

مترجم

نثار احمد زین پوری

[illegible] کتاب قرآن مجید میں ایسے طریقے بیان ہوئے
ہیں [illegible] انسان [illegible] منزل حقیقی عرفان تک پہنچ سکتا ہے
ایسے [illegible] غور و فکر [illegible] اور خود اپنے نفس کے [illegible] دعوت دی
[illegible] دیا ہے خود شناسی سے [illegible] شناس [illegible] کی معرفت
سے عرفان حقیقی تک پہنچنے کا راز بتا دیا [illegible] لوگوں نے
[illegible] اور کائنات کا مطالعہ [illegible] ہر چیز [illegible]
کائنات کی وہ چیزیں بھی ان پر آشکار [illegible] دوسروں پر مخفی رہتی
ہیں [illegible] گمنام [illegible] مشہور ہو گئے ہیں

[illegible]